

خواتین کے لیے فائز قمر کی آپ

# پنل

www.eurdulibrary.com  
http://www.pakurdulibrary.com  
http://www.pakfunpace.blogspot.com  
www.pakurdulibrary.com  
aanchalpk.com aanchalnovel.com

70 روپے



# اچال

40  
04  
2018

نویسنده  
شقایق اعظمی  
نویسنده

بانی و مدیر  
مسیحی احمد  
مدیر

سید طاہر  
طاہر اعظمی  
چونکہ  
نویسنده

نویسنده  
گنبد الہند  
مدیر

اشتراکات اور دیگر معلومات  
0300-8264242




ہم آج پاکستان میں سب سے بڑی سوشل  
رکنوں کو ملانے والے پاکستان میں سب سے بڑی  
رکنوں کو ملانے والے پاکستان میں سب سے بڑی

[aanchalpk.com](http://aanchalpk.com)

[aanchalnovel.com](http://aanchalnovel.com)

[www.aanchalpk.com/blog](http://www.aanchalpk.com/blog)

[onlinemagazinepk.com/recipes](http://onlinemagazinepk.com/recipes)

 /Naeyufaq Aanchal &  
Hijab official group

 /women.magazine





### ابتدائیہ

- 14 سرگشیاں  
15 حمد  
15 نعت  
16 درجہ جواب آں

### دانش گدہ

- 20 الکوش

### ہمدانہ اجل

- 23 زین شہزادی / بادشاہ  
منتر فحید / عالیہ شرف

### سلسلہ وار ناول

- 56 تیرنی لٹ کے ہونے تک  
اکالی  
88 عشق کا گھر سردار

### مکمل ناول

- 128 جنون عشق تک  
کوئی کوشی میا خواب  
160 صائمہ قریشی

### ناولٹ

- 26 تم میری عید کے چاند

### افسانہ

- 46 ذات کی گورھ رلی  
80 کب اشک گہر ہوگا  
116 دریاؤں کے دستک  
152 نادیہ احمد

### مستقل سلسلہ

- 208 طاعت نظامی 190 یادگار لمحے  
211 میوندہ رومان 192 آئینہ  
217 طاعت نظامی 194 جنگ لنگ پلنگ  
219 بیوٹی گائیڈ 197 روشن احمد  
222 نیرنگ خیال 199 ایمان فقار  
225 دوست کا پیغام 204 ہما احمد

خط و کتابت کا پتہ: ایم اے اے اے پبلیکیشنز، سب سٹر 75، کراچی، 74200 فون: 021-35620771/2  
فیکس: 021-35620773 کے لیے درخواستیں آئی ایم ای میل: info@aanehal.com.pk

پبلشر: مشتاق احمد، ریت رینجی پرنٹرز، جیل سٹریٹ، کراچی، 74400  
ہاکی اسٹڈیم، کراچی، ڈسٹرکٹ 7، سب سٹر 75، عبداللہ ہارون روڈ، کراچی، 74400



## سُرگوشیا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جولائی ۲۰۱۸ء کا آنچل بطور عید نمبر حاضر مطالعہ ہے۔

ادارے کی جانب سے آپ سب کو عید مبارک۔ اللہ سبحان و تعالیٰ تمام آنچل و حجاب و ہنوں کو بہت ساری خوشیوں سے نوازے گا اور اس اپنی رحمتوں و نعمتوں سے مال مال فرمادے گا۔ میں۔  
میں امید کرتی ہوں کہ آپ ہنوں نے رمضان مبارک میں خوب عبادت الہی کی ہوگی اپنے والدین اور تمام متعلقین کے لیے بہت ساری دعائیں کی ہوں گی کیا ان دعاؤں میں اپنی اس بہن کو بھی یاد کیا تھا؟ میں ان تمام ہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے رمضان کے روزوں میں مجھے یاد رکھا اور اپنی دعاؤں سے نوازا اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب ہنوں کی دلی مرادیں انیک خواہشات پوری فرمائے، آمین۔ آنچل کا یہ شمارہ عید نمبر کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کے ذوق اور معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں ہمیشہ کی طرح آپ کے محبتوں بھرے اخبار کا انتظار رہے گا آپ کی آراء ہمیں ہماری کوتاہیوں غلطیوں سے آگاہ کرتی ہیں آپ کی آراء کی روشنی ہمیں آگے بڑھنے کا راستہ دکھاتی ہیں۔

میں اور ادارہ آنچل و حجاب آپ سب ہنوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے بنا تا مل قیمت میں اس اضافہ کو قبول کیا اور نیا ایسے حالات میں جبکہ ڈاکر کا ریت ایک سو بیس روپے پہنچ گیا ہے کاغذ جو پہلے اسی روپے کلوں رہا تھا اب ایک سو پچیس روپے کلو ہو گیا ہے پھر حال آپ سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں ہمیشہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں ہی فیصلے کیے ہیں۔  
آئیے اب آنچل عید نمبر کی جانب جو رنگارنگ تحریروں سے سجا ایک خوب صورت مگد سے کی مانند آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس مادے کے ستارے

راہد انجاء رہا لیکن نثار لا طاعت لظہانی نزہت جہنم لیا مانا دیا حواس نہ قریشی۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

## حکایتِ محبت

لائی حمد تری ذات کہ محمود ہے تو

لائی سجدہ تری ذات کہ محبوب ہے تو

اکساری مرا مقصود کہ بندہ ہوں میں

خود غنائی ترا دستور کہ معبود ہے تو

بند اتنا کہ بھی آنکھ نے دیکھا نہ تجھے

قرب اتنا کہ مری جان میں موجود ہے تو

ہے دراء حد تعین سے تری ذات قدیم

کون کہتا ہے کسی سمت میں محدود ہے تو

حسن پردے میں بھی بے پردہ نظر آتا ہے

اتنا چھپنے پہ بھی منظور ہے مشہور ہے تو

میری کیا بود کہ معدوم تھا معدوم ہوں میں

تیری کیا شان کہ موجود تھا موجود ہے تو

نیک اعظم ہی نہیں عاشق ناجیز ترا

سب کا مطلوب ہے محبوب ہے مقصود ہے تو

جناب محمد اعظم چشتی

## نعت

تابندہ مقدر کا ستارہ نظر آئے

جب آنکھ اٹھے سجدہ خطرا نظر آئے

ان آنکھوں کا درد کوئی مصروف ہی نہیں ہے

سر کا طے تھا رنخ زیا نظر آئے

تم اس کے طرفدار ہو تم اس کے مددگار

جو تم کو شک سے کٹا نظر آئے

یہ عز و شرف اور کسی کو نہیں حاصل

بالا نہیں بالا سے بھی بالا نظر آئے

اللہ کے ہر صف کو پایا ہے مجسم

سر کا طے دو عالم ہمیں کیا کیا نظر آئے

ایسا بھی سحر مجھ کو وقار آئے

اک اک سے کہوں میں شہر بظا نظر آئے

جناب وقار صدیقی انجیری



## درجہ اول

مدیر

اقبال پانوں..... وپاری

پاری! بہن! سدا سہاگن رہو! آپ کی دو خوبصورت کتابیں ہمارے سامنے ہیں۔ خوب صورت سرورق اور بہترین انداز ہے جد جاذب نظر لکے اور پسند آنے والے ہیں۔ آپ کے ہر حصے والے بہت آگے ہوئے ہیں اور کتنی صورت میں یہ شاندار ہے۔ خدا کا علم آپ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے آپ کی یہ دونوں کتابیں گراں قدر سرمایہ ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ اسی طرح شہرت و کامیابی کی منازل طے کرتی جائیں اور آپ کا تمام سال ادب کے روشن ستاروں میں ہمیشہ جگمگائے آئین۔

نزیبت حبیبی ضیاء..... کراچی

عزیزی! نزیبت! سدا سہاگن رہو! آپ کی جانب سے ارسال کردہ تحفہ کتنی صورت میں موصول ہوا۔ "محبت اب بھی باقی ہے" کے عنوان سے یہ کتاب اپنے خوب صورت سرورق کے حوالے سے بھی بے حد پسند آئی۔ اس میں شامل ہونے والے ناول بھی آچل و چاب کی زینت بن کر قارئین کی پسندیدگی کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ امید ہے یہ کتاب بھی اسی طرح شہرت و اہم حاصل کرے گی۔ آپ کی پہلی کتاب کی صورت میں آپ کا میری خوب پورا ہوا ہے۔ حد خوش ہوئی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو مزید کامیابی عطا فرمائے آئین۔

نذرا القصار..... چشتی

ذیرند! سدا سہاگن! آپ کی نگارشات موصول ہوئی ہیں لیکن عید نمبر کے لیے آچل پہنچے سے مکمل ہو گیا تھا اور آپ کی نگارشات تاخیر سے موصول ہونے کے سبب آچل میں شائع ہونے سے محروم ہیں اس لیے چاب کے عید نمبر میں شامل کر لیں گے۔ آپ وہاں اپنی نگارشات

دیکھ سکتی ہیں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

انعم خان..... آسٹریلیا

عزیزی! انعم! سدا سہاگن رہو! آپ کی تحریر کا تیسرا آئینہ میں شامل نہ ہو سکا اور یہ تیسرا دو مقرر مقررین کی تحریروں پر بھی نہ تھا۔ یہ دہائی کہ ساگر نمبر کے لیے پورے سال کے مکمل اور جامع نمبر کے کہا گیا تھا جس میں تمام بارہ بچوں کا نمبر شامل تھا اسی وجہ سے قارئین نے اس بات کو غور نظر رکھ کر مودودہ پر بے کوائف نمبروں میں شامل کر لیا۔ بہر حال یہ ساگر نمبر تک ہی محدود تھا اور جہاں تک آپ کی تحریر پر قارئین کی رائے کا سوال ہے تو ہم بتا دیتے ہیں کہ آپ کی تحریر کا کافی پسند کی گئی اور ویسے بھی قارئین آپ کو پسند کرتے اور آپ کی تحریریں پڑھتے چاہتے ہیں۔ دیگر تحریریں پڑھنے کے بعد جلد اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔

سیما بخت عاصم..... کراچی

عزیزی! سیما! سدا! آدور ہو عید کے حوالے سے لکھا آپ کا ناولت جلد شامل کر لیں گے۔ جبکہ نوٹسوں پر مشتمل دوسرے قسط دار ناول کے لیے بھی نہیں گے کہ جیسے ہی ممکن ہو گے گی آچل یا چاب میں لکھ دیں گے۔ فی الحال قسط دار کے لیے جگہ بنا مشکل ہے۔ البتہ جیسے ہی کوئی تحریر اپنے اختتامی مراحل پر آئے گی تو ضرور آپ کو شامل کر لیں گے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عاصمہ بی..... طور جہلم

ذیر عاصم! سدا خوش رہو! آپ کے تعارف موصول ہوئے ہیں اور کوشش کریں گے کہ قسطوں کے ایک ساتھ ہی تعارف شائع کر دیں۔ بس آپ یہی آگے کا انتظار کریں۔ ان شاء اللہ جلد چاب یا آچل کے صفحات کی زینت بن جائیں گے۔ آئندہ بھی شریک محفل رہے گا۔ آپ کی تحریر "میرے نصیب کا جائزہ" ناقابل اشاعت ٹھہری وجہ انداز تحریر پر مودودہ سبب۔ دوسری تحریر پڑھ کر جلد اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔

یاسمین کنول..... پسرور

عزیزی! یاسمین! جتنی رہو ساگر نمبر کی پسندیدگی کے لیے مشکور ہیں۔ کوشش تو ہر بار ہی ہوتی ہے کہ ہر چہ آپ کے ذوق اور معیار کے مطابق ہو لیکن ہر مضمون کا ایک الگ

انداز اور مزاج ہوتا ہے اور اسی طرح ہر پڑھنے والے کا بھی اپنا نقطہ نظر ہوتا ہے۔ بہر حال ہمارے لکھاری آپ کے دل تک اترنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں یہ خوش آئندہ بات ہے۔ صدف آصف تک آپ کی تحریف ان سطور کے ذریعے پہنچ جائے گی۔ آپ کو بھی عید کی مبارک باد۔

مدیحہ کنول مودودہ..... چشتی

پاری! بہن! جگ جگ جو یہ جان کر بے حد خوش ہوں کہ ساگر نمبر آپ کو پسند آیا اور ہر چہ آپ کو مودودہ کا پڑھنا ہے۔ وجہ آپ کے بھائی کا بلی پیسے اپنی جیب میں رکھنا ہے۔ بہر حال بہن بھائی میں ایسا ہی مذاق تو عموماً نظر آتا ہی ہے۔ چلیں! چاہے اس بہانے وہ خوشی خوشی آپ کو آچل یا آچل دیتے ہیں۔ آپ کی نگارشات جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔ عید نمبر کی تیاری کے لیے ہر کام پہلے سے مکمل کرنے کی کوشش کی گئی تھی اسی بنا پر بعض بہنوں کی نگارشات شامل نہ کر سکے لیکن جلد یہ شکوہ بھی دور ہو جائے گا۔ آپ افسانے ارسال کر دیں پڑھ کر دیکھیں گے اگر آچل یا چاب کے مطابق ہوئے تو جلد ہی شائع کر دیں گے۔

جویریہ مریم..... نانا معلوم

ذیر جویریہ! آباد رہو! آپ کو نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ ہر مضمون اپنے الگ انداز اور سوچ کے مطابق منتخب ہیں! کیسایت تو نہیں ہے البتہ ساگر نمبر میں سب نے ساگر نمبر کے حوالے سے مودودہ لکھا۔ ہو سکتا ہے اس وجہ سے آپ کو کیا محسوس ہوئی۔ بہر حال آپ کی تمام چیزیں گئی ہیں۔ ہمارے جلد چاب میں اپنی تحریر کے ساتھ شامل ہوں گی! آپ انہیں چاب کے صفحات پر پڑھ سکتی ہیں۔ برائے مہربانی آئندہ تحریر اور قسط ارسال کرتے وقت نام اور مکمل پتہ ضرور ارسال کریں۔

مقتدیں زہرہ..... چھٹنگ

عزیزی! مقتدیں! جتنی رہو! آپ کے خط سے اندازہ ہوا کہ آپ مثبت سوچ کی مالک ہیں اور نگارشات کے حوالے سے یامین اور تاامید نہیں ہیں اور ایسا ہوتا بھی ہے کہ جلد یا بدیر سب کو شامل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اس مرتبہ جو غلطی آپ نے کی ہے اس کی نشاندہی

ضروری ہے۔ آپ نے ایک ہی صفحے پر بیاض دل اور در جواب آں لکھ دیا ہے۔ اب خط کا جواب حاضر ہے اور بیاض دل کے لیے آپ کے اشعار وہاں تک نہ پہنچ سکے کہ اشاعت کے مراحل طے کرتے۔ اسی لیے آپ سب سے کہا جاتا ہے کہ ہر سلسلہ کے لیے علیحدہ صفحہ کا استعمال کریں تاکہ متعلقہ شعبے میں پہنچایا جاسکے۔ امید ہے آئندہ ان باتوں کو خوش نظر رکھیں گی۔ خوش رہیں۔

ارم کمال..... فیصل آباد

عزیزی! ارم! سدا سہاگن رہو! خط سے آپ کی علالت کے متعلق جان کر بے حد دکھ ہوا۔ بے شک اس بیماری نے ہمارے پیار اور آرام بے حد ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے دماغ کے آپ جلد از جلد صحت مند ہو رہا۔ مہربانی کی بخشش و برکات حاصل کریں اور اگر آپ کی صحت بے تواسیہ اللہ حالات کیسے بھی ہوں ضرور آپ روزے بھی رکھ جائیں گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم سب کو ماہ رمضان کا احترام کرنے اور اس مہینے کی بابرکت ساعتوں میں عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آئین۔ آپ سے بات کر کے ہمیں بھی بے حد خوشی اور اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ جب تک کہ ہر چہ آپ کے ہاتھ میں آئے گا شوال کا مہینہ شروع ہو چکا ہوگا۔ ہماری جانب سے آپ کو بھی عید کی مبارک باد! اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آئین۔

انعم زہرہ..... ملتانی

عزیزی! انعم! جگ جگ جو آپ سے مصطفی ملاقات کے بعد اچھی لگی۔ بے شک ہمارا اور آپ کا ساتھ طویل عرصے پر چلتا رہا ہے لیکن اس مختصر عرصے میں بھی دلی وابستگی کافی گہری ہو گئی ہے۔ آپ کی لکھی سطور سے آپ کا حال جان کر اچھا لگا اور جب انسان سے دل سے کسی اچھے کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ بھی اپنے اس بندے کی مدد فرماتا ہے اور ایسا ہی آپ کے ساتھ بھی ہوا۔ آپ نے اس شخص کی نفرت کو بھی اپنے دل سے نکال دیا۔ اچھی بات ہے بے شک کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے نفرت اور عداوت کا رشتہ بھی نہیں رکھنا چاہیے اور اس سب سے آپ کے دلی کو اطمینان بھی حاصل ہوا یہ خوش آئندہ ہے۔ اسی طرح مثبت خیالات کو



اپنا کیں اور اللہ سے اپنا ہر دکھ درد کہہ کر کے اس کی ذات سے لوگا کیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو ان شاء اللہ بہت سی خوشیاں عطا فرمائے گا کہ کبھی ان دکھوں اور تکلیف وہ گھڑیوں کا خیال بھی چھو کر نہ کرے گا۔ ہماری جانب سے آپ کو مادہ رمضان اور عید کی ڈھیروں مبارک باد۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عنشبہ نور ... صاحبزادہ  
بیاری بلیہ! جک جک جیو! آپ کی تحریر ”آدمی اصروری روئی“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ انہی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ کوکہ موضوع حقیقت سے غریب تر ہے۔ عنوان لڑکیوں کو پہلی بار کچن کے کاموں میں مشکل ضرور پیش آتی ہے اور ان میں سرور کی پکائے میں اور ایسے میں والدہ کا کچن غصہ تو کچن چلا سکتے آتا ہے جبکہ آپ کی تحریر میں صرف غصہ ہی سامنے آ رہا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اپنا مشہورہ وسیع کریں تاکہ لکھنے میں مدد ملے امید ہے نکلی ہوئی ہوگی۔

شبہم حنیف ... لاہور  
ڈیر شبنم! سدا خوش رہو! آپ کی تحریر ”اپنے جسے کا دیا“ موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ انہی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ موضوع اور انداز تحریر دونوں ہی کمزور ہیں۔ انہی صرف مطالعہ پر زور دیں اور نامور مصنفین کی تحریریں اپنے مطالعہ میں شامل کریں تاکہ آپ کو لکھنے میں مدد ملے۔ امید ہے بائیں ہونے کے بجائے ان باتوں پر عمل کریں گی۔

نعیم حیدر خان ... ملتان  
ہوئی ضیم! خوش رہیں! آپ کی جانب سے خوب صورت کتاب ”بصیرت قرآن“ موصول ہوئی۔ جس طرح آپ نے اسے ترتیب و اشاعت کے مراحل سے گزارا قارئین کے سامنے پیش کیا اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ بے شک ہمیں اس وقت دین سے معنومات کی اللہ ضرورت ہے بلکہ ہوں بہرہ شک رہے گا کہ ہر دور میں دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اللہ سبحان و تعالیٰ ہمیں توفیق دے تاکہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کی بہترین تربیت کر سکیں۔ ہم اس کتاب سے اقتباسات منتخب کر کے آنکھ و حجاب کی زینت بنائیں

گے۔ اس طرح آپ کا پیغام ہر خاص و عام تک پہنچ جائے گا۔

مدیحہ نوریں مہک ... گجرات  
ڈیر مدیحہ! سدا شاد رہو! آپ سے نصف ملاقات بہت انہی کی۔ آپ کا کہنا بجا ہے یہاں کراچی کا موسم کافی گرم ہے لیکن اس گرمی میں بھی روزے دینا ضرور انداز میں روزوں کا اہتمام کرتے ہیں اور عبادات بھی اپنے عروج پر ہیں۔ جہاں تک عید کا عنوان پوچھا ہے تو عید آنے میں انہی کافی وقت ہے جب تک یہی سطور آپ کی نظروں سے گزر رہی ہیں تب تک عید باقی ہوگی ہوگی۔ اس لیے آپ کو عید کی مبارک باد پیش کرتے ہیں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں نصیب فرمائے۔

سمیرا انور ... گجرات  
ڈیر سمیرا! سدا سہان رہو! یہ جان کر بے حد خوش ہوئی کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے آپ کو اپنی نعمت سے نوازا۔ ہماری جانب سے آپ کو اس نئے مہمان کی آمد پر بے حد مبارک باد۔ بے شک بچوں کے ساتھ زندگی کی مصروفیات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر شاید نصف ملاقات نہیں ہو پائی مہر حال! امید ہے کہ آئندہ بھی آنکھ و حجاب سے تعاون برقرار رکھیں گی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو مزید خوشیوں اور کامیابیوں سے نوازے۔

سننبہ صنفدر ... ڈھل ٹاروٹ  
ڈیر سننبہ! سدا آواز دہو! بونیرنگ خیال کے لیے آپ کی ارسال کردہ غزل ”سمجھ نہیں آتی“ کے عنوان سے موصول ہوئی۔ غزل شاعرانہ انداز کی طرف سے بے مثال دیکھائی گئی ہے۔ اس سے معذرت خواہ ہیں۔ غزل میں رہنمائی ہے انہی آپ دیکھ شاعر کے کلام کو بخور پڑھیں اور اس کے بعد طبع آزمائی کریں۔ امید ہے کوشش جاری رکھیں گی۔

صبریم کنگولی ... لاہور  
ڈیر صبریم! سدا خوش رہو! آپ کی تحریر ”میلے موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ انہی مزید محنت کی ضرورت ہے۔ آپ کا انداز تحریر اور موضوع دونوں ہی کمزور ہیں جس کی ادائیگی اور چند بات احساسات دوسری مصنفین کی تحریروں کو سامنے رکھ کر اپنی تحریر سے ملا کر دیکھیں فرق سامنے آ جائے گا۔ موضوع پر گرفت برقرار رکھنے کے لیے

بہت مختصر موضوع قلم بند کریں اس سے آپ کے لکھنے میں بھی نکھار آئے گا۔ امید ہے آئندہ ان باتوں پر عمل کرتے تحریر ارسال کریں گی۔ اس تحریر کے لیے معذرت چاہتے ہیں۔

طلبہ خاور سلطان ... وزیر آباد  
بیاری ضیم! سدا آواز دہو! آپ سے نصف ملاقات انہی کی جس طرح آپ ہمیں یاد دلاتی ہیں اسی طرح ہم بھی آپ کو بھولے نہیں انتظار میں رہیں کہ کب آپ کی طرف سے پہل ہوئی ہے اور ہم اپنی محنت میں آپ کو شامل کرتے ہیں۔ اس وقت آنکھ و حجاب کے مراحل میں ہے اس لیے نگارشات سنجان کر رکھنا ہیں۔ حجاب یا آنکھ میں جہاں جگہ تھی آپ کی نگارشات شامل کر لی جائیں گی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو خوشیوں بھری زندگی عطا فرمائے آمین۔

اسماء صدیقہ ... عبدالحکیم  
بیاری اسما! خوش رہو! آپ کا نام موصول ہوا جس طرح آپ اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر آنکھ کا مطالعہ کرتی ہیں جان کر خوشی ہوئی۔ یہ آپ کا اپنا ماہنامہ ہے۔ اس سے آپ کی نگارشات سے ہی سچا پسنو ادا جاتا ہے۔ رہی بات کہ آپ کو محنت میں شامل نہیں کیا گیا تو بات یہ ہے کہ آپ کی طرف سے ارسال کی گئی ڈاک ہمیں موصول ہی نہیں ہوئی۔ ورنہ جن بہنوں نے آئینہ اور سروے میں شرکت کی انہیں ترتیب دیا شامل کیا گیا۔ اس وقت آنکھ و حجاب کے مراحل میں ہے اور آپ کی ڈاک تاخیر سے موصول ہوئی ہے لیکن پھر بھی آپ کو شامل کر لیا۔ امید ہے آئندہ بھی شامل محنت رکھیں گی۔ محبت و غلوں کے لیے جزاک اللہ۔

فاطمہ الطائف ... راولپنڈی  
عزیز کی باتیں! سدا مسکرائے! آپ کی تحریر ”وطن کی محبت“ پڑھ ڈالی۔ پچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام نظر ہوئی وجہ انداز تحریر کی کمزوریاں کافی نمایاں رہیں۔ مطالعہ و مشاہدہ وسیع کرتے دیکھ مصنفین کو بغور پڑھیں اچھا لکھنے کے لیے پڑھنا ہے ضروری ہے امید ہے محنت جاری رکھیں گی۔

فاطمہ اشاعت: اپنے اپنے ہوتے ہیں تجھ سے

لاکی جوگن! تماشہ عبرت! میرے رشک قرۃ زندگی بن گئے یوزحاحمرا! دھوپ چھاؤں جہاں روشنی ہو غلوں کی کارڈ! زرد رنگ محبت کا کانوں کا کپا! پری وشن پری ویپ چلنے گئے رزق ضرورت سے بہر مند بن کر! مسکراہٹ نکھیرتی عید! اپنے حصہ کا دیا! بچنے! آتش زندگی! زندگی کا راز در دھالی سے نجات! رمضان میں اصراف! پنگ سوٹ! یہ راہ مشکل نہیں! بیا سن بھائے! بھولی ہسری یادیں! بساط دل! عازری! دل آشنا! نصیب! بساط موت! پیشیاں! وطن کی محبت! منزل طلب! آدمی اصروری روئی! انمول! مجھے اداس کر گیا! غلامشوں کے خازن! خدا کا سایہ! کچن کا چندہ! دشت! یا۔

فاطمہ اشاعت: مجھے خوابوں میں رہنے دو درد ہائی ہے ہر میدان تیرے رنگ ہوگی! گھر کی ملکہ! تم میری عید کے جانے خط لکھتے میرے وطن تو عظیم ہے محبت جیت ہوئی ہے! دام زور! اک تیرے نام کی چاہ روپ بہرہ دیا! میراث! پیارنگ پیارا! کفارو۔

♥

مصطفیٰ سے گزارش  
بہ! مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیرہ! کس صفحہ کی ایک جانب اور ایک قطرہ چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرنا رہے پاس رکھیں۔  
بہ! خط دار کا دل لکھنے کے لیے اوارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

ہاشیرہ! کس صفحہ پر پیش کر رہیں پہلے انشاء لکھیں پھر ناول یا ناول پر پیش آ زانی کریں۔  
بہ! فوٹو اسٹیک کمالی قابل قبول نہیں ہوگی۔ اور دے نا قابل اشاعت تحریروں کی ادائیگی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔  
بہ! کوئی بھی تحریر نئی یا سیاہ روشانی سے تحریر کریں۔  
بہ! مسودے کے پہلے صفحہ پر کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام اور رابطہ نمبر خوش خط تحریر کریں۔  
بہ! اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر جسٹ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7 فرید چیمبر عبداللہ بارون روڈ۔ کراچی۔



## دانش کلام

## سورة الاحقاف

سورة الاحقاف

نماز کی پابندی عام لوگوں کے لیے گراں ہے لیکن مشغول و مغموم کرنے والوں کے لیے نہایت آسان بلکہ طبعاً و راحت کا باعث ہے۔ نماز پڑھنے والے کو دنیا کی قسمت و آخرت اور اس کے بعد کی دائمی زندگی پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ یقین انسان کے اعمال خیر کو آسان کر دیتا ہے اور آخرت کی فکر نہ کرنے والے کے فکر پر عمل انسان کو بھلا دیتی ہے۔ نہ اسے قیامت کی فکر دیتی ہے نہ آخرت کے بعد کی دائمی زندگی کی فکر۔ مسلمان کی دائمی زندگی کا فریضہ ہے نماز انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور برائی کو دور کرتی ہے جیسا کہ سورۃ الاحقاف میں فرمایا جا رہا ہے۔  
ترجمہ: جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھیں اور نماز قائم کریں یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے بے شک اللہ ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔ (سورۃ الاحقاف: ۳۵)

تفسیر: اس آیت مبارکہ میں نماز کی فضیلت و اہمیت کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اللہ ذکر یعنی نماز کی تاثیر صرف یہی نہیں کہ برائیوں سے روکے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے کہ وہ نیکیوں پر ابھارنے والی اور بہت اعلیٰ اخراجات پر آمادہ کرنے والی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد بذات خود بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ خیر اعمال میں ہے۔ انسان کا کوئی عمل اس سے افضل نہیں اللہ کو یاد کر سب سے بہتر اور بڑا عمل ہے جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۲ میں فرمایا جا رہا ہے کہ ”تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا“ جب بندہ نماز کی حالت میں اپنے رب کو یاد کرے تو ضروری ہے کہ اس کا دل بھی اسے یاد کرے گا اور یہ یعنی بڑی فضیلت ہے کہ اللہ اپنے بندے کو یاد کرے۔

قرآن حکیم کی تلاوت کی مقاصد کے لیے مطلوب ہے۔ محض اجر و ثواب کے لیے اس کے معانی و مطالب پر تدبر و تفکر کے لیے تعلیم و تدریس کے لیے وعظ و نصیحت کے لیے۔ لیکن نماز میں تلاوت سے اللہ تعالیٰ سے تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے اس لیے قرآن حکیم میں سورۃ البقرہ آیت ۱۵۳ میں فرمایا جا رہا ہے کہ ”اے ایمان والے الصبر اور نماز سے مدد حاصل کرو“ اگر عمومی طور پر دیکھا جائے تو نماز اور صبر کوئی مرئی چیز نہیں کہ انسان اس کا سہارا بن سکے۔ اس سے مدد حاصل کرے چونکہ نماز میں انسان براہ راست اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہوتا ہے اور اس کا اپنے رب کے ساتھ خصوصی رابطہ و تعلق پیدا ہوتا ہے اور اللہ قدم قدم پر اپنے بندے کی دیکھ بھال اور رہنمائی کرتا ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کی تنہائی میں تہجد کی نماز ادا کیا کرتے اور اپنی نیت کو بھی تاکہ فرماتے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عظیم ذمہ داری سونپی گئی تھی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی مدد بہت زیادہ ضرورت رہتی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جب کوئی اہم مسئلہ پیش ہوتا تو نماز ادا فرماتے۔ (مسند احمد و ابوداؤد)

نماز بے حیائی اور برائی کو دور رکھنے کا سبب اور ذریعہ ہے۔ جس طرح مختلف دلوں کی مختلف افادیت ہوتی ہیں اور کب کب جاتا ہے کہ فلاں دوائی فلاں بیماری یا مرض کا علاج کرتی ہے اور وہ آتش لپٹا ہوتا ہے ایسا اس وقت ہی ہوتا ہے جب ڈاکٹر حکیم یا معالج جیسا اور جس وقت دوا کا استعمال ہوتا ہے اور جیسا پرہیز جاتا ہے ویسا اس پر عمل کیا جائے اور ہر ایسی چیز سے اجتناب کیا جائے جو اس دوائی کے اثرات کو ختم کرنے والی ہو یا بالکل اسی طرح نماز میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی ہی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ اگر نماز کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے اور سلیقے اور تمام قرآن و آداب و شرائط کو ملحوظ رکھ کر پڑھا جائے جو اس کی صحت و قبولیت کے لیے ضروری ہیں یعنی سب سے اہم اور پہلی چیز اخلاص اور صریح طہارت قلب یعنی نماز میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف التفات نہ ہو اور باجماعت اور مقررہ اوقات میں ادا کی جائے اور ارکان صلوٰۃ یعنی قرأت رکوع و قنوت

مجدد وغیرہ سب کے سب نہایت اہمیت و اعتدال و مشغول و مغموم کی کیفیت میں ادا کیے جائیں اور انسان اپنے لیے اپنی آہل اولاد کے لیے رزق حلال کا انتظام کرے۔ چونکہ ہماری آج کی نماز پر ان آداب و سلیقوں سے عاری ہیں اور ان میں ظاہرین اور کھلاواں شامل ہو گیا ہے اس لیے وہ تاثر ہمیں محسوس نہیں ہوتا نہ ہی وہ تاثر دکھائی دیتا ہے کہ ہم کچھ نیکیں کر رہے ہیں برائی بے حیائی سے روک رہے ہیں یہ بات بھی اپنی جگہ بڑی اہم ہے کہ انسان جب تک نماز میں مشغول ہوتا ہے وہ ہر لمحہ کی برائی بے حیائی سے بچا رہتا ہے اور ہر وقت خدا کی بات سے ہر برائی سے روکتی ہے۔

اس آیت مبارکہ کا عمومی نکتہ ہے جانور میں تو اس آیت مبارکہ میں نماز کی روخوبیاں یاد و پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ ایک وصف لازم اور دوسرا وصف مطلوب۔ وصف لازم تو یہ ہے کہ نماز خش اور منکرات سے روکتی ہے اور وصف مطلوب یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا واقعی خش اور منکرات سے رک جائے۔ جہاں تک روکے کا تعلق ہے نماز لازم ہے کام کرنے سے جو شخص بھی نماز کی نوعیت پر غور کرے تو وہ تسلیم کرے گا کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے کیونکہ بندہ ہر روز باج و وقت اللہ کو یاد کرنے کے لیے بلا جاتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات تازہ ہو جائے کہ وہ اس دنیا میں آزاد خود مختار نہیں ہے بلکہ اللہ کا بندہ ہے اور وہی مالک و مولا ہے جو ہر ایک انسان کے عمل اور چھپے اعمال بھی اس کے دل کے ارادوں اور نیوٹوں تک سے پوری طرح واقف ہے۔ نماز کے ذریعے ملا ہر نماز کے وقت انسان کو اس بات کی بھی مشق کرائی جاتی ہے کہ وہ صحیح رکھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے کیونکہ نماز پڑھنے کے لیے اٹھنے سے لے کر نماز ختم کرنے تک اسے مسلسل وہ کام کرنا پڑتا ہے جن میں سے اس انسان اور اللہ کے سوا کوئی تیسرا واقف نہیں ہوتا کہ اس شخص نے اللہ کے قانون کی پابندی کی ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص بغیر وضو کے نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے تو اس شخص اور اللہ کے سوا کون ہے جسے یہ معلوم ہو کہ یہ شخص بغیر وضو کے نماز کے لیے کھڑا ہوا ہے اور اگر وہ شخص نماز کی نیت ہی نہ کرے اور بظاہر رکوع سجود قیام کرے اور لاکھ نماز پڑھنے کے بجائے خاموش کھڑا رہے یا بچے چلے کھڑا ہو پڑھنے کوئی نیت یا کچھ اور اول قول تو بھی اس شخص اور اللہ کے سوا کون ہے جسے یہ معلوم ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے اس کا راز اللہ کے سوا کس پر فاش ہو سکتا ہے اور اگر نماز کو نماز کے درست طریقے سے پڑھئے جہم اور لباس کی طہارت سے لے کر نماز کے ارکان و اذکار و نون الہی کے مطابق تمام شرائط و قواعد کے مطابق ہر روز باج و وقت ادا کرتا ہے تو یوں وہ نماز کے ذریعے روزانہ اپنی پابندی میں ضمیر میں زندگی پیدا کرتا ہے اور وضو کی احساس کرتا ہے یوں اس میں فرض شکی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ نماز انسان کو اس بات کی بھی مشق کرائی ہے انسان میں جذبہ باطاعت و بندگی پیدا ہو اور وہ علانیہ اور خفیہ ہر حال میں قانون الہی کی پابندی کرنے والا ہے۔ کیونکہ نماز پڑھنے والے شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے ارادے کے اختیار کو استعمال کر کے اپنی اصلاح نفس کرے اور اپنے ارادے سے قانون الہی کی پابندی یا پامرداری کرے اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوگا تو پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنے حکم سے نماز پڑھنے پر مجبور نہیں کرے گا۔ نماز کے لیے ایک اعمال کے لیے قانون الہی پر چلنے کے لیے انسان کو خود کوشش کرنا ہوگی جب ہی وہ اپنی اصلاح کر سکے گا تب ہی اس پر نماز کے مفید اثرات اثر انداز ہو سکیں گے۔

حدیث شریف میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جسے اس کی نماز نے خش و برکت کا حصول سے تندرہ اس کی نماز نہیں ہے۔“ (ابن ابی حاتم) ایسا ہی ایک قصہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے نماز کی اطاعت کی اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ آدمی خش و منکر سے رک جائے۔“ (ابن جریر ابن ابی حاتم) حضرت جعفر صادق کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی نماز قبول ہوئی کی نہیں اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کی نماز نے اسے خش و منکر سے کہاں تک باز رکھا اگر نماز پڑھنے سے وہ برائی کرنے سے رک گیا تو اس کی نماز قبول ہوئی ورنہ نہیں۔ (روح المعانی)

نماز کے لیے منع ہونے یا مانے کے لیے ہر نماز سے پہلے اذان و آیہ وحی جاتی ہے جو اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ آوازے رب کی طرف ہم سب مل کر عبادت کریں آؤ کہ یہی علاج کی راہ ہے یہی بھلائی کی راہ ہے اللہ کی کبریائی و بزرگی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا اعلان بھی ہر بار کیا جاتا ہے تاکہ نماز پڑھنے والے کا ذہن تیار ہو جائے کہ وہ اپنے رب کی عبادت











رابعه افتخار

جب بھی اس کی صورت دیکھی  
میں نے ہاتھ پاؤں پکڑ کر  
جانے کس کو ہتھوڑا پہنچا  
اک مدت سے تھا چاند

پندرہ سال ہو گئے چڑھایا کھلایا اچھا لبا اس  
پہنایا ہر خوشی کا خیال رکھا میرا بیٹا پہلے ہی دو بیٹیوں کا باپ  
تھا ایک اور آگئی مجھے اسی دن کا خوف تھا جس دن یہ اس  
گھر کی اصل بیٹیوں کا حق کھائے گی ابھی چند دن پہلے ہی  
تمہاری بھابی (بڑی مہمانی) بتا رہی تھی اس کی ایک بیٹی  
کے توسط سے رشید آیا ابھی صرف لڑکے کی ماں آئی تھی

ہی انکار کرتی رہی ماموں کا ایک اچھا ڈپارٹمنٹل انسپکٹر تھا جو ٹھیک ٹھاک چلتا تھا مروت کے وقت بہت سی ذمہ داریاں اخراجات اور ان کی گرتی محنت سے گھبرا کر اس نے یہ کہہ کر انہیں مطمئن کر دیا کہ جب آگے بڑھائی کا ارادہ ہو تو آپ کو بتا دوں گی انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ چھوٹے ماموں اور ممانی اور بر کے لیڈر میں رہتے





اسے پسند کر گئی مگر جا کر فون کر دیا کہ ہمیں تو اہم پسند ہے۔" مانی کی نفرت کی وجہ سامنے آ گئی۔

"یہ تو نصیب کی بات ہے اماں۔" بڑی خالہ نے انہیں سمجھا دیا۔

"نصیب کی نہیں عقل کی بات ہے فوزیہ (امی) کے مرنے کے بعد جب سر پر باپ پہلے سے نہیں تھا مصمم بیچی کو ہم ساتھ لے گئے نہ دادی نے سر پر ہاتھ رکھا نہ تاپا تائی نے۔" مانی کے دل میں کب سے اس کے خلاف نفرت اور جھگی ایسا کیوں تھا کیا اس کی ماں ان کی بیٹی اولاد نہیں تھی۔

"توبہ ہے اماں۔ اس وقت یہ ضروری تھا اگر ہم بھی بیچی کے سر پر ہاتھ نہ رکھتے تو وہ لوگ ڈال آتے کسی یتیم خانے فوزیہ کو تو وہ لوگ صرف اس لیے برداشت کر رہے تھے کہ بیوگی کے چند سال جو وہ زندہ رہی سسرال والوں کی نوکرائی ہی بنی رہی۔ میں نے ماما اب اس کو فوریہ یا کسی دوسری بیوی کی اولاد بھی آپ کو اس سے جو نفرت اور عناد رہا وہ اپنی جگہ مگر اماں اس وقت اپنی روح کے سکون کے لیے بھی تو ضروری تھا یہ سب؟" بڑی خالہ کے الفاظ نے دل میں ایک اور تیر پوٹ کر دیا تھا۔

"ابا کا سکون اور جو اس کو دیکھ دیکھ کر میرا سکون غارت ہوتا ہے سکون کی بیٹی تو صرف ایک سال اس گھر میں رہی اور بیاہ کر چلی گئی تیر سے ابا کی وفات کے بعد اس نے بیوگی کے ہاں جو ادھر کا رخ نہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ مجھ سے اس کا وجود برداشت نہیں ہوتا مجھے اپنے ساتھ کی گئی زیادتی اور جھکا یاد آ جاتا تھا اس کی صورت دیکھ کر خود تو مر گئی مگر اسے مسلط کر گئی۔" مانی کی ہر آواز سناؤں کو بہرہ کرنے والی تھی ہاتھ میں پکڑی ٹرے گرنے کو بھی جب قدموں کی آہٹ سے سے وہ چوکی ہوئی۔

"کیا ہوا انو یہاں کیوں کھڑی ہو؟" ثناء بچن سے نکلی اور اسے کھڑا دیکھ کر پوچھے پتا نہ رہا سکی اس کے چہرے کی اڑی رنگت اور بھرائی ہوئی آنکھیں دیکھ کر ثناء گھبرا رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ یہ مانی اور خالہ کو چائے دینے آئی تھی تو چکر سا آ گیا۔" وہ دایوں بچن کی طرف مڑ گئی چائے بھی بخشنی ہو چکی تھی۔

"یہ مجھے۔۔۔۔۔ چائے میں گرم کر کے دے سکتی ہوں تم آرام کرو کافی دلوں سے صفائی کا کام بھی تم کچھ زیادہ ہی چمچی سے کر رہی ہو۔" ثناء نے اس کے ہاتھ سے چائے کے کپ لے کر اسے جانے کو کہا۔ اس گھر میں بڑے ماموں چھوٹے ماموں ممانی ثناء ہاں کبھی کسی نے اسے احساس ہی نہ ہونے دیا تھا کہ وہ اس گھر میں زبردستی رہ رہی ہے کبھی بھی بڑی ممانی کے رویے سے دل دھکا تھا مگر وہ یہ سوچ کر نظر انداز کر دیتی کہ ان پر وہ بیٹیوں کی ذمہ داری ہے شاید اسی لیے اس کا وجود انہیں اضافی ہو جھلک ہو مگر آج مانی کی باتیں سن کر دل اندر سے جھلکی ہوا تھا تاہم ابانے مانی کو سوتی کا تختہ دیا تھا فوزیہ اسی سوتن کی اولاد تھی جو اپنی ماں کے مرنے کے بعد باپ کے ساتھ اس گھر میں آ گئی تھی کو سوتن کی بیٹی برداشت نہ ہوتی تو انہوں نے جھٹ پت اسے بیاہ دیا بیٹی کو اپنے گھر کا ہوتا دیکھ کر تاہم اب بھی عدم سدھار گئے ان کی وفات کے چند ماہ بعد ہی فوزیہ بھی بیوہ ہو گئی مگر اب میکے میں باپ نہیں تھا بلکہ سوتیلی ماں اور اس کے بیٹے بہویر تھیں بیوگی کی خبر سن کر وہ لوگ رسم دنیا نبھاتے تھے اسے امید تھی کہ جانتے ہوئے وہ اپنے ساتھ چلے کو کہیں گے مگر کیا کچھ بھی نہ ہوا گوشت بیٹی بھی میکے سے ہمدی امید ہوئی تو سسرال والوں کی خدمت پہلے سے زیادہ کرنے لگی پہلے بیوگی حیثیت سے کرتی تھی اب نوکرائی بن گئی۔ مشکل دیکھ سوچ اور کم خوراک کی وجہ سے دق کا مرض لگ گیا کون اپنا تھا جو مجھے ڈاکٹر کو دکھاتا علاج کراتا بات بڑھنے لگی ہسپتال سے جا گئی تو ساس نے میکے میں فون کر دیا کتا کر لے جائیں اپنی بیٹی کو مگر وہ کسی کی "اچی" ہوئی تو کوئی آ تا بس بڑی خالہ نے کسی کے ہاتھ کچھ رقم بھجوا دی جو اس کے علاج پر خرچ کرنے کی بجائے دادی نے اپنے پاس رکھ لی۔

"بہتر مرگ پر پڑی ہے دم برباد کرنے والی بات

ہے۔" تب وہ چھ سال کی تھی فوزیہ بیماری کے ہاتھوں ختم ہو چکی اس کا جنازہ اٹھا تو بڑی خالہ نے روتی سسکتی انوکو ساتھ لگا لیا۔

"اماں۔۔۔۔۔ اسے ساتھ لے چلیں یہاں کون ہے اس کا نہ باپ نہ ماں وادی کب تک زندہ رہے گی؟" جب اماں نے کھور کر بیٹی کو دیکھا۔

"تو لے جائے گی ساتھ آ ستر لیا؟"

"آ ستر لیا کیوں اماں یہاں گھر میں رہے گی سب کا بچا کچھ لایا کرے گی میں اس کے اخراجات کے لیے کچھ نہ کچھ بچتی رہوں گی۔" مان جاؤ۔۔۔۔۔ ابا کی روٹ کے سکون کے لیے۔" بڑی خالہ نے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

"دیکھ لے فوزیہ اس عورت کی بیٹی تھی جس نے ہمارے حق پر ڈاک ڈالا تھا اور یہ فوزیہ کی بیٹی ہے وہاں اس گھر میں اس کے وجود کو میں تیری خاطر برداشت کر لوں گی مگر کل کو یہ جوان ہوگی اور کوئی مسئلہ ہو گیا ناں تب میں تجھ سے پوچھوں گی۔" اور اب اتنے برسوں بعد جیسے وہ مسئلہ ہو گیا تھا ثناء کے لیے آنے والا رشتہ اس کا طلب گار بن گیا خود بڑی خالہ اپنے احسن کے لیے جا کی بجائے اسے بہو بنا جاتی تھیں مانی کی نفرت جا رہی غالباً۔

بڑی خالہ نے احسن کے سامنے دو کام رکھے تھے جہاں اور انہوں نے فوراً انوکا نام کے لیے مانی الحال خالہ نے یہ جواب سن کر خاموشی اختیار کر لی مانی کی خاموشی اور سرد مہری ان کی ناراضگی کی غماز تھی۔ رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا وہ ثناء کے ساتھ کچن میں مصروف تھی جب بڑی خالہ آ کر وہیں کھڑی ہو گئیں۔

"انو۔۔۔۔۔ چنا بات سنو۔"

"جی خالہ۔" وہ جو مہری کے لیے آ تا کوندھ رہی تھی ہاتھ صاف کر کے ان کے پاس آ بیٹھی۔

"منا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے؟" ثناء کے باہر جا رہی تھیں نے اسے پٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جی خالہ کہیں کیا بات ہے؟" وہ جو سب سن کر ہر

حقیقت سے آگاہ ہو چکی تھی ان کے سامنے کچھ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہی تھی۔

"بیٹا تمہاری چھوٹی ممانی نے اماں کے سامنے تمہارے لیے اپنے کزن کا رشتہ رکھا ہے لڑکا پرائیویٹ جاب کرتا ہے اپنا گھر ہے مگر بیٹا وہ پہلے شادی شدہ تھا اولاد نہیں ہے اور بیوی کے ساتھ بی بیٹیں اس لیے علیحدگی ہو گئی۔ اماں جی کا خیال ہے کہ ایک یتیم بچی کے لیے جس کے سر پر ماں بھی نہ ہو اور جو بول دوسروں کے در پر زندگی گزار رہی ہو اسی طرح کے رشتے آتے ہیں۔ یہ سب کہتے ہوئے کچھ بیٹا بھی دل دکھ رہا ہے بیٹا مگر زندگی ہے اور دنیا بہت ظالم ہے یہ سب باتیں میں تمہارا دل مضبوط کرنے کے لیے بھی تم سے کہہ رہی ہوں اور اس لیے بھی تاکہ تم سمجھ سکو کہ تمہارے لیے سب سے بہتر ہے کہ تم اپنی زندگی کا یہ فیصلہ اپنی مرضی سے کرو فرض کرو اگر تم اس رشتے پر راضی ہو جاؤ تو جو شخص پہلی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکا اس کے بارے میں کیا گارنٹی ہے کہ وہ تمہیں خوش رکھ سکے گا ایسی صورت میں اگر شادی ہوئی ہے تو تمہارے لیے اس گھر میں واپسی کے راستے ویسے ہی بند ہو جائیں گے جیسے فوزیہ کے لیے ہوئے تھے اب دوسری بات۔۔۔۔۔ خالہ نے اس کے ہاتھ تمام لیے انوکی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"میں نے احسن سے کہا اور تمہارے بارے میں اس کی پسند پوچھی تھی ہاں اچھی لڑکی ہے مگر اتنم مجھے شروع سے عزیز ہوا اللہ نے سوتیلی امی کی مگر فوزیہ کی شکل میں میری بہن والی خواہش پوری کی گئی میری کچھ بھاریاں نہیں انو۔۔۔۔۔ میں نہیں ساتھ آ ستر لیا لے جاؤ اب احسن نے بھی تمہیں پسند کیا ہے مگر اماں جی اعتراض کر رہی ہیں اگر تم احسن کے لیے ہاں کر دو گی تو اماں جی اور تمہاری چھوٹی ممانی اپنی جگہ تم سے ناراض ہو جائیں گی اور اگر تم اپنی چھوٹی ممانی کے کزن کے لیے ہاں کر دو گی تو زندگی نئے امتحان لے گی یہاں تو سب ذمہ داری ادا کر کے اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہو جائیں گے مگر وہاں تمہارے ساتھ جو ہوگا



تمہیں وہیں رہ کر پروا داشت کرنا پڑے گا۔“ بڑی خالہ بہت الجھی ہوئی تھیں۔

”وہی جو تم لوں سے چاہتی ہو“ خال نے اس کا ہاتھ

”تم بس اپنی خالہ کو مجبور سمجھ کر معاف کر دینا بیٹا۔“ وہ ہاتھ بانٹھے سسکتے گئیں۔

”آپ نے کیا سوچا ہے خالہ؟“ وہ کچھ نہ سمجھ سکی وہ اسے سڑیلےا بھی نہیں لے جا سکتی تھیں پھر کیا تھا ان کے

”اگر تم مجھے اپنی ماں کی طرح قائل و اعتبار اور قابل احسان سمجھتی ہو ماں بیٹا تو بس تمہوں انتظار کرو اور مجھے ایک کوشش کر لینے دو۔ رمضان المبارک کے مہینے میں خوب دعا کرو اپنے اچھے مستقبل کی پس پھر جو اللہ نے چاہا“ خالہ کے اس کی طرف دیکھا اس نے انہات میں سر ہلنا دیا۔

رمضان المبارک کا سارا عشرہ تھا گھر میں سب ہی روزے رکھ رہے تھے۔ مانی کو اگرچہ شوگر تھی مگر وہ روزہ نہیں چھوڑتی تھیں انہوں نے اپنے آپ کو بہت مصروف کر لیا تھا۔ عصر کی نماز ادا کر کے وہ چمن میں افتخاری کی تیاری کر رہی تھی جب خالد فون پر کبھی سے بات کرئی وہاں سے تیز تیز ان کے چہرے پر وہی مسکراہٹ اور نرمابٹ تھی وہ بھی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیتی کام میں مصروف ہو گئی سو سے فراتی کرتے ہوئے ذہن یونہی سوچوں کی آمادہ بنا رہا تھا خالد آج کل احسن اور ہما کی منگنی کا

”آسمان سے شہزادہ اترے گا اس کے لیے۔“ مانی  
بھگ، اڑ بڑا ہٹ کے انداز میں کچھتیں دیاں سے اٹھ گئیں۔

اچھا نہیں لگا سب ناراض..... سب ٹالاں..... خالہ  
شرمندہ..... عید کے دوسرے روز شام کا بھی نکاح ہو گیا

”میں نے ایک چھوٹی سی کوشش کی تھی مگر شاید بے بسی  
ہر طرف گھر کر چکی ہے بس تم اب جو بھی ارشاد آئے ہاں  
کر دیتا۔“ وہ بات کھل کر کہہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ نہ جانے  
انہوں نے کیا کوشش کی تھی ایک ہفتے بعد سب لوگ ناچیدہ  
ہو کر منتظر میں جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے جب وہ تیار  
ہو کر نکلی تو ثانی نے روک دیا۔

”ممکنی والا گھر ہے سارے خاندان کے لوگ بھی

”ہاں کہہ تو ہاں مٹھیک رہی ہیں۔“ چھوٹی مرہانی نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”اس کا دل نہیں تھا جانے کو اور رات تک تو ہم لوگ  
واپس ہی جا آئیں گے فکر کی کوئی بات نہیں۔“ نانی نے  
انہیں مطمئن کیا وہاں پہنچے تو خالہ نے بھی اس کے متعلق  
پوچھا تھا۔

وقت گزرتا رہا ایک سال میں شاکی شادی ہوئی اور وہ

”بھئی ابھی چار پانچ سال تو کوئی انوکھی شادی کا نام بھی نہ لے میں عادی نہیں اسے کام کی بیٹیوں نے ملکہ بنا

سال گزرا اور پھر رمضان المبارک کا باب رکعت میں



خود نہیں سمجھ سکتی تھی۔

”تم ہیگنٹ کر لو انو چاؤ بیٹا اپنے تایا با سے بھی مل آؤ یہ لوگ بتا رہے ہیں کہ وہ بہت بیمار ہیں۔“ ماموں نے اس کی آنکھیں آسمان کی دو چندہ منٹ میں ہی بیگ لے کر اٹھنے لگی۔

”آپ لوگ افطاری کر کے جائیے گا کچھ ہی دیر رہ گئی ہے۔“ ماموں نے مروتا کہا ورنہ وہ جانتے تھے کہ آج تو اس سارے محلے میں افطاری کی تیاری رہا ہی تھی ہوئی۔

”جی نہیں شکر یہ ہم لوگ راستے میں افطاری کر لیں گے ہم لوگ آؤ رمضان سے پہلے چادرے تھے جس اس کے والدین بیماری کی وجہ سے دیر ہوئی تھی۔“ اپنی اپنی سنبھالتیں اٹھ گئیں۔

”چلو بیٹا سفر بہت لمبا ہے دیر ہو جائے گی۔“ تانی اسی نے اسے چلنے کا اشارہ کیا سب سے مل کر وہ ان کے ساتھ ہوئی کیسے چند گفتگوں میں وہ یہاں سے جاری تھی مگر سوچا بھی نہیں تھا کہ یوں آتا فنا ٹھکانہ بدل جائے گا ماموں سے ملنے ہوئے وہ روئی پڑی۔

”تمہارا کزن تو بڑا شامدار ہے انو۔“ ہمارے شرارت سے کان میں سرگوشی کی تانی اور ممانی کے چہرے اڑی رنگوں کے ساتھ دیکھنے کی ہمت نہیں تھی اس میں۔

”ایک مہینہ..... ایک مہینہ کیسے ٹرارے گا آپ نے جانے کیوں دیا آگے من دار بن کر۔“ ممانی نے ان کے جانے کے بعد اپنا غصہ نکالا۔

”کوئی زمین کا ٹکڑا نہیں ہے انوکہ ہم حق ملکیت کا دعویٰ کریں اور یہ ہی ہماری ذاتی اولاد ہے کہ ہم چلا کر جانے سے منع کریں اپنی خوشی سے تھی ہے۔“ وہ غصے سے اپنے افطاری کا سامان لینے بازار چلے گئے وہ ان میں ہونے ہی والی تھی۔

..... □ □ □ □ □

سکندر نے افطاری کے لیے گاڑی روکی، کھجوریں پکڑے اور پانی وغیرہ لے کر دوبارہ گاڑی میں بیٹھا۔

”دیر بہت ہو گئی ہے فی الحال ایسے ہی افطاری کر لیں

مگر خالہ..... اس طرح واہبی کے دروازے بند ہو جائیں گے تانی کچھ احسان فراموش نہیں کی۔“ وہ پھر اٹھنے لگی۔

”تانی اب تم کچھ مت سوچو انو وہ میرے ایک خط پر آگے آئیں گے یہ سب سامان رکھا تمہیں چاہنا نہیں رہا خالہ نے کچھ دیا ہے۔“

”جی ہاں۔“ اس نے ریسپورڈ دیا۔

دو دو بارہ تانی دی لاؤنگ میں آئی تو وہاں کا منظر عجیب تھا تانی دیر بڑی میں برقعہ تھرا رہی تھیں ماموں کو بھی جا گیا تھا۔

”اسنے سال یاد نہیں آئی آپ کو انوکہ۔“

”اب آگئی یاد تو آگئی لیکن اتنے سال ہم نے کھایا یا یا پڑھا یا تب کہیں تھے آپ لوگ؟“ تانی کی بات پر سکندر اٹھ کھڑا ہوا۔

”آپ اخراجات کا سارا حساب لکھ کر دے دیں ہم لکھ کر دیں گے۔“ جوان خون تھا غصہ کیا فیاض ماموں نے اٹھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

”برخوردار میں معذرت چاہتا ہوں یقیناً ہم کسی ایک کی سراسب کو نہیں دے سکتے انعم کے سر پر اس کی وادی نے ہاتھ نہیں رکھا اس کے لیے ہم لوگ آپ کو قصود و انہیں کہہ گئے انعم آپ لوگوں کا خون ہے پھر بھی اس کی سے ہاتھ نہیں دوں گے جانا چاہتی ہے تو ٹھیک ہے۔“ ماموں نے معاملہ سنبھالا۔

”کیوں انو؟“ تانی نے سنبھالی نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

”میں سمجھتی ہوں کہ تم نہیں تھی کبھی دوبارہ انوکہ کے گھر نہیں گئی ایک بار ہوا وہاں اب یہ لوگ آگئے ہیں تو عید کے بعد جاؤں گی۔“ وہ بہت ڈرے سمجھے میں ہوئی۔

”عید کے بعد..... گھر کون سنبھالے گا انو..... کمال کرتی ہو۔“ بڑی ممانی نے سب کی پروا کیے بغیر کہہ دیا

سکندر کے چہرے پر طنز یہ مسکراہٹ ابھری۔

مسکراہٹ تھی۔ کچھ ہی دیر میں سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے بڑی خالہ کوٹون ملایا گیا تھا۔

”آپ..... انوکہ تانی اور اس کا بیٹا آئے ہیں انو سے اور آپ سے ملے یہ کیا معاملہ ہے پانچ سالوں بعد انہیں کیسے آتا ہے؟“

”انچادہ لوگ آگئے؟“ ان کے لہجے سے خوش نمایاں تھی۔

”کیا مطلب آپ؟“ بڑی ممانی نے مڑ کر تانی کو دیکھا۔

”ہاں بس یہی کہ ان لوگوں کو خیال آ گیا ذرا انوکہ دینا فون۔“ ان کے ہمارے پر بڑی ممانی نے اسے فون چھما دیا۔

”جی خالہ۔“

”انور سے میری بات سنتا ان لوگوں کو پچھلے سال میں نے تمام حالات سے مطلع کیا تھا اور یہ ضروری تھا بعض اوقات ہم اپنے حالات اور مجبوریاں شرم کے مارے دوسروں سے چھپا کر خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں بہر حال وہ تمہارے اپنے ہیں انو خون کی کشش کبھی نہ بھی ضرور محسوس ہوتی ہے۔“ تمہارے ابو کے خاندان والے ہیں وہ انہوں نے آنے میں دیر ضرور کر دی مگر انو وہ تمہیں ساتھ

چلنے کو کہیں تو ایک منٹ کی دیر نہ لگا یہاں تمہارا مستقبل گھر کی ملازمت بن کر رہنا ہی ہے اور اگر فیاض بھائی کے اصرار پر نہیں رشتہ ہو بھی گیا تو سوچ لو ماں یا بڑی بھائی کی اچھی جگہ تو رشتہ ہونے نہیں دیں گی اگر وہ تمہارا بھلا

چاہتیں تو جب میں نے احسن کے لیے تمہارا نام لیا تھا وہ خوشی سے اس رشتے کی حمایت کرتیں خیر جو ہوتا تھا وہ ہو گیا تم انہیں بھی آؤ ماں۔“ خالہ کی ساری بات اس کی بھٹک

آگئی تھی۔

”میں نے بہت سال پہلے تمہاری وادی کے گھر کے ایڈریس پر کسی کے ہاتھ تو زیہ کے علاج کے لیے پیسے بھجوائے تھے اسی ایڈریس پر خط لکھا تھا۔ ایک کوشش کی تھی دیر سے یہی کسی مگر رنگ لے آئی آخر ہی مگئے دو لوگ۔“

خالہ خوش تھیں وہ بھی خوش تھی اور اس خوشی کی وجہ کیا تھی وہ

پسند ہوئی تھیں۔ رمضان المبارک اپنی رحمتیں اور برکتیں بچھا کر گزر رہا تھا وہ اس سال بھی اپنے لیے آسانی اور بہتری کی دعا کریں کر رہی تھی دوسرا عشرہ تھا وہ عصر کی نماز کے بعد تلاوت کر رہی تھی جب گیت پر گاڑی کا ہارن سنائی دیا کچھ ہی دیر بعد ڈور بیل بجی تھی اس نے قرآن پاک

جزوان میں لپیٹ کر رکھا اور گیت تک آئی تھی دروازہ کھولنے پر جو شخص نظر آیا وہ اس کے لیے قطعی انجان تھا اونچا لہذا تہ کسرتی جسم اور چہرے پر شجیدگی۔

”یہ فیاض احمد صاحب کا گھر ہی ہے ناں۔“ اس نے بڑے ماموں کا نام لیا۔

”جی..... ان کا گھر ہی ہے۔“

”میں لاہور سے آیا ہوں میرا نام سکندر ہے سکندر اعجاز۔“ اس نے تعارف کرایا اور اس نام سے ذہن میں بچھا کا سا ہوا تھا یہ نام اس کے ماضی کا حصہ تھا جب وہ بہت چھوٹی تھی۔

”سکندر اعجاز.....؟“ اس نے اس کے چہرے کے نقوش کو غور سے دیکھا۔

”مجھے صالحہ انٹی سے ملنا ہے۔“ اس نے بڑی خالہ کا نام لیا۔

”جی وہ تو یہاں نہیں ہوتیں وہ تو آسٹریلیا میں رہتی ہیں آپ کو کیا کام تھا ان سے؟“ وہ اسے پچھاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

”اوہ..... اچھا..... تو پھر میں انعم اعجاز سے مل سکتی ہوں۔“ وہ کچھ سوچنے کے انداز میں لکھ بھر کور کا اور پھر اس سے اس سے ملنے کی اجازت لے رہا تھا۔

”جی میں ہی ہوں انعم اعجاز۔“ ایک عرصے کے بعد کسی نے اسے عمل نام سے پکارا تھا اس کے خود کو تعارف کرانے پر مقابل کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

”انعم..... اوہ..... آجائیں امی۔“ وہ وہیں سے گردن گھما کر گاڑی میں بیٹھی شخصیت سے مخاطب ہوا اور ایک بات داری خاتون کا ڈی سے اتر کر اب اسی طرف رہی تھیں وہ پچھان گئی تانی انی تھیں وہ ان کے چہرے پر بڑی نرمی







انہم ابھی نہیں ہے پھر دو چار گھنٹے تک اسے بھی لے جانا۔  
تائی امی نے سکندر کو ہدایت کی وہ اثبات میں سر ہلاتا چلا گیا  
دو گھنٹے تاپا اور تائی امی نے ڈھیروں ہاتھیں کھیں۔

”ہم لوگ بہت شرمندہ ہیں، بیٹی! جب تک اماں زندہ  
رہیں ہم ان کی مرضی اور خوشی کے پابند رہیں لیکن اندر ہی  
اندر یہ احساسِ ملامت کرتا تھا کہ ہم عزتِ ذاتی کی بنیاد پر  
حق دبوچے بیٹھے ہیں کئی بار سوچا کہ تم سے رابطہ کریں  
معافی مانگیں مگر ہر بار یہ سوچ کر خاموش ہو جاتے تھے کہ تم  
اپنے نضال میں خوش ہو ہم لوگوں سے یقیناً نفرت کرنی  
ہو اگر تمہیں ہر رے پر اسے کوڑا بہت بھی خیاں ہوتا تو  
تمہارے نضال والے بھی تو فوں پر بات کرتے ملتے  
ملاتے لاتے اماں کی وفات کے بعد ہم نے وہ گھر کرائے  
پر دے دیا اور یہ نیا گھر بنایا۔ ثانیہ کی شادی سکندر کی جانب  
اور پھر تمہارے تاپا ابو کی بیماری پس زندگی انہی جھمیلوں میں  
مصروف تھی تمہارے تاپا ابو زیادہ بیمار رہے گئے سکندر کو  
بھی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا ہوتا تھا اس مکان کی  
حالت اب خراب ہوئی جاری بھی ہم سب نے یہی سوچا  
کہ اسے بیچ کر تمہارا حصہ تمہیں دے دیا جائے تاکہ

ہمارے سر سے بوجھ اتارے مگر اس مکان کو ہم تمہاری مرضی  
اور قانونی کارروائی کے بغیر بیچ بھی نہیں سکتے تھے تمہارے  
تاپا ابو کا کہنا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں ہی ضمیر کو بوجھ اتارنا  
چاہتے ہیں بھائی بھائی کی روح کے سامنے سرخرو ہونا  
چاہتے ہیں انہی دنوں کر ایہ دار نے تاپا کا پے لوگوں کا خط  
آیا ہے۔ وہ خط تمہاری خالہ کا تھا انہوں نے وہاں کے تمام  
حالات سے آگاہ کر کے تمہیں اپنانے کی پہلی اور آخری  
درخواست کی تھی تمہاری خالہ چاہتی تھیں کہ ان کی بیویوں پر  
پروردگار کی تمہاری زندگی کو وقت کے ہاتھوں میں ہے  
دیتیں مگر میں خط لکھ کر انہوں نے نہ صرف ہمت سے کام  
لیا بلکہ ہمارا بھی امتحان لیا۔ فرض تو ہمارا تھا بہر حال ہم لوگ  
تو پہلے ہی اس انتظار میں تھے کہ تم سے رابطہ ہو تمہارے تاپا  
ابو بہت خوش ہوئے ہم لوگ تو رمضان سے پہلے ہی آنے  
والے تھے مگر تمہارے تاپا ابو کی حالت اتنی خراب ہو گئی کہ

انہیں ایک لمحہ بھی اکیلے چھوڑنا مناسب نہ تھا تین ماہ پھر  
گزر گئے اب ڈاکٹر نے سلی دی ثانیہ اور مظہر پھنسی لے کر  
آئے تو ہمارے لیے آسانی ہوئی اسی لیے ہم ڈراویر سے  
آئے تمہیں لپٹے۔ تائی امی آنسوؤں سے بھری آنکھوں  
سے ساری کہانی سناتے لگیں تو وہ بھی رودی۔

”ڈاکٹر زکیر رہے ہیں کہ ایک ہفتے تک ڈیپارچ  
کر دیں گے انہیں پھر ہم لوگ مکان کا کام بھی بنالیں گے  
اور تم بھی آگے ایڈمیشن لے لیتا۔ تائی امی کی بات پر وہ  
چوٹی یعنی وہ لوگ اسے پیشہ سادھ رکھنا چاہتے تھے اس کی  
آنکھیں پھر نہیں وہاں مگر بڑھنے لگی تو پھر رے میراں  
اللہ نے ایک بددروازہ کھول دیا تھا۔

”کیا سوچ رہی ہو؟ عید پر ہم اپنے ماموں سے ملنے  
بھی جاتا۔ انہوں نے ایک اور ابھرنے والی کی بہر حال وہ  
اپنے نضال میں اتنے سال رہی تھی اگر تائی اور ماماں اس  
سے چڑنی تھیں تو ماموں، بھاشا اور خالہ اس کے ہمدرد بھی  
تھے اگر خالہ ہمدردی نہ دکھاتیں تو آج وہ کسی کی دوسری  
بیوی بن گئی ہوتی یا پھر وہاں سب کی خدمت گزاری میں  
مصروف ہوتی۔

❖.....❖.....❖.....  
وہ سکندر کے ساتھ گھر آ گئی وہ آفس جا رہا تھا اس کے  
جاتے ہی وہ چکن میں آ گئی آپا کام میں مصروف تھیں۔

”کیا پاکی میں آیا میں نہ کروں؟“ وہ یوں بھی کہہ  
ہو رہی تھی۔  
”ارے نہیں بیٹا تم نے دی دیکھو آرام کرو میں تو بھائی  
صاحب کے لیے ولیہ اور کھٹی پکا رہی ہوں دوپہر میں  
ہسپتال چھوڑنا ہے کھانا پھر صبح کے بعد افطار کی تیاری  
میں کی بہت بات ہے ویسے ہی میں مفتہ وار کہتا ہوں  
سمو سے رول وغیرہ بنا کر فریڈر گروتھ میں بڑی آسانی  
ہو جاتی ہے۔“ آپا محبت سے اس کے لیے مری میٹج کر  
بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے تفصیل بتاتے لگیں۔

”دن کو کون لے کر جائے گا کھانا؟“ اس نے سکندر کی  
غیر موجودگی میں کسی اور مرد کو دیکھا نہیں تھا۔

”ثانیہ اور مظہر لے کر جائیں گے بس کچھ دن کی بات  
ہے بھائی صاحب گھر آ گئے تو سب اپنے اپنے گھر کا نوں  
پر۔“ آپا نے ہنس چمیل کر پلیٹ میں رکھا۔

”ثانیہ اور مظہر کہاں ہوتے ہیں اور اس وقت گھر پر  
ہیں کیا؟“ اس نے حیرت سے باہر کی سمت دیکھا کیونکہ  
اسنے بڑے گھر میں اسے وہ دونوں مکان سے دکھائی تو نہیں  
دے گئے تھے۔

”وہ دونوں کراچی میں ہوتے ہیں بس ثانیہ سے باپ  
کی بیماری کا سن کر رہا نہیں گیا رمضان کے مہینے میں ہی  
اس کی اور بھی وہ لوگ اپنے ہی گھر پر ہیں مظہر کا آبائی گھر  
سکین لاہور میں ہی ہے ثانیہ اور مظہر دونوں ہی جاب  
کرتے ہیں تو تم ہی آتا جانا ہوتا ہے۔“ آپا تفصیل بتاتے  
کے ساتھ ساتھ بھی چلائی رہیں۔

”اب تم بوجھو کہ میں کون ہوں؟ تو میں تمہارے با  
اور تاپا کی دوری رشتے دار ہوں جب تمہاری دادی بہت  
بیماری ہوئیں تو میں گاؤں آ گئی ان کی خدمت کے لیے  
میں شادی کے چار سال بعد ہی بیوہ ہوئی تھی اور انھی مہینوں  
میکے والوں پر بوجھ بننے کے بجائے یہاں آ گئی تھوڑی  
بہت نرسنگ جاتی تھی بس جب تک تمہاری دادی زندہ  
رہیں ان کی خدمت کرتی رہی بعد میں یہیں روک لیا بھائی  
نے وہ دن اور آج کا دن بس میں یہاں کی ہی ہو کر رہ  
گئی۔ بات کرتے ہوئے ان کے چہرے پر کئی گھبراہٹ  
آئے۔

”یعنی میری اوتاپ کی زندگی میں ایک باپ مشترک  
ہے ہم دونوں ہی اپنے گھرانے چھوڑ کر یہاں آ گئیں۔“ وہ  
مستحکم۔  
”میں تو اب آخر دم تک یہیں ہوں تمہارا ہاتھ میں  
لگتا ہے کہ نہیں۔“ وہ اٹھ کر چوہے کے سامنے جا کھڑی  
ہوئیں وہ پاس رکھا ولیہ اٹھا کر پکانے کی غرض سے ان کے  
پاس آ گئی۔

”دل تو لگانا پڑتا ہے آپا وہاں بھی لگا رکھا تھا جب ماں  
باپ کا سایہ نہ ہو تو ایسے ہی گھٹکانے ملتے ہیں۔“ دوسر

جھکائے دوسرا چہلا چلائے گئی آپا نے اسے منع نہ کیا اور اس  
کے کھکھول سے محسوس کیا تھا۔

❖.....❖.....❖.....

ایک ہفتے میں گھر کے لوگوں کے مزاج طور طریقہ وہ  
کچھ تو سمجھ ہی گئی تھی تاپا اب گھر آئے تو جیسے سب نے سکون  
کا سانس لیا اس روز انظارِ الٰہی میں بھی خاص اہتمام کیا گیا  
تھا آپا اس پرزوں میں بھی شہنشاہی گئی اس کے ہاتھ کے سمو سے  
اور کتاب سب کو ہی بہت پسند آئے تھے۔ اس رات اس  
نے ماموں ماماں کو بھی کون کیا تائی سے بات کر لی چاہی مگر  
انہوں نے انکار کر دیا تھا۔  
”واپس کب آ رہی ہو؟“ ماماں نے پوچھا شاید وہ  
کاموں سے گھبرا گئی تھیں۔

”واپس عید کے بعد شاید۔“ وہ یوں ہی بلا سوچے  
سمجھے جواب دے رہی تھی عقب میں قدموں کی آواز سن کر  
مزمز دیکھا سکندر شاید راتوں پڑھ کر آیا تھا۔  
”تم واپس چنا چاہتی ہو ناو؟“ وہ یوں بے تکلفی سے  
پہلی بار مخاطب ہوا تھا۔  
”نہیں۔ نہیں۔“ وہ تو یوں ہی کہہ دیا ان کی تارنگی  
کے ذریعے۔ اس نے جج کہا۔

”دوسروں کی تارنگی کا خیال اب دل سے نکال دو تو  
بہتر ہے زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب حد  
سے زبردستی غلطی اور محرومت سے انسان اپنا نقصان  
کرنے لگتا ہے اپنی ذات کو مقدم رکھ کر پھر دوسروں کا  
خیال رکھنا عام انسان بوجھ میں رہو۔“ وہ نہ جانے کیا سمجھانا  
چاہ رہا تھا وہ بس کئی کہہ کر وہاں سے چلی گئی اپنے کمرے  
میں آ کر کھڑکی دواس کی کی بات پر غور کرتی رہی کہ وہ  
ٹھیک ہی رہا تھا عام انسان کی طرح اس کے بھی جذبات  
واحساسات تھے دوسروں نے کیا صدمہ دیا اپنی بیٹیوں کے  
بہتر مستقبل کے لیے اس گھر میں اسے دیوار سے لگایا چار با  
تھا سوچ تو کہہ رہا تھا وہ خوش اخلاقی اور محرومت میں ہم اپنا بھی  
نقصان کرنے لگتے ہیں۔

رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا تاپا ابونے وکیل کو



ہمارے تمام کاغذات پر اس کے دستخط کرا لیے تھے وہ سکندر کے ساتھ جا کر اپنا کاؤنٹ بھی کھلاؤ آئی تھی باقی رقم کی ادائیگی عید کے بعد ہونا تھی تاہی نے اسے تانیہ کے ساتھ بازار بھیجنا کہ وہ عید کے لیے نئے جوڑے چوڑیاں، جیلری اور باقی سامان بھی لے آئی تھی۔

”بھئی اب تو تم لکھ چکی ہو جو بے شایگہ مرد  
مکھو پھر دکھاؤ۔“ ٹوہیہ نے اسے چھیڑا۔  
”مجھے تو ابھی تک یقین ہی نہیں آ رہا۔“ وہ بے یقینی  
سے اپنی شایگہ دیکھنے لگی اوماں بھی محسوس ہی نہیں ہوا تھا  
کہ اسے نئے کپڑوں کی ضرورت ہے یا اس کی بھی کوئی  
پسند نا پسند ہے، اور بالکل اس کے لیے کپڑے لے آئی  
تھیں اور بعض اوقات اپنے نئے کپڑے لائن تو ایک دو  
مرتبہ کے پہنے ہوئے اسے دے دیتیں اور وہ اپنی مٹل خوش  
ہو جاتی کبھی اپنی مرضی سے شایگہ کرنے کا سامع ہی نہیں  
ملا۔ خوش اس کے چہرے سے عیاں تھی سکندر نے اس کے  
چہرے کو بغور دیکھا۔

جن کے سر پر ماں باپ کا سایہ سلامت ہوتا ہے ان کے لیے یہ خوشیاں معمول کا حصہ ہوتی ہیں ماں باپ اپنی حیثیت کے مطابق بچوں کی خواہشات کا خیال رکھتے ہیں خصوصاً بیٹیوں کے تحفے تو ماں باپ ویسے بھی خوب اٹھاتے ہیں اسے یا تو شادی سے پہلے ہی ایسا ہونے کے خوب لاؤ اٹھاتے تھے اس کی عید کی شاپنگ ہی ختم نہیں ہوتی تھی مگر انہوں نے یہ خوشی شاید پہلی بار دیکھی تھی اور یہ خوشی اس کی آنکھوں اور چہرے سے عیاں تھی۔

❖.....❖❖❖.....❖

ماسوں کے ہاں سے فون آیا تو اس نے خوشی سے ماسوں کو مکالمے کے حصے کا کوسٹ دکھاوا نے اور شاپنگ والی بات بتائی ان کے پاس دسپنے کے لیے بس دو عائیں تھیں اسی شام افطاری سے پوچھ کر مل ممانی کا فون آ گیا۔

”تم تو دہیں کی ہو کر رہ گئی انویا دہی نہیں آتی ہم لوگوں کی سستا نہیں رمضان کو تمہاری افطاری ہے اب تم انکار نہ کرتا“ انہوں نے پوچھ اس طرح کہا کہ وہ انکار نہ کر سکی اس

✱.....□✱.....□.....✱

”ہاں جیسے وہ تیس چالیس لاکھ کا حصہ لے کر گھر واپس بننے والے لڑکے پر راضی ہو جائے گی میں حد کرتی ہو بھئی۔“ نانی نے سر جھٹکا۔

”ہاں! جیسی بھی تو تم ٹھیک ہو میری عمر اتنی ہوئی ملی کر  
 جاتی نہیں لیکن اور کونسا ہے اسے اسے ہی نہ مرنے  
 جاتی تو تم کی کیا کر رہی جاؤں اور چھوٹی مجھے سنبھالو گی کہ اسے  
 باقی اسودہ چھوٹی بات تو تمہاری دل کو گنتی ہے۔“ فانی بھی  
 اشارت میں سر ہلانے لگیں۔

خدمتیں کرانے کے لیے لگنی پائی اتنی خوشی سے کیوں دیں گی؟ حصہ پالتے ہوئے کے لیے پادشاهی اب حصہ دینے کے لیے یا تاہم گئی بڑی چالاک عورت تھی ہے مجھے انہو کی تائی۔ ان کی باتوں پر ہاں اثبات میں سر ہلاتی رہیں۔

روزہ دیکر ڈرامہ نویس کرنا مشکل تھا ماس لی حوی لی  
 خاطر سکندر خوش دلی سے یہ فریضہ سراجیام دینے کو تیار تھا  
 گاڑی میں ان سب کے لیے کچھ نقد رکھے تھے تا کی اسی  
 نے عید کی مناسبت سے ایک دو چوڑیاں رکھی تھیں مٹھائی  
 رات سے لیے کی خاص تقین کی بھی تھی مگر نظر بھائی  
 کسرال جا چکے تھے۔ وہ اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتی آئی اور  
 تاپا کو کو اللہ حافظ کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

”دیکھو وہ لوگ عید پر بھی دعوت کر سکتے تھے اتنی محبت جاگ گئی کہ رمضان کے مہینے میں دوسرے شہر میں بلا لیا۔“  
سندھ نے کچھ اس طرح کہا کہ بس دیکھ کر وہ گئی۔  
”بس مجھ سے انکار نہیں ہو گا آخر اتنے سال میں اس گھر میں ان لوگوں کے ساتھ رہی ہوں انیسیت ہو جاتی ہے۔“ وہ خود میں ہاتھ رکھ کر جھکا کر بولی۔

”آپ انکار کر دیتے پھر میں اکیلے تو جا نہیں سکتی تھی۔ وہاں سے کوئی لینے جاتا تو ٹھیک ورنہ نہ جانی میری زندگی میں پہلے دو ٹھکانہ تھا اب یہ بن گیا پہلے یہاں آنے کے



خواب دیکھے تھے اب وہاں جانے کا سوچتی رہتی۔ وہ باہر

دیکھنے لگی گلابی رنگ کے چینون کے سوٹ میں سر پر دوپٹہ اور صوفیہ بہت سادہ اور بہت اچھی لگس رہی تھی۔

”تم ایسے مت سوچا کرو انو ہم لوگ تم سے لا تعلق رہے اس پر شرمندہ ہیں مگر اب تم سے سہارا نہیں ہو اور نہ ہی تمہیں ٹھکانے کے لیے اصرار کیا جائے گا۔“ وہ اسے سمجھنے کے انداز میں بولا اور دھیان سامنے سرک پر مرکوز رکھا۔

مہجرات سے مٹھائی لی تھی وہ گاڑی میں ہی بیٹھی رہی سکندر نے نماز کے لیے گاڑی روکی تو اس نے تائی اکی کو فون ملا لیا وہ نماز ادا کر کے آیا تو اس نے موبائل اس کی سمت بڑھا دیا۔

”سوری میں نے آپ کے موبائل سے تائی اکی کو کال ملائی تھی۔“ اس کی وضاحت پر وہ جیسے سے مسکرایا۔

”نہیں اوکے اور تم میرا موبائل پوچھے بغیر استعمال کر سکتی ہو۔“ وہ دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے بولا۔

”ہوں۔“ وہ سر جھکائے درود شریف پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔

”تم جاؤ میں عشاء کی نماز کے بعد آ جاؤں گا پھر جیسے تمہاری مرضی اگر رکنا ہو تو رک جانا اور اگر چلتا ہوا تو۔۔۔“ اسے گیٹ کے باہر اتار کر وہ دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر کے لگا۔

”آپ نہیں آئیں گے کم از کم سب سے مل تو لیں۔“ وہ سب کے گفت اور مٹھائی نکالتے ہوئے بولی۔

”تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے۔۔۔“ اس نے بات ادھوری چھوڑی اور اس کی طرف سے لیے گاڑی سے اتر آیا اس دوران انو نے ڈور بٹل بجاتی تھی۔

”کیسے مطلب؟“ وہ اس کی مسکراہٹ کا مطلب نہ سمجھ پائی۔

”جیسے میں اپنے سسرال آیا ہوں۔“ وہ ہنسنے لگا۔ انو نے شرم کے مارے منہ پھیر لیا۔ گیٹ کھول کر بڑی ممانی

باہر آئیں۔

”انو۔۔۔۔۔ میری بیٹی۔“ وہ آتے ہی اس سے لپٹ گئیں اس کا بہترین سوٹ کانوں میں سونے کی پائیاں ہاتھ میں پکڑا ہیک۔۔۔۔۔ وہ تو بدل ہی گئی تھی۔

”آ جاؤ۔“ وہ اسے لیے اندر بڑھنے لگیں اس نے مرکز دیکھا سکندر باقی سامان اٹھائے پیچھے رہا تھا۔ ”بھول ہی گئی ہو تو تمہیں میں نہ بولی تو کہاں یاد آئے ہم تمہیں میرے تو ہاتھ پاؤں ہی پھولنے لگے تھے یہ سوچ کر کہ میری انو واپس آ رہی ہے۔“ وہ مسلسل بول رہی تھیں اس دوران انہوں نے ایک بار سر کر سکندر کی سمت دیکھا تھا۔

”میں چل ہوں انو عشاء کے وقت میں آؤں گا۔“ وہ سامان رکھ کر براہ راست اس سے مخاطب ہوا۔

”کیوں آ جاؤ گے عشاء کے وقت؟“ ممانی نے ٹھوڑی ڈال کر اس کی سمت دیکھا سکندر نے بڑی مشکل سے غصے پر قابو پایا انوکو بھی اچھا نہیں لگا تھا وہ اتنی دور سے اسے لے کر آیا تھا کم از کم وہ اسے انظار کی کے لیے بھی روک لیتیں۔

”اسے لینے آتا ہے اسی لیے خیر انو تم جیسے چاہو۔“ وہ واپس مڑ گیا اس وقت انوکو اپنے آپ پر بے حد عصبانیت آئی تھی کیوں اب پائیں وہ کہاں جائے گا انظار کی کہاں کرے گا اس کی وجہ سے اچھی خاصی بے عزتی برداشت کرنی پڑی تھی اسے۔

”آ جاؤ اندر اماں بھی تمہارا انتظار کر رہی ہیں اور آج تو تمہاری چھوٹی ممانی بھی نیچے ہی انظار کی کریں گی۔“ (ماشاء اللہ بڑی پیاری لگ رہی ہے) چھوٹی ممانی نے پیچھے تے ہوئے سوچا مگر کہہ نہ سکی بڑی ممانی نے ان کی نظروں میں متاثر دیکھتے ہوئے پہلے ہی جملہ داغ دیا۔

”کتنی کمزور ہو گئی ہو انو۔“ اسے شانوں سے تمام کر سامنے کھڑا کیا ج تو یہ تھا کہ اس کی کتنی رنگت اور بدلا ہوا روپ انہیں اندر ہی اندر بے چین کر رہا تھا ممانی بھی بڑی محبت سے ٹپٹپٹیں اچانک سے بدلے ہوئے پیر رویے

بڑے بتاؤنی لگ رہے تھے وہ بچپن سے جن رویوں کی عادی تھی وہ دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

انظار کی میں بہت اہتمام کیا گیا تھا زیادہ تر سامان باہر سے منگوا تھا سو سے اور کتاب چھوٹی ممانی اوپر سے بنا لائی تھیں انظار کی کے دوران اسے سکندر کا خیال آتا رہا مغرب کی نماز کے بعد ماموں نے اس سے سکندر کے بارے میں پوچھا تو اس نے بھی صاف کہہ دیا۔

”ممانی نے روکا ہی نہیں انظار کی کے لیے۔“ اور اس کی اس بات کے جواب میں بھی اسے ساتھ لپٹتے ہوئے مسکا گئے تھیں۔

”میں تو اپنی چچی کو دیکھ کر اتنی خوش تھی کہ کسی بات کا کوئی ہوش ہی نہیں رہا۔“ اور ان کی اس اور ایکٹنگ پر ماموں بس کھور کر رہ گئے تھے کھانے پر بھی خوب اہتمام تھا اسی دوران ممانی مدعا پرائیں۔

”بھئی اب عید کے بعد گھر میں شادی بھی ہے تمہاری بڑی خالہ بھی آ رہی ہیں اور ج پوچھو تو تمہارے بغیر گھر میں بالکل بھی رونق نہیں ہے اب میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی بس کر لیا ان لوگوں نے شوق پورا۔“ وہ اس کی پلیٹ میں ٹیک چیس ڈالتے ہوئے بولیں۔

”ممانی میں۔۔۔۔۔“ اس نے کچھ کہنا چاہا تو ممانی نے روک دیا۔

”صحیح تو کہہ رہی ہیں تمہاری ممانی وہ ایسے بھی تمہارے لیے ایک بہت چھارشت آیا ہے اب ہم تمہاری ایک نہیں سنیں گے اتنا اچھا لڑکا ہاتھ سے نکل گیا تو بعد میں پچھتاؤ گی۔“ ان کی اس بات پر اس نے بے اختیار ہی بیرونی دروازے کی طرف دیکھ کر تپاں یا اتفاق تھا یا قدرت کی طرف سے کوئی دعا قبول ہونے کا وقت اس وقت سکندر اندر داخل ہو رہا تھا شاید اس نے بھی یہ بات سن لی تھی ہما جو گیٹ کھولنے لگی تھی وہ بھی سکندر کا کر بیٹھے کا نہ کہہ سکی۔

”السلام علیکم۔“ اس نے ماموں کو سلام کیا۔

”وعلیکم السلام بیٹا بھی میں بہت شرمندہ ہوں تم آئے بھی اور انظار کی کے لیے نہیں روکا تمہیں آؤ کھانا کھاؤ۔“

ماموں واقعی شرمندہ تھے۔

”جی نہیں شکریہ میں کھا کر آیا ہوں انوکو اگر وہ ہے تمہارا؟“ وہ سہولت سے انکار کرتا انم سے مخاطب ہوا وہ کرسی تھپت کر اٹھ گئی سب نے ہی حیرت سے دیکھا چھوٹی ممانی تو دل ہی دل میں اپنے اہتمام کا خرچہ نقصان میں جانے کا درد بھی محسوس کر رہی تھی۔

”جی نہیں کالی دیر ہو گئی ممانی یہ سب تائی امی سے آپ لوگوں کے لیے عید کے گفت بھیجے تھے اور یہ مٹھائی ہے۔“ اس نے صوفیہ پر اسی طرح رکھے تو مہ شام بڑی طرف اشارہ کیا۔

”کیا مطلب تم جاری ہو؟“ وہ بھی کرسی تھپت کر اٹھ گئیں۔

”جی ممانی آپ لوگوں سے منا تھا آپ نے انظار کی کا کہا تو میں انکار نہیں کر سکی وہاں تاپا اب بھی پناہیں اور شب رہنے کے ارادے سے نہیں آئی تھی۔“ وہ دوپٹہ درست کر لی بیگ اٹھانے لگی۔

”رات کے وقت یوں اکیسے سفر کرنا ٹھیک نہیں تم اسے جانے دو اب دو دن رہ گئے عید میں عید کے بعد چل جانا جاتا ہوا تو۔۔۔“ ویسے بھی عید کے بعد شادی بھی ہیں پھر تمہارا رشتہ۔۔۔۔۔ ان کی بات پر سکندر کو بوٹائی پڑا۔

”یہ رشتے کا کیا معاملہ ہے انو۔۔۔۔۔ تم نے انہیں بتایا نہیں۔“

”معاملہ یہ ہے ماما کہ ہم نے انوکا رشتہ دیکھا ہے بس اسی سلسلے میں بات کر رہے تھے اور راست ماننا بیٹا اس وقت رات کو ہم انوکو تمہارے ساتھ سفر پر نہیں بھیج سکتے۔“ وہ درازنی سے بولیں۔

سکندر کے چہرے پر مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی اس کی اس مسکراہٹ پر انہوں نے شکل غظروں سے انوک کی سمت دیکھا۔

”ممانی میں شادی پر ضرور آؤں گی مگر ابھی میں واپس جاؤں گی اور ہاں میں بھی آپ کو شادی کا کارڈ بھیجوں گی۔“

ستائیس رمضان کو یعنی کل شام ہمارا نکاح ہوا تھا سکندر کو لی



غیر نہیں ہیں ان کے ساتھ سفر کرتا میرے لیے بھی مناسب بات نہیں تھی مگر کل شام رشتہ ہی بدل گیا۔ وہ شرمیں مسکراہٹ کے ساتھ سکندر کی سمت دیکھتے ہوئے بولی اور سب کو سانپ منگھ گیا۔

”ایسے کیسے نکاح ہو گیا میاں..... ہم بھی کچھ سکتے ہیں انوکھے؟“ مارے خفت کے وہ اور کچھ نہ کہہ سکیں ماسوں نے گھور کر دیکھا۔

”وہ چھوٹی بچی نہیں ہے اس کی رضا مندی سے ہی نکاح ہوا ہوگا..... خوش ہے ماشاء اللہ۔“ ماسوں نے انہیں خاموش کر لیا۔ وہ سب سے مل کر مزی سے ہنسنے لگیں اور کہنے لگیں کہ وہ گرم جوش مفقود تھی جو استقبال سے لے کر اب تک تھی۔

”تمہیں کیا لگتا ہے وہ تمہیں شادی پر انوائٹ کریں گے؟“ وہ راستے میں ذرا لب مسکراتے ہوئے بولا۔  
”وہ ناراض ہوگئی ہیں سکندر ہمارا نکاح بھی تو اتنی غلط میں ہوا نا۔“ وہ رو دینے کو کبھی سکندر کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوگئی۔

”ویسے ایک بات تو بتاؤ تم ایک دم سے نکاح کے لیے راضی کیسے ہوگئی جیسے کہ پہلے سے ہی تیار نہیں تھی کہ کب اسی تم سے پوچھیں اور.....“ وہ شرارت سے بولا۔

”میں کوئی آپ سے شادی کے لیے مری نہیں جا رہی تھی وہ تو امی (تائی امی) نے جب مجھ سے بات کی تو میں سوچ میں پڑ گئی ایک وہ لوگ تھے جو خالہ کو میرا رشتہ کرنے سے منع کر رہے تھے میرے لیے دوسری شادی والے رشتے دیکھے جا رہے تھے اور ایک تائی امی میں منہوں نے مجھے جانے بغیر میری اجازت کو پا کر مجھے بھڑکایا۔ یہ کافیصلہ کر لیا۔ ان کے دل میں ایک ڈر تھا کہ کہیں لوگ یہ نہ سوچیں کہ جائیداد کا حصہ گھر میں ہی رہے جیسا کہ بھوتنا لیا تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ لوگ تو ہر صورت باتیں بناتے ہیں میرے حصے کا بیس میرے اکاؤنٹ میں ہوگا آپ کا ضمیر مطمئن ہے تو پھر آپ کو لوگوں کی پروا کرنے کی

ضرورت نہیں بس تائی امی کا خلوص دیکھ کر ہی مجھے اس رشتے کے لیے ماننا پڑا میں اب اس ٹھکانے کو چھوڑ کر اور کہیں جانا نہیں چاہتی۔“ وہ بات کے آخر میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی چہرے پر سکون اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

”یعنی ہم یوکی خوش نہیں کا شکار ہو رہے تھے۔“ وہ سر جھٹکے ہوئے بولا۔ انہم کو اس کا یوں کہنا بہت اچھا لگا تائی امی کے خاندان میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی تھی مگر سکندر نے اور خود تائی امی نے اس میں کچھ تو دیکھ لیا تھا سب سے بڑھ کر سکندر نے اسے پہلی بار میں ہی پسند کر لیا تھا اور دل و جان سے نکاح کے لیے رضامند تھا ماسے گہری اور بھی تھی مگر بٹر ٹیک کی چلتی رشتیاں ماحول کو بڑا خواب ناک بنا رہی تھیں وہ رمضان کا احترام کرتے ہوئے کسی بھی قسم کا اقرار کرنے کے بجائے درود شریف پڑھنے لگی سکندر کو اس کی یہی بات تو پسند آئی تھی اس کے بہنے لہوں کو دیکھتے ہوئے اتنی نیک بیوی پر فخر محسوس ہوا تھا۔

”چاہے بیوی؟“ اس نے گاڑی روکی۔  
”ہوں..... ذرا اسٹرونگ سی۔“ اس نے سر کو ہاتے ہوئے کہا۔

”یعنی تم وہاں ٹینشن لینے بھی لگی تھی اور دینے بھی۔“ وہ گاڑی سے اتر کر چائے لینے چلا گیا۔  
راستے میں جب کچھ چوڑیوں اور ہندی کے اشغال گئے تھے دو دن ہی تو وہ گئے تھے عید میں اور بھی میں ممکن تھا کہ کل ہی چاند رات ہو جاتی وہ چائے لے کر آیا تو اونٹنی محرومت سے باہر چوڑیوں کے اشغال کی طرف دیکھ رہی تھی۔  
”کیا ہوا۔ کیا دیکھ رہی ہو نا۔ اس نے اس کی طرف چاہے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

”یونہی عید کی رونق۔“ اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا اور پھر چائے تھام لی۔  
”اب دیکھو چاند کب نظر آتا ہے پھر لے چلوں گا

تمہیں بھی تم بھی چوڑیاں اور ہندی لے لینا۔“ وہ چائے پینے لگا۔

”میری عید کا چاند تو میرے سامنے ہے کل کا انتظار کون کرے۔“ اس نے بڑا ہٹ کے انداز میں کہا۔  
”مصلوب۔“ یعنی کہ..... وہ بے اختیار اس کی سمت دیکھنے لگا اتنا خوب صورت امتزاف کل رات سے وہ منتظر تھا کہ انوکھے دن کے بعد۔  
”اوہ۔“ باؤنگلی آئی امیر۔“ وہ ہنستا چلا گیا۔

”تمہیں بتا رہا ہوں محبت نکاح کی محتاج ہوتی ہے اس سے پہلے جوڑیوں سے وہ محبت ہوتی ہی نہیں تمہیں کبھی نظر میں ایک لڑکی ہوئی تو بیٹیوں کو پڑی ہوئی لڑکی تھی مگر جب امی نے نکاح کی بات کی تو مجھے لگا اللہ نے تمہیں میری زندگی میں شامل کرنے کے لیے ہی یہ سب حالات پیدا کیے اور پھر میں نے باں کر دی بنا مہلت مانگے اور پھر کل رات نکاح مانے پر دستخط کر کے گلے پڑھ کر اللہ اور رسول ﷺ کو گواہ بنا کر جب میں نے تمہیں شرعی طور پر اپنا یا تب مجھے احساس ہوا کہ محبت ہوتی کیا ہے کیا تم بھی یہی سب محسوس کر رہی ہو نا؟“ وہ سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھنے لگا۔

”کل رات نکاح کے بعد مجھے اپنا آپ بہت محفوظ لگ رہا ہے یوں جیسے میں کسی مضبوط قلعے کے حصار میں آ گئی ہوں۔“ اس کا استراحت دل خوش کر گیا۔  
”ایک مسئلہ۔“ وہ اتر کر سامنے چوڑیوں کے اشغال پر گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ چوڑیاں اور ہندی سے ملے یا تھا۔  
”وہ کھوکھی ہیں؟“

”بہت اچھی اور بہت شکر۔“ مجھے یہی مرید کسی نے یہ سب اتنی محبت سے لے کر دیا ہے۔“ وہ رو دینے کو کبھی سکندر نے محبت سے یہ تحائف اس کے نذر کیے اور ذرا نیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

”ہوگئی ناں چاند رات آج رات ہی۔“ اس نے گاڑی اشارت کی۔

”میں نے کہا تھا ناں میری عید کا چاند تو میرے

سامنے ہے۔“ وہ چوڑیوں پر ہاتھ پھیرنے لگی زندگی بہت خوب صورت ہونے والی تھی۔

”میں نے زندگی میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے کو خوشی سے قبول کیا ہے وہ رب جو کرتا ہے ہمارے لیے بہت اچھا کرتا ہے ہم بھی کبھی انہوں کے رویے سے دل برداشتہ بھی ہو جاتے ہیں جو ہوتا ہے اچھا ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے تمہارا بھی دل دکھا سب کے رویوں سے غمراں حالات میں تمہاری خالہ نے ہمیں یاد کیا ہمیں بھی احساس ہو گیا کہ کچھ فرض ہمارا بھی بننا ہے یوں تم وہاں سے یہاں آ گئی میری زندگی میں آ کر میری زندگی کا حصہ بن گئی۔ اللہ کے فیصلے بہت پیارے ہوتے ہیں انوکھے ذرا نیونگ کرتے ہوئے بڑے دلچسپے کچھ میں محبت سے چور لیجے میں کہہ رہا تھا وہ سکون سانس لے کھڑکی سے باہر دیکھتے تھی رمضان کے اسی مہینے میں وہ پہلی بار اتنے سر سے بعد ملا تھا اور اسی بابرکت مہینے کے آخر میں وہ اسے ہمیشہ کے لیے مل گیا تھا۔ اس نے بھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کا مہربان رب اتنا کچھ اس کے دامن میں ڈال دے گا سکون سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار اپنے چاند کی سمت دیکھا اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔

”اللہ کے فیصلے واقعی بہت پیارے ہوتے ہیں۔“ وہ چوڑیاں سینے لگی یہ عید زندگی کی پہلی خوب صورت عید تھی اس کی تو اس نے ہندی سے سکندر کا نام بھی اپنے ہاتھ پر لکھ تھا اس آسمان کے چاند کا انتظار تھا۔





## ماہنامہ نشاۃ



”الٹی ہوں“ کہہ کر فوراً نکل گئی۔ کھانا گرم کرتے اس نے سنگ میں پڑے چائے کے برتن بھی دھو لیے۔ بشر کے ساتھ ساتھ اس نے اماں کے کھانے کی بھی ٹرے تیار کی۔ ابھی اس کا بہت کام باقی تھا کہ رنے والا۔ یہ دونوں کھانے سے فارغ ہو جاتے تو وہ اطمینان سے سمیٹ لیتی۔ خود اس نے دو پہر کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ بچوں کو کھانا ان کے مشین لگا لی تھی۔ اس دوران شام کی چائے کے ساتھ ساتھ اس نے بچوں کو ہوم ورک کروایا اور ابھی بہت سارا کام اور بھی تھا جس کے متعلق سوچ کر اسے وحشت ہو رہی تھی۔ شخص سے اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا اور کئی چادر ہاتھ کر سب کچھ چھوٹے اور پڑ کر سو جاتے۔ بچے اب سنگ میں تھے۔ اس نے اماں کے کھانے کی ٹرے تیار کر دی اور بشر کے لیے لانے کے واسطے مڑی ہی تھی کہ بشر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”بڑی آپا اور ان کے بچے آرہے ہیں۔ کھانا ادھر ہی کھائیں گے کھانا کالو..... گوشت رکھا ہے بالادوں؟“ اس نے بتا کر پوچھا۔ بشر کے الفاظ چابک کی لٹریں بر سے متحرک ہوئے۔ اس کا جواز بڑھ دکھ رہا تھا اور اس کا قہقہا مود نہیں تھا اسنے لوگوں کا کھانا نئے سرے سے پکانے کا۔ اس کا چہرہ واٹر گیا۔

”کیا ہوا..... سانب کیوں سوکھ گیا آپا کے آنے کا سن کر؟“ بشر کی عقلمانی نظروں سے اس کی بیزاریت چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

”نہیں وہ میں کہہ رہی تھی کہ آج مشین بھی لگوئی تھی صفائی بھی کی۔ تھکاوٹ..... تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے تو.....“

”تو کیا مع کر دوں؟“ وہ جیسے چوتھوں سے اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا بشر۔ بہت تھکاوٹ ہوئی..... میں کہہ رہی تھی کھانا اگر باہر..... بات اب بھی پوری نہیں ہونے دی گئی۔

”تو کون سا لوگ کھا کام کیا؟“ اماں کا بھڑکنا اعتراض آیا۔

”مجھے تو آج تک سمجھ نہیں آئی یہ غریب گھروں میں کلو کے نکل کی طرح جتنی لڑکیاں اچھے خاندانوں میں آتے ہی اپنی اوقات کیوں بھول جاتی ہیں۔ یہ سب تو تم اپنے گھر بھی کرنی

آئی ہو کون سے نوکر تھے وہاں یہاں دو کام کر کے تمہاری جھکن بڑھ جاتی ہے۔ کھانا صفائی دھلائی تو ہم چنی بھاتے کر لیا کرتے تھے ختم سے دو دو گھنٹہ سبزی نہیں لگائی جاتی۔ دو مہمان آ جائیں تو دوا بلا شروع کر دیتی ہو۔ سید کی طرح جو میری بیٹی کا آنا کھاتا ہے۔ ہائے بشر میں مریکیوں نہیں جانی سب سے بڑا جو تو میں ہی ہوں اس کے لیے۔ اماں کے میں شروع ہو گئے۔ بشر نے غصیلی نظروں سے اسے گھور اور ”دفع ہو جاؤ“ کا اشارہ دیا اور خود بشر فوراً ماں کا سر گھر میں رکھ کر بیٹھ گیا اور دبائے لگا۔

”کیوں انکی باتیں کرتی ہیں آپ؟ کیا کچھ کہا اس نے آپ کی خدمت میں کوئی بات کی؟“ وہ پوری امید سے بچہ پوچھا تھا اور ماں نے اس کی امید کو لٹی لٹیں۔

”ارے نہ بھی کہتے تو اس کا ایک ایک شل کوئی دیتا ہے کہ مزدور کو مٹھالٹے ہوئے اسے کتنا غصہ آتا ہے۔ ایسی ایسی شکلیں بناتی سے کہ الامان۔“ وہ کہہ کر اپنے تلیں۔ غم جو کہ منتظر کھڑی تھی اگلے حکم کے لیے مزید سہ نہ سکی اس حالت میں بھی بہتان خرازی سے باز نہیں آئی تھیں۔ اللہ گواہ تھا اس نے بھی ان کی خدمت میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ پھر بھی وہ اس سے خوش و مطمئن نہیں تھیں۔

اس کی سسٹن زدہ دیواریں پر کچھ اور پائی گرائی اور ذات کی سفیدی پورے وجود پر گھری تھی۔ اس نے خاموشی سے فرے اٹھائی اور واپس پکچن میں آ گئی۔ بشر نے کب تک اور کیسے ماں کے دکھے دل کی تسلی و تسکین کی۔ اسے جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔ بشر جیتے ہوئے سے رات کے کچھ بج گئے تھے۔ بڑی آپا بھی روبرو سے تھیں۔ ان کے جانے کے بعد سارے برتن سمیٹنے پکچن صاف کر کے اماں کو دوائیاں کھلانے کے بعد وہ صرف اتنا ہی کر سکی کہ اوپر سے جا کر کپڑے اتار لائی۔ استری کرنے کی بہت نہیں رہی تھی۔ کھانا بھی تو فراہمی کا تھا۔ چار گوشت سودی کی برائی کوختے اور تراشل پار کر کے ہوئے آنکھوں میں دھیر سا پانی بھرتا تھا۔

”بھئی! تو بس اپنے گھر میں ہی مہارائیاں ہوتی ہیں؟“ چاہے غریب ہوں چاہے سیرسراں میں آ کر وہ وہاں نہ خواہ لینے والی ملازمہ سے بھی کم حیثیت کی بتا دی جاتی ہیں۔ سسرال والوں کا دل جیتنے کی خاطر ایک ایک کی خدمت کرکٹ کیا ان پر رفت کی ملازمہ کا سبیل لگ جاتا ہے۔ وہ خود جان

نہیں باتیں۔“ ہسٹر بریٹ کر اسے خندلانے میں زیادہ کمک و دوئیں غم بڑی۔ دو منٹ میں بے سندھ بڑی تھی آ کھہ بشر کے چلانے پر مکملی صبح ہو چکی تھی اللہ رب تعالیٰ کر خاموش ہو گیا تھا اور سبے اسکول سے لپٹ وہ جتنی بھی جلدی کر سکی ان کو وقت پر اسکول نہیں لے جا سکتی تھی۔ پونے فارم پر بس کرنا تھا تا شام آ کر اسے ابھی ان کو بچانے کی ضرورت تھی۔ رات کو تو اس کی بہت کم رہی تھی کیونکہ فارم پر بس کر کے کی سوجھا تھا جہد کی اٹھ کر کر کے کی تھکاوٹ نے اسے ہوش ہی کہاں لینے دیا تھا۔ بشر چڑھ رہا تھا اماں ہائے ہائے کر رہی تھیں صبح چھوٹے والی چائے جو بس ہو چکی تھی۔ وہ نافت ابھی منہ پرانی ہے وہ چار چھپٹے مار کر کچن میں آئی۔ چائے کا پانی چڑھا کر بشر کے پیڑے بستر کی کیے۔ اٹھا تو سن دودھ کا کھانا بشر کے آگے رکھا۔ اماں کو چائے بہت دے کر وہ کرم اور معظلم کے لیے راضی ہو گئی تھی کہ پھر سے صورت پھونکا جائے لگا۔ وہ ہاتھ میں لیکن لیے پکچن کے دروازے میں آئی کہ دیکھے یہ کیا ہوا۔ تو بشر کے آگے دھڑی تاشے کی پیٹ اس کے قدموں میں آ گئی۔ اٹھا تو اس پیٹ سب کچھ بھر گیا۔ مٹی بے حرجی کرتا ہے یہ شخص رزق کی۔

”دھیان کہاں رہتا ہے تمہارا۔ زہر کر دیتی ہو کھانا! ماں نے تمک کی کان خرید لی ہے جو یوں ہاتھ کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ ایک دن ڈھنگ سے کھانا نصیب نہیں ہوا جب سے تم آئی ہو میری زندگی میں جانے کس گناہ کی سزا ہو تم۔“ وہ ٹرے پر بے دھکیلا وجہ دھب کرتا باہر نکل گیا۔ اماں کے دل میں خلوی کی دکان کھل گئی تھی۔

”ارے بھجور۔ ارے بھجور۔“ عداوت زبان نکلتی گئی تھی۔ ”دھیان رکھا کر۔ شوہر کو ڈھنگ سے کھانا تو دے دیا کرنا اسے سارا دن خواہ ہوتا ہے تم لوگوں کے لیے اور کن ایک پکائی چائے کی اور لا دے بہت اچھی بنائی آج تو۔“ اس نے ٹرے سے سمیٹ کر سب بیٹی میں ڈالے اور جب اماں کی خالی پیالی کے گرد کچن میں آئی تو پراٹھا تو سے پر پڑا اٹل کر سیاہ ہو چکا تھا۔ کچن کا حوالہ اس کی آنکھوں میں ہی بھر گیا۔ اس نے کا آخری بیڑ اٹھا اور دونوں میں سے جس کو پراٹھا نہ ستاسا نے مشکل کر دی تھی۔ اس نے خود کو بے بسی کی انتہا پر محسوس کیا۔ اسے اور کچھ نہ سمجھا تو وہ ہیں زمین پر بیٹھ کر سب آواز روکنے لگی۔ غریب گھر کی مٹی ناں آؤ گی آواز میں روٹا زیب نہیں دیتا تھا۔

وہ روکتی ہی نہیں تھی۔

.....

بشر سے جب اس کی امیر کیر خالد زاد نے شادی کے ساتھیوں دن بعد طلاق مانگی تو سب ہکا بکا رہ گئے۔ وہ بشر کے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ بشر سرت رنگی تھیں کا ولداں تھا۔ دارہ خاتون اماں نے بھاگنی سے بیاہ دیا کہ اکلوتی تھی دولت جا مینا ہاتھ لگے کی لیکن بشر سیدھا ہوا کے نہ دیا۔ سیریکا سیریکا جا کر بیٹھ کی امیر کو ساری دنیا کی عورتوں میں دیکھی تھی سوائے اس کے وہ کوئی غریب خاندان کی تو بھی نہیں جو جب چاہے پروا نہ کر لیتی شور مچا دیا۔ ساجدہ کو اپنی عزت بچانی مشکل ہو گئی۔ دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر مضافے کے لیے گئی۔ بہن بہنوں نے تو سنا میں سو سنا نہیں۔ سیریکا نے بھی خوب بے عزت کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی زندگی پر یاد کرنے میں خالی کا ہاتھ ہے۔ جب وہ اپنے بیٹے کے متعلق اچھی طرح جانتی تھیں تو انہوں نے کیوں دھوکے میں رکھ کر اس کی شادی کروائی۔ ساجدہ نے بہتری سلی دلا سے دیے لیکن سیریکا نے انہیں گھر سے بٹلے جانے کا کہہ دیا۔ ساجدہ بیٹھ کر تو بے بسی لگی ان کی بھانجی گھر سے نکال رہی تھی اور بہن بہنوں خاموش تھے۔

گھر آئے ہی انہوں نے بشر کے خوب کان بھرے اور کہا کہ وہ سیریکا کو نوں کرے اور اسے دھمکائے کہ اگر وہ گھر واپس نہ آئی تو وہ اسے طلاق دے دے گا۔ جیسے ہی بشر نے فون کیا تو وہ جیسے پہلے ہی تیار کھڑی تھی۔ فوراً شروع ہو گئی۔

”تم کیا طلاق دے گے؟ میں خود تمہیں نوں بھجوا چکی ہوں..... انتظار کرو کچھ دن۔“ اس نے کھڑا ک سے ریسیور رکھ دیا۔

ساری تدبیریں ابھی ہو گئی تھیں۔ دولت کی باندی دروازے سے آ کر مڑی۔ ساجدہ بیٹیم کا ترخنا لڑی تھا۔ انہوں نے بشر کو خوب برا بھلا کہا۔ بھائی بھادج کے پاس گئیں لیکن سے معافیاں مانیں مگر سیریکا کے دل کو جانے کیا بات تھی مگر وہ بشر کے ساتھ لیسے کو تیار ہی نہیں تھی۔ خود بشر بھی کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا اور یوں یہ شادی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اماں کو تو ایسا صدمہ پہنچا کہ چار پائی پر ہی پڑ گئیں۔ ہاتھ آئی دولت الگ گئی اور بہن سے رشتے دار کی بھی ختم ہو گئی۔



پندرہ دن بعد ہی بمشراک لڑکی کی تصویر اٹھائے چلا آیا۔ پرانے مشق تھا۔ اماں کی جلد بازی کی نذر ہو گیا تھا۔ جان پھٹی تو رابطے پھر بحال ہو گئے۔ بڑی مشکل سے ساجدہ کو منایا اور رہا باب کے گھر لے گیا۔ رہا باب کے بھائی کو بمشرا کو دیکھ کر ہی آگ بگولہ ہو گئے۔ ایک تو کمن نکال لایا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگے۔ رہا باب کی بھی اتنی خاصی خرابی اور اس کے گھر سے نکلنے پر پابندی لگادی تھی۔ ساجدہ نے مشر کے دلتے لیے کراٹھے چھ ماہ بمشرا کو کسی شخص کے گھر سے لے گئے۔ کاٹا لیکن ساجدہ مایوس تھی۔ بیٹے کا گھر تو بسا نا ہی تھا۔ پھر سے لڑکیوں دیکھنا شروع نہیں۔ خاندان برادری میں تو کوئی ان کو رشہ نہ پڑتا۔ وہ کس کو پسند کرے گی جو ساجدہ کو پسند نہیں وہ مشر کو رنجیت کر دیتی تھی بڑی آپاٹے اماں کو روہ بھائی۔ اب کی بار لڑکی غریب گھر سے لائی جائے وہی ایڈ جسٹ کرے گی بمشرا کے ساتھ اور پھر جو مرضی کر لو اس کے ساتھ۔ ذرا بول پائے گی نہ اس کے گھر والے۔ کچھ "نواذ" اماں کو یاد تھے۔ کچھ مریدان کو "ازیر" مراد بے گئے۔ یوں قرعہ قال نکلا۔ نجمہ کے نام اور..... واقعی آپا کی "دور آمد" شیخ تجارت ہوئی تھی۔ نجمہ کو انہوں نے جو مانا چاہا تھا وہ بن گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

بمشر کے کاٹ دار چمکے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھ رہے تھے تو نجمہ کی قوت برداشت کم ہوتی جا رہی تھی۔ برتن بھر کر یا تو چمک جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے اور نجمہ اب اس کیفیت میں مبتلا رہنے لگی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا۔ اپنی ماں کی "ایک چپ سوکھ" والی صحت پر لات ماروے اور بمشرا کھری کھری سناؤ اسے اس کی بہت وہ مسلسل سوچتے رہتے کے باوجود بھی خود میں نہیں پاتی تھی۔ لیکن زہرہ یواریں بہت خستہ ہو چکی تھیں۔ ان کی ہمتیں شک تو دل نہ رہنے کا تھا۔ چند نہیں اماں نے اس کا کیا وہ ان کو بھی چھتیر دیں (چھتیروں) والے گھر میں کیوں کیا تھا؟ آیا نے اپنی مخالفت کی تھی اعتراض کیا تھا کہ جس نے سنی خاندان لڑکی نہیں بسا وہ غریبوں کی لڑکی کو کیا اہمیت دے گا۔ لیکن اماں کے لیے یہ رشہ قسمت غیر مترقبہ تھی۔ اماں کی تو آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں پوری برادری خاندان میں کسی کا اپنی اونچی منگ سے رشہ نہیں آیا تھا۔

"تجھے تو بے کار کے وہم ہیں۔" اماں نے سر جھٹکا تھا۔ "دیکھ مجھے خیر دین نے بھی بتایا اس کا آنا جانا ہے مراد

صاحب کے ہاں۔" باراضی نہ تھے۔ کوئی غریبوں میں رشہ لینے کی تپ آتا ہے جب انہیں اپنے دھکا رو دیتے ہیں یا پھر کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔ لڑکے کے کچھ ٹھیک نہیں سنا ہے میں نے مت بھوکے آگ میں جی۔" ابا جتنا سمجھا سکتے تھے سمجھا۔ لیکن اماں کے بقول سب ان سے جس درجے سے جو جانی تھیں کڑی لڑکی ملائی خود مرگے۔ باراضی اس نے خال کوئی لڑکے کا غانا تھا۔ لوگ کوئی بائیں کرتے۔ وہ تو ساجدہ نجمہ کے رکھ رکھاؤ سے اور بمشر کی وجاہت سے بری طرح گھٹا کر ہو چکی تھی۔ اپنی اچھی قسمت تو قدر والوں کو ملتی ہے لیکن وہ بھی سمجھ نہ سکا کہ وہیں بن کر بمشر کے گھر آنے کے بعد اس کی اچھی قسمت ابا کی پاست میں ہی بڑی ہو گئی۔ وہ پاست میں لایا اس کے لیے بنائیاں بھی کھانگے بھی لگتی برنی چھپا کر لایا کرتا تھا۔ یہاں دوست کی فراوانی تھی خوشیاں چٹک نہیں مٹا سکتیں۔ کسی کی وہ پکٹ بھی انہیں جہاں اس کی خوشیاں سما سکتیں۔ اس کی شادی کے کچھ دن بعد ساجدہ باجمہ دم میں پھسل کر گری اور کوہ لپے کی ہڈی توڑا لیکن بڑی آپا نے محسوس کا تاج نجمہ کے سر پر رکھ دیا اور گئے میں ملازم کا طوق پہنا دیا۔ وہ طوق جو مانا نہ تھا لینے والی بھی اپنے گھر میں نہیں پہنتی۔ ان کے بھی سوچنے ہوتے عزت نفس ہوئی لیکن بیویوں کو سب کرنے کی اجازت نہیں ملتی نہ اجرت نہ تنخواہ نہ سال بعد نہ خواہ میں انصاف۔ نجمہ کے ذمے یہاں ساس کو سنبھالنا اس کی خدمت دیوروں کا خیال رکھنا تنفائے تو اس کے آگے کچھ بچہ جانا ان کاموں کے علاوہ تھا جو اس نے سونچ میں کرنے تھے منائی کپڑوں کی دھلائی استری کھانا راشن بننے اور ایک بزم مزاج شوہر جس کے ماتھے پر ہر وقت تل اور زبان پر انگارے دھرے رہتے تھے اس کو بھی اچھی طرح نبھانا تھا۔ جتنے کام اس کے ذمے تھے۔ اسے ضرورت ہی کہاں تھی کہ رک کر دو منٹ سوئے۔ عجب بھاگ دوڑی اس کی زندگی تھی۔ بچوں تک کو کھانے پانی تھی۔ جلدی جلدی انہیں کھانا کھانی ہوم ورک بھی بھاگ بھاگ کر ہو رہا ہوتا اور رات کو بمشر کے گھر آنے سے پہلے بچوں کو سلا دینے کی کوشش تاکہ اس کو اعتراض کرنے کا موقع کم سے کم ملے۔ پھر بھی گھر آتے ساتھ ہی اس کا پہلا اعتراض یہ ہی ہوتا کہ وہ اماں کا خیال صحیح طرح سے نہیں رہتی۔ اس کی ذات اس کے خاندان کی وہ وجہاں اڑاتا کہ وہ سوچتی اس نے کب

کہاں اور کس کا خیال نہیں رکھا..... سب مکرم اور معظم ہو کر گئے گھر سے؟ کب بڑی آپا آئیں تو اس نے ان کا شاپا استقبال نہیں کیا؟ سب ان کے بچوں کے بازو خڑے اٹھتے؟ اس کے جسم کا ہر عضو دکھ رہا ہوتا جب وہ بستر پر کر لیتی تھی اور ابھی وہ پوری طرح ٹھکنے اتار بھی نہیں پاتی تھی کہ صبح کاموں کی بھی فہرست پھر اس کی منتظر ہوتی تھی۔ باقی ساری چیزوں کی طرح اس کا سکون بھی شاید باقی پاست میں بڑا رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ان دنوں وہ عجیب سی تکلیف میں تھی۔ ہر وقت جسم دکھتا تھا۔ طبیعت گری گری تھی کسی کوئی کام کرنے کو بھی نہیں کرتے تھے۔ کاتھ کاوت ترقی نہیں تھی اور کام ستر نہیں ہوتے تھے۔ اس کا جی چاہتا تھا سب کچھ پھوڑ پھوڑ کر کٹیں چلی جائے۔ کام کرنے کا خیال ہی اسے نہ تھی جیسے عذاب میں مبتلا کرنے لگا تھا۔ بچوں کے استغاثات بھی شروع ہوئے والے تھے اور وہ بچوں کو ذرا بھی تاثر نہیں دے پاتی تھی۔ یہ تو کوشش کر رہی تھی خود سے کمر واپار پھر زرخان پڑا تھا۔ اسکول سے پھر سس ٹیچر سینگ کا خوش بھی آیا ہوا تھا۔ اس کا جانے وہ نہیں تھا۔ دوسرے اس کے پاس ڈھنگ کا ایک جوتا بھی نہیں تھا۔ جو وہ بہن سراسول پائی۔ چھٹی بار بھی نامی نے اسے نوکا تھا کہ وہ ہر بار ایک ہی سوٹ پہن کر اسکول کیوں آتی ہے۔ سب کی ماما اتنے دھچکے اور فیشن میں کپڑے پہنتی ہیں۔ اس نے فوس بمشر کے آگے رکھا اور بتایا۔ اس بار وہ اسکول نہیں پائی کی۔ حسب عادت وہ سچ یا ہوا پھر چا گیا۔ واپس آیا تو جیسے مٹا رہا تھا۔ دانی پھر اس کی خوب دکھائی دی تھی۔ اس کی کھوپڑی پر ہاتھ نہیں لگے۔ کلاس میں ہر دوسری لڑکی سے اس کا بھڑکا چل رہا تھا۔ پھر کی پتھر پریشانی گراوی کسی کا جیچہ پکس چھپا دیا اور تو اسکول تک سے میں کی جگہ جوتے اور صبح کے رتن نکلتے ہیں۔ وہ اس سے اس کی "مصروفیت" پوچھ رہا تھا اور "ج" جاننے کے درجے تھا کہ وہ کیوں بچوں کی طرف سے اتنی لاپرواہ ہے۔ وہ چپ کی پائے کو بہت چھتہ چھتہ کر کے والا دارنگ کسی کے پاس نہیں تھا۔ اس کی خاموشی نے بمشر کے غصے کو مزید ہوا دی۔

"تمہیں کچھ خبر بھی ہے تمہاری اولاد کیا کرتی پھر رہی ہے کون سے کام میں تمہارے جو بچوں کی تربیت کے لیے وقت

نہیں تمہارے پاس تربیت..... لیکن تم کیسے کر سکتی ہو تربیت تمہاری تو خود کسی نے تربیت نہیں کی..... بھڑوں سرکوں پر بیٹے والیاں بیٹے نہیں اماں نے تمہیں میرے لیے باندھا کیوں شکل صورت عقل سے کیا تمہارے پاس؟ تمہاری کلاس کی لڑکیوں کو بس ایک ہی شوق ہوتا ہے کسی طرح امیر مرغا پھنس جائے اور وہ مہارائیاں بن کر زندگی گزاریں۔ ہونہذا است دی کر دھکائی تے پھرتا ان لوں پھٹے۔" وہ ساری ساری اس پر کمر رہا۔ وہ خاموشی سے بیٹکی یا کٹی پر سر جھکائے دونوں ہتھیلیاں پھیلائے بیٹھی رہی۔ بہت کچھ بولا تھا اس نے بہت کچھ سنا ہے اپنے نصیبوں کو کوسا۔ جو اس بھی عورت اس کے گلے پڑ گئی تھی۔ اپنی ماں پر فخر ہوا اس نے ایک غریب عورت کو اگر اس کے عالی نسب خون میں گندنا خون شامل کر دیا تھا۔ نجمہ کا وہ تو رخ رہا تھا۔ سن زہرہ وہ پوری جی کالی ایک بار پھر سے ہری ہو رہی تھی اور وہ مر جھانے لگی تھی۔

دن تو جیسے بیٹے بیت گیا۔ رات آتے ہی اس نے صبح کی بجی سے غزنی اس کے سپرد کی۔ یہ نہیں سارا دن یہ سب اندر کیسے رکھا تھا۔ وہ پلٹ رہا۔ یوتار بار پتہ نہیں داتا کیسے بول لیتا تھا۔

"بمشر میں اب کھک جاتی ہوں۔" مجھ سے اتنا کام نہیں ہوتا۔ کوئی ملازم رکھ لیں تو....." وہ جواب میں صرف اتنا بولی۔ ویراپ ہی ہو گیا۔

"ہیہا..... ملازم چاہے محترمہ کو میری ماں بو جھکتی ہے تجھے۔" ہاں اصل بات تو یہی ہے۔ اس کا ذہن کل پھر کل چکا تھا اور جلدی بند ہونے والا نہیں تھا وہ تکیہ اٹھا کر بچوں کے کمرے میں سلائے پر سو رہی تھی۔ اس کے آگے کوئی رات میں اٹھ کر سونے پر اعتراض تھا اور جو ساری رات ساتھ بڑے روٹی تھی اس کی سسکیاں بھی سننے کی دیں۔ بمشر بھی چپ نہ ہوا سی طرح بکارت جھٹکتا تھا۔ اس کی اولاد اماں کا گھر پر تھی۔

"کیوں دیکھی کر رہا ہے۔" جب سے عیاہ کرائی ایک دن کا سکون نصیب کس ہوا ہے۔ پتہ نہیں کون سا بڑا وقت تھا جو میں شامہ کی باتوں میں آ گئی۔ ڈھیر لگا تھا رشتوں کا اور.....

"تو کیا کیوں نہیں؟" وہ ان کے سامنے آنکھڑی ہرئی۔ ساجدہ نے ہکا بکا اسے دیکھا۔ وہ بول رہی تھی اور ان کے



مقابلہ کھڑی تھی۔

”بتائیے ہاں .... اسنے اچھے رشتے موجود تھے تو پھر کیوں چتا مجھے اپنے راجہ بننے کے لیے؟“ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ کل سے جتنی باتیں وہ بشری کی سن رہی تھی اس نے مجھ کا دماغ کھولا کر رکھ دیا تھا۔

”مست ماری تھی مہری .... ہائے .... دن بھی دیکھنا تھا۔ اے مکرم معظم ذرا بشر کو فوں کا بتا اسے اس کی بیوی پوچھ رہی ہے کہ ہم اسے کیوں بیاہ کر لائے۔ اسے مجھے اس جھوٹے دی سے نکال کر اس محل میں رکھا اور تو اپنی اوقات بھول گئی۔ تیرا قصور نہیں کھانے کو پختہ بھر اور پیش و آرام مل رہا ہے۔ ہاں اس لیے بیٹ بچے کو ہے تیرا راز ساجد بھی کہاں کم چھی ماں بیٹا جانے کسی کی تربیت کے لئے مارتا تھے۔“

”پھٹ جائے پھٹ دماغ کی پس پھٹ جائے جاے .... آپ لوگوں کی جان تو چھوٹے مجھ سے۔“ وہ بھی اونٹیا نہیں بولی تھی عادت نہیں تھی اسے لیکن حالات اور ان کے آجوں کا زہر اس کی دگ دگ میں پھیل گیا تھا۔ وہ باہر آئی اور گھنٹن میں رہی کرسی پر بیٹھ گئی۔ آج وہ کوئی کام کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ ذرا ان لوگوں کو پختہ چلے۔ آخر یہ مگر چل کس طرح رہا ہے۔ ساجد ہوئی رہی اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا بولنا چلائے برا گیا مگر وہ چپ ہی رہی پھر اس نے ماں کا غبر ملا یا اور پوچھنے لگی۔

”ایک بات بتانا ایک آدمی گھر میں جانور رکھتا ہے تو اسے کھا دیتا ہے خیال رکھتا ہے آتے جاتے پیار سے چھگی بھی دیتا ہے۔ تو ایک عورت جو سارا دن گھر کے کام کرنے شوہر اور ساس کی خدمت کرنے بچوں کو سنبھالنے شوہر کے بہن بھائیوں کا خیال رکھنے کیا اس کو پیار محبت کی ایک چھگی کی ضرورت نہیں ہوتی؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ شوہر بھی بھھار اس کو محض استعمال نہ کرنے صرف پیار کے دوپول بول دے۔ انسان نہیں تو جانور بھی ہے۔ اس کے اندر کی مخلوق ترننے لگی تھی۔ ماں زور سے ہنس دی۔

”جھگی نہ ہو تو انسان انسان ہوتا ہے جانور جانور۔“

”نہیں ماں .... انسان جانور سے بھی ٹھیکہ درجے پر ہوتا ہے۔ اگر اس کی زندگی کا اختیار کسی ایسے کے ہاتھ میں آ جائے جو اپنے اور خدا کے اختیارات میں فرق نہیں رکھتا۔“ اس کا لہجہ بے حد مٹا ہوا تھا۔

”کیوں ایسی باتیں کر رہی ہے آج؟“ ماں کو تشریحات ہوئی۔

”تو انہی جانوروں میں رہ رہ کر ذرا اندر کا انسان کچوکے لگا رہا تھا۔“ وہ ہنس دی۔ ان کی تشریحات کو نہیں ہوئی۔

”اس وقت اس طرح کی بات کیوں کرتی ہے۔ تو عورت سے تیرا فرض ہے شوہر ساس کی خدمت کرنا۔ بچے سنبھالنا تیرا کمر ہے وہ۔“ ماں بھانے کی خوف زدہ ہوئی تھی اپنی کی ایسی باتیں سن کر۔ ”غریبوں کو کب کر یہ دیتی ہے۔ یہی تشوہر والی باتیں۔ غریب اور جانور تو ایک برابر ہوتے ہیں۔“ اس نے ایک شہدی سانس لی اور بولی۔

”جس گھر میں تو نے پیدا ہاں مجھے اس کی جھڑپوں میں بدن اونچی اور اونچی ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ اس مجھے خوف آتے لگا ہے۔ ماں ان جھڑپوں میں گھس کر میرا دم نہ نکل جائے۔“ آواز دھندھکی۔

”پاکل نہ بن جو کس طرح کی باتیں کرنے لگی ہے تو؟ بشری بیوی ہے تو اور جو بھی تو کر رہی ہے سے تیرا فرض ہے۔“ بیوی کا دل نہیں ہوتا ماں؟ ”ایک اور کھانا سول کیا۔“

”نہیں ہوتا۔“ ماں نے بات ختم کی لیکن اس کے سوال تو شروع ہی اب ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگیں پر پھر سے لگائی۔

”بشریات کو گھر آیا تو ایک ڈوٹی ساتھ تھی۔ اٹھارہ اشیں کی ہوئی ناک میں تختی سر پر پہلے پھولوں والا جامنی دوپٹہ رنگ گورا اور نین نقش تھی۔ جس انداز سے بشری کو اندر لایا تجربہ کو کھنے میں در نہیں تھی۔ نیچے اترتے معظم نے پاس آ کر بغیر جائزہ لیا۔ پھر بھائی کی طرف منہ کر کے بولا۔

”دوسری دفعہ کی چول ہی ماری۔“ تجربہ پھر مٹی ہوئی۔

”کھانا بند کرو۔“ وہ ڈانٹتا بیڑہ کی طرف چلا گیا۔

ڈوٹی لٹک ٹٹک کر اس کے پیچھے ہی چل دی۔

پھر اسی رات اسے اور بچوں کو اوپر والے کمرے میں شہت ہوا۔ ان کی نے نہ پوچھا۔ وہ کس کو بھائی کا گھر اور کیوں؟ سب خاموشی میں ساری کی ساری تھی کہیں غائب ہو گئی تھی۔ سارا دن اس جھمک جھمک آگے پیچھے گزر جاتا۔ صبح وہ دروازے پر چھوڑنے آئی تو تک سک سے تیار شام کو بشری گھر آتا تو کمرے میں بند ہی ہاں بھائی کا عجیب طرح سے ہنسی تھی۔ سارے گھر میں ہر وقت قہقہے مچ رہے تھے۔ تجربہ اپنی ذات میں ڈوٹی ہو گئی۔ ماحول بدل گیا۔ گھر

سے تک تک جھک جھک ہی ختم ہوئی۔ ساجد کو ہائے ہائے چپ کی ہلکن مارے بند کے نیچے ہی کھسک چھپ گئی۔ اس کی مصروفیت میں ایک لخت کی واضح ہوئی تھی۔ وہ آرام سے سب کا ناشہ بنا کر کچن میں رکھی اور بچوں کو اسکول بھیجنے کے بعد خود اوپر آ جاتی۔ ڈوٹی اسے کھلونے کے ساتھ باتیں کرتی باہر نکلتی ناشہ کرتے ہوئے کھینچے چلتے بشری اس اور ڈوٹی ساس کے پاس بیٹھی اپنی دلیلوں کی داستانیں سنائے جاتی۔

شادیوں کے لیے بھی بھینٹوں کی لڑائیاں اور ساجد کا دل کرتا اس کی زبانی اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔ لیکن یہ تجربہ نہیں تھی، ”سنا“ تھی۔ بھینٹے بشری کو بازار سے کچر لایا تھا لیکن لا۔ تو بشری ہاتھ پاؤں اپنی پسینے سے لگے ہوئے کچر کو دیکھ کر سنا تھا۔ شادی کی تو کچر کا محل دیکھ کر سر پھٹ گیا۔

پھر پھر بشری نے گھر کو بازار جادیا۔ دو تو بچوں کی ہوئیں تو آرا بشری کو فوں گھنٹا یا۔ اور خوشگوار سے کال انیڈ ہوئی شادی شروع ہوئی۔ جوڑے میں آیا کھڈالا۔ بشری ناگہ برائیاں سننے لگی۔ بہن کو جواب نہیں دے سکتا تھا۔ خاموشی سے سب سنا اور شام کو گھر آ کر بات کرنے کا کھڈایا۔

”اوراں آپ نے کیسے خاموشی سے یہ سب برداشت کر لیا۔“ روئے ختمی ماں کی طرف ہو گیا۔ ”نچو غریب سہی عزت دار گھر سے تو تھی۔ پر یہ .... کیا اثر لے رہے ہیں۔ بچے اس کے کپڑوں پر نظر ڈالیں۔ اسنے چست کہاں تھی بشری غیرت اوپر سے ہر وقت میں پان فٹنوں کی طرح بات کرتی ہے۔ متفقہ اللہ بھول گیا گھر میں پچھان ہیں۔“ شادیہ کا تو غصہ ہی کم ہوئے میں نہیں آ رہا تھا۔ ”نکلتا“ کو بڑی تند کے جسے کی جھک لی تھی۔ سن تھی لی تھا سب اور اب جسے کے اظہار کے لیے کمرے میں بند تھی۔ تجربہ نے ہی اٹھانا چاہے دیا شادیہ کو۔

”سب اس کی کمزوری .... اسے دیکھتے ہی شادیہ نے سارا اصرار اس کے سر قہقہہ دینے اس سے نہ ہوسکا کچر ماری۔ تجربہ ہر کون نہ دے کی۔ اٹھائے لے یا حرافہ۔“ ماں سب قصور اس کے اس نے سوچا۔

”اے .... حرافہ کس کو بولا دے سنے۔“ چیز خیز پان دیالی وہ شادیہ کے در پر تھی۔ شادیہ نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ وہ کچھ اور قریب آ گئی۔

”میں کچ پوچھیاں باجی۔“ دونوں بازو کمر پر ٹکائے

بڑے تیز لے وہ بولی۔

”میں جتنیں جواب دینے کے باہر نہیں نکلوں یہاں سے یہ تجربے جا کر اس کا ٹھہ کے الو کو دکھا اور ....“ شادیہ کی بات انصوری ہو گئی۔ ”نکلتا نے آگے بڑھ کر شادیہ کے سر کے بال دونوں ہاتھوں میں پکڑنے لے زوردار طریقے سے جھٹکے دیے اور بعد میں کس کمرے پر پھینک دیا۔ شادیہ کو تو کچھ ہی شادی اس کے ساتھ ہوا گیا۔ نکلتا نے بہت غضبونی سے بال پکڑے ہوئے تھے۔ اسے جرات کے وہ ششدر تھی وہ کیا کوئی اور اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا تھا۔ اس نے اپنا آپ چھڑا چا کر اس کی موتی موتی ہاتھوں سے دوا پنا آپ چھڑا نہ کی۔

سب بچے شمول تجربہ شادیہ کی۔ ”دعوت بننے دیکھ کر کچر تھے۔ وہ نکلتا نہیں کسی جو بھاک جاتی۔ بھاک کسکی ہی نہیں تھی اس کے پیر وال میں بچوں کی زبیریں سنیں اور سب سے بڑی زنجیر کو وہ لگا لگی جو وہ شروع دن سے سننے لگی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ بشری یا بالی ہر والوں کی بات کو بچ بات کرے۔ مکرم اور معظم عہد ہوا دی چلے گئے تھے۔ وہیں شادیاں کر لی گئیں اور سکون میں تھے۔

بیشک کی طرح وہ اس رات بھی بہت جھکی ہوئی تھی۔ سب کو کھانا دے کر وہ بچن سمیت رہی تھی۔ بشری بھی تک کس آیا تھا۔ اب دل اس کی طرف سے واہوں میں نہیں گھرتا تھا۔ مگر دل کو نہیں بھکڑی تھی۔ اس نے سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ اس گھر سے عزت محبت اس کو مل سکتی تھی۔ کام ختم کرنے کے بعد اس نے وال کاک پر نظر ڈالی۔ ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔ وہ تھک چکی تھی اور سوئے چاہتی تھی۔ سو آ پ کے کمرے کی طرف آئی۔ وہ اپنی ہی سن تھی۔ سارے درازے بھٹک کر موتی تھیں۔

”بشری نہیں آیا ابھی؟“ اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

”نہیں وہی میں کھینچ آئی تھی میں اوپر جا رہی ہوں آپ سعد سے کہیے کہ کچر آئے تو کھیت کھل دے۔“ اس نے دروازے میں کمرے کھڑے بنا دیا بیان کیا۔ انہوں نے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

”رومنٹ دیک کر شوہر کا انتظار نہیں کر سکتیں تم“ کھانا کون دے گا اسے؟“

”وہ جب لیٹ آتے ہیں تو کھانا کھا مارتے ہیں۔ آپ بس سعد سے کہیے کہ کیت کھول دے۔“ وہ کہہ کر مڑی کہ



آپا کی آواز بھرے کانوں میں بڑی۔

”ایک کپ اسزنگ سی چائے کا بنا کر دیتا جاؤ سر بیٹھ رہا ہے۔“ وہ جب چائے مگن میں آگئی۔ چائے کا پانی ابھی رکھا تھا کہ ڈور بیل بج اٹھی۔ وہ آج آہستہ کرتی باہر آئی۔ تو سعد گیت کی طرف جا رہا تھا۔ وہ وہیں رک گئی۔ بشر اندر آیا تو اس کے چہرے سے لگ رہا تھا تو آج کچھ زیادہ ہی ٹھیک نہیں۔ کسا ہوگا کنگنا کے جیسے شادی ہوں گی اس کے۔ کنگنا واپس اس گھر میں نہیں آئی تھی لیکن بشر نے اس کا بیچا نہیں چھوڑا تھا۔ اس سے ابھی تک ملنے جاتا تھا اس کو خرچہ دیتا تھا۔ کافی عرصے بعد وہ اسے دوبارہ مل بھی تو گئی تھی۔ چائے آ پاؤں تھا کہ وہ جیسے ہی عین چائے میں بشر بھی پک کر بیچھے آ گیا۔ آج آخر نہیں اس نے سوچا اور خود کو قہری صدر پر تیار کرنے لگی اور پتا کر اس نے خود کو خود کو مصروف ظاہر کیا۔ وہ بشر کے بھٹ بڑنے کی منتظر تھی۔

”روا کہاں تھی شام میں؟“ اس نے پوچھا۔ ذرا پرے پنک بلیئر پر لیٹی تانبہ اور دادوئوں نے کان کھڑے کیے۔ ردا کا دل بھی دھڑک اٹھ تھا۔

”روا سے ہی پوچھ لو۔“ اس نے الہادی کے اندر منہ مسمیو دے کہا۔ بشر نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کیا۔

”تم ہاں ہو اس کی سارا دن تمہاری نظروں کے سامنے ہوتی ہیں اور ہمیں نہیں پتا کہاں تھی وہ؟“ وہ غرایا۔

”روا میرے کہنے میں نہیں بلکہ روا کیا آپ کی ساری اولاد میرے کہنے میں نہیں۔“ اس نے ایک نظر ان دونوں پر ڈال کر کہا۔

”تو کس کا قصور ہے؟“ وہ پوچھا۔

”میرا نہیں۔“ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

”تو پھر کیا میرا ہے؟ میں ہوتا ہوں سارا دن؟ تربیت کرنا ماں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ تمہارا فرض ہے تم ان پر نظر رکھو۔“ ”رکھتی ہوں نظر مگر وہ کہتی ہیں جب انہیں دعا باپ کچھ نہیں کہت تو آپ کیوں منع کرتی ہیں۔“ اتنا ضمیر اڑا تھا اس کے لیے میں۔

”تو یہ زبان چلاتا کس نے سکھا یا انہیں بڑے چھونے کی تمیز نہیں انہیں۔“ اس سے بھی لگتا ہے کہ یہ اچھے خاندان سے لی لوگ کرتی ہیں۔“

”تربیت صرف ماں کا ہی تو فرض نہیں بچے اپنے ماحول سے زیادہ سیکھتے ہیں بشر اور ان بچوں نے آج تک جو کچھ گھر میں دیکھا ہے وہی تو اپنا ہے۔ دیکھو تو! بالکل تمہارے خاندان کے نکتے ہیں۔ اسی طرح کسی کا احوال نہ رکھتے والے۔ بات بات پر لڑنے جھگڑنے والے ہر ایک کو بے عزت کرنے والے۔ میں نے تو آج تک ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں بچے خاندان سے بھی گریزیں ماں نے مجھے عزت کرنا سکھایا تو میرے باپ نے مجھے اتار دیا۔ اگر میں نے کچھ غلط کیا اور میری ماں نے مجھے ڈانٹا تو میرے باپ نے بھی میری سائیڈ نہیں لی۔ ہمیشہ سکھایا اور بتایا کہ اگر ڈانٹ پڑی ہے تو میں نے ہی کچھ غلط کیا ہوگا۔ ماں کی تربیت بھی بڑا اثر ہوتی ہے بشر جب آپ پر راسخ ہو گئے۔ یہ نہیں کہ ماں اچھا براتا رہی ہو اور باپ بچوں کے سامنے ہی ماں کو چھڑا دے۔ اس کا مذاق اڑائے اسے بے عزت کرے۔“

”ابو۔“ تو اب تم اپنے گناہ ہمارے سر تھوپنا چاہتی ہو؟“ وہ استہزا سے بولا۔

”ہر ایک کو اپنے اپنے گناہ کا بوجھ خود ہی دھونا ہوتا ہے۔ بشر صاحب چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اللہ سارے حساب رکھتا ہے۔ اگر ہمیں وہ بساط سے بڑھ کر دکھائیں دیتا تو یہ بھی کبھی نہیں ہوا کہ ہم مسلسل اس کی مخلوق کا دل دکھائیں اور وہ ہمیشہ ہم پر عین حق کی بارش رکھے۔ وہ دہری دراز کرتا ہے تو کھینچنے کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔ جب چاہے کھینچ لے اور منہ کے گلے مرادے۔“

”بڑے مروڑ اٹھ رہے ہیں پیٹ میں! بہت باتیں آئیں مجھے اب ذاتی ذہیت کی ہوتی ہے میرے لیے۔“ کچھ پندرہ سال سے۔ چھ کر دھڑ ستانی ہے مجھے کم ظرف۔“ بشر نے آگے بڑھ کر فجر کی چوٹی ہاتھوں میں پکڑتے جھٹکا دیا تھا تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”جائے کس گناہ کی سزا ہو تم؟“ اس نے جھٹک دے کر چھوڑا لیکن دل تو جیسے جھٹکا کھا کر جاگ اٹھا تھا۔

”میں بھی یہی پوچھتی ہوں کس گناہ کی سزا ہیں آپ۔“ کچھ نہ کچھ تو جواب ہوگا آپ کے پاس بھی۔“ وہ دوبارہ بولی اب کہ بشر کو ٹھکانا پڑا آج وہ جھڑپیں بھی۔ یہ کوئی اور جھڑپی۔ اس نے کس کی آواز نہیں لگائی تھی۔ اور یہ جھڑپیں لے کر اس کے

پاس سے کھڑی تھی۔ اس سے سوال کر رہی تھی جواب مانگ رہی تھی۔

”میں۔۔۔ ذات دی کوڑھ کر لی نے جھڑپیں انہوں نے مجھے۔“ اس نے کہا۔ رہے ہیں ماں آپ کئی سالوں سے مجھے؟“ اس نے ان کی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ”میں مکی گندی کر رہی۔“ میں تو غریب تھی ماں آپ نے کیوں چنا مجھے آپ تو مجھے خاندان سے تھے۔“

”کیا کھانا کر رہی ہو۔ میں نے صرف یہ پوچھا کہ کبھی بھی شام کو؟ اور انہیں پتا تو میں بتاتا ہوں۔ یہ شام کو ایک گروپ کے ساتھ شیشہ پینے کی ہوتی تھی۔ کیا سر ہے اس کی تیرہ سال اور اس عمر میں۔“ وہ نے فوراً سر پر خوف مان لیا۔ اس کا رونا کھل گیا تو کس کے سامنے۔ مجھ نے ٹھہرے بالوں کو سینا۔

”میں نے جب بھی آپ کو بچوں کے متعلق کچھ بتانا چاہا آپ نے نہیں سنا۔ اتنا آپ نے مجھے بچوں کے سامنے ڈانٹ کر رکھ دیا۔ وہ شیشہ پینے جاتی ہے۔ بڑی ہیٹ کینے جاتی ہے۔ سسٹیلوں کے ساتھ کھینچو نلڈ۔“ بھی کے الفیہ سی۔۔۔ میں انہیں روک ہی نہیں سکتی۔ ان کے باپ کا پیسہ ہے وہ جہاں چاہے اڑائیں! میں کون ہوتی ہوں انہیں روک کتے والی۔ بچپن سے دھمکتی آ رہی ہیں وہ اس گھر میں میری حیثیت۔۔۔“

”اوہ میرے خدایا۔“ وہ پوچھا۔ ”اللہ کے لیے بس کرو بند کرو اپنی کواں۔ میری حیثیت میری حیثیت۔“ اس نے منہ کا ڈر لٹل اتار دیا۔ ”کسا ہے تمہاری حیثیت؟ کیا ہے تمہاری اوقات۔“ ہم بھول رہی ہو کس سے قاطع ہونا ان کاٹ کر رکھ دوں گا تمہاری۔“ بشر کو لگا کوڑھ کر لی چھٹ سے چلا گیا لگا کر اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی ہو اور اسے کانٹے کو پر تول رہی ہو وہ نہ سکون رہی۔

”آپ نے ساری عمر مجھے یہی سنا یا بشر! کس گناہ کی سزا ہو کس گناہ کی سزا ہو؟ غور کریں تو آپ جان جائیں گے۔ ہر ایک کو اللہ اس کی حیثیت کا مٹا ہے۔ بشر صاحب کچھ نہ کچھ تو آپ سے مراد وہاں کہ میں آپ کی قسمت میں نہیں گئی آپ کو تو اچھی عورت بھی ملی تھی مرے والی اٹلینس والی آپ کی ہم بلڈ کیوں ٹھوکر ماری آپ نے؟ کیوں ایسا گناہ کیا آپ نے کہ آپ کو میرے ساتھ زندگی گزارنی پڑی؟ میں بھی

یہی سوچنے لگی ہوں اب کہ مجھ سے ایسا کیا گناہ ہوا تھا بشر جو مجھے آپ نے؟“ بشر کو کزنٹ لگا۔ مر دی انا کو مجھ سے کچھ تھی۔

”دفع ہو یہاں سے تمہارا دام الٹ گیا ہے۔ جو کبھی کبھی باتیں کر رہی ہو۔“ اب کہ وہ حلال میں آیا۔ وہ اس کے سامنے کھڑی مسلسل اس کی بے عزتی کر رہی تھی اور وہ سن رہا تھا۔

”مجھ سے دی۔“ کبھی بار تو اس نے ہمت جمع کی تھی اس بچہ (بشر) کو بھاڑا لینے کی۔

”میں کوڑھ کر لی ہی تھی بشر! تب ہی تو چھٹ سے چوکی رہی! سب کچھ برداشت کیا۔ جوتے پھڑ پھڑاؤ اور تھلے درجہ کو مار ڈالنے والے طعنے۔“ مرے عورتیں اگر کوڑھ کر لیاں نہ نہیں ہاں بشر تو آپ جیسے مردوں کے ساتھ کون سزا کرے؟ کسی کی عورت کو اوٹنے جھڑپیں نہیں چاہیں۔ ہماری ماں کی ہماری تربیت کر کے بیٹھتی ہیں! ہمیں سارے گن سکھاتی ہیں۔ خدمت محبت وفا۔ یہ تینوں چیزیں ہمیں ملتی ہیں۔ بشر صاحب۔۔۔ اور سزا کو لی ایک کین کاٹا دونوں کا سنتے ہیں بشر! آپ ہی اکیلے نہیں ہیں! میں بھی سزا کاٹ رہی ہوں۔ میرے گناہ آپ سے زیادہ ہیں شاید اس لیے میرے مقدور میں سزا بھی بڑی بھی گئی ہے آپ کی صورت بھی نہ تم ہونے والی۔ وہ بات مکمل کر کے میز چھین کی طرف بڑھاتی۔ سٹین زورہ جو دھنچنے لگا تھا اور اس میں درازیں ابھرا آئی تھیں۔ ہمیشہ روتا رہنے والا دل آج چب تھا۔ ”طعنہ تھا اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ مگر جاتی تھی کوڑھ کر لی نے اپنا ہر بھڑپہ پر بیخ کر اسے بھی نل دیکھ کر دیا تھا۔





# تیری آنکھ کے شہساز کی تکی

استراغیر احمد

میں	نے	چاہا	میں	کچھ	پیش	کروں
جس	میں	احساس	سب	رنگ	روشن	روشن
جس	میں	آنکھوں	کے	تراشے	ہوئے	موتی
جس	میں	شائیں	میرے	قلب	کی	سبز کن



## گزشتہ قسط کا خلاصہ

زید سودہ کے ہمراہ ڈر صاحب سے ملنے کی غرض سے آتا ہے وہیں صالحہ بیگم اور مدثر ان دونوں کو دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھتے ہیں۔ باپ کے بے یقین انداز پر زید کو بے حد شرمندگی محسوس ہوتی ہے کہ وہ اتنا عرصہ اپنے پر خلوص رشتوں سے محروم رہا۔ شاید زید بھی زید کے خوشگوار اثرا ت دیکھ کر سودہ کے حوالے سے بات کرتا ہے لیکن زید ماں کے خلاف جا کر یہ رشتہ نہیں بنا چاہتا اس لیے کھلم کھلا کر دیتا ہے۔ مائدہ اور عمر اندر ضوانہ کے گھر سے جھگڑے کے بعد چپ چاپ لوٹ جاتی ہیں، ایسے میں عمر اپنی بہن کو بھانپنے کی کوشش کرتی ان کو بتانے کی بات کرتی ہے۔ رضوانہ کو بھی عمر کی بات پسند آتی ہے چنانچہ ایسی اہم عمر کے سامنے عمر کی جذباتی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے مائدہ کو نظر انداز کرنے کا کہتی ہے۔ لیکن عمر اندر عروہ کی سچ باتوں کو بھلائے بہا مادہ نہیں ہوتی اور بہن سے خفا ہو کر گھر لوٹ آتی ہے۔ زید گھر پہنچتا ہے تو عمر اندر سے ملاقات نہیں ہو پالی ایسے میں مائدہ بھی زید سے تمام باتیں چھپا جاتی ہے۔ دوسری طرف زید بھی انہیں یہ حقیقت نہیں بتا پاتا کہ وہ مدثر صاحب اور صالحہ بیگم سے تعلقات بحال کر چکا ہے۔ سب گھر والے بھی زید کے فیصلے سے بے حد خوش نظر آتے ہیں لیکن ان کی ماں کے رویے کو لے کر وہ خدشات میں گھر جاتا ہے۔ پوسٹ نوٹس سے محبت کے دعویٰ دار تو ٹھہرتے ہیں لیکن اولاد کی بابت جان کر وہی رویہ اپناتے ہیں جس کا خوف جہاں آرا کو پہلے سے ہوتا ہے۔ ایسے میں وہ نوین کو دھمکا تے اور ہمیشہ کے لیے یہاں سے جانے کا کہتے ہیں لیکن نوین اس بات پر آمادہ نہیں ہوتی چب ہی پوسٹ دولت کے نشے میں چور انہیں راستے سے ہٹا دیتے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ سامعہ لاریب کی مشکوک سرگرمیوں پر خائف نظر آتی ہیں اور لاریب سے پوچھ چکھ کرتی ہیں تو لاریب ان کے سامنے نہایت بدتمیزی سے پیش آتا ہے جس پر وہ اس کی پاکست مٹی بند کرنے کا کہتی اسے مزید پیش میں جتنا کر دیتی ہیں۔ نفل انشراح کے رویے پر بے حد خائف ہوتا ہے اسے انشراح کے اس رویہ کی وجہ سمجھ نہیں آتی چب ہی وہ ہار اور عاکفہ سے بھی ذکر کرتا ہے۔ ایسے میں عاکفہ انشراح کو سمجھاتی اسے معافی مانگنے پر مجبور کرتی ہے۔ انشراح بھی اتنی جلدی ۱۱ ماہ معاملے کو ختم نہیں کرنا چاہتی جب ہی پلاٹن کے مطابق اپنے دوسرے پر شرمندگی کا اظہار کرتے نفل سے دوستی کر لیتی ہے۔ ساری نفل اور انشراح کی باتیں سن کر مشتعل ہو جاتی ہے اور نفل کے کردار کو مشکوک بناتی ہے۔

## اب آگے پڑھیے

ساریہ کی آمد سے وہ بے خبر تھا اب اچانک اس کی اتاری اور اس پر ایک شرمناک الزام کا حملہ اس نے موبائل نہیں پر رکھا اور اٹھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔  
 ”یہ تم کیا کر رہی ہو؟“ وہ چٹکی تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا اس سے بھی زیادہ پھرتی سے اس نے ساریہ کے ہاتھوں کو جھکا تھا جن سے وہ کہنے سے بھاڑنا چاہتی تھی اس جھکے سے وہ کار پ پر گر پڑی تھی۔  
 ”وہاں درست نہیں ہے تمہارا تم ہوتی کون؟“ وہ چب کر میری باتیں سننے والی؟  
 ”وہاں درست نہیں ہے تب ہی تو آپ سے پیار کر رہی ہوں اور آپ تو پیچھے رہ گئے ایک طرف بے زاری دستک دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور دوسری طرف کسی لڑکی سے غصہ نہیں کر باتیں کرتے ہیں۔“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔  
 وہ غصے میں کہہ رہی تھی نفل سینے پر بازو باندھے اطمینان سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کی تازہ حرکت پر غصہ اشتعال ہو کر آتا تھا مگر سچے بھر میں اس نے اپنے غصے پر قابو پالیا تھا۔  
 ”آپ کیا سمجھتے ہیں؟“ نفل اور باقی لوگوں کو آپ نے بے وقوف بنایا ہوا ہے یہ کہہ کر کھپ کھپ کھپ کیوں میں کوئی



انگڑست نہیں! آپ کبھی شادی نہیں کریں گے وغیرہ وغیرہ..... لیکن آپ مجھے بدھ نہیں بنا سکتے! میں نے آپ کی چوری پکڑ لی ہے۔“ اس کی خاموشی اسے شیر کھڑکی تھی وہ بے خوف و خطر بول رہی تھی۔  
”تم نے میری چوری پکڑ لی کیا کر لو گی تم میرا؟“

”میں..... میں سب کچھ کر لوں گی! آپ کی اہمیت کہ کس طرح سے آپ لوگوں کو بے خوف بناتے ہیں باہر گزارے اخیر زکرتے ہیں اور گھر میں ڈھونڈ کر لے کر آتی ہیں پادریوں کا گویا آپ کو کسی کی ضرورت ہی نہیں۔“ نونل کی سنجیدگی و سہاگت انداز لہجہ بھر میں اس کی بے خوفی ہوا کرتے نکات۔

”آف کورس..... تم جیسی گھٹیا لڑکیوں کی پرچھائی سے مجھے کراہت کافی ہے تم نے چند لمحوں قبل جو گھٹیا حرکت کرنے کی کوشش کی ہے مجھے رسوا کرنے کی..... تمہاری اس ذلیل حرکت سے معلوم ہو گیا ہے کہ تم اسی گھمنڈی و بے حیا عورت کا خون ہو..... جو بدستوری سے میری ماں تھی۔“ اس بار اس کے لہجے میں بادلوں کی گھن گرج تھی۔ سارپیاں کی سرخ آنکھیں اور بھڑکتی ہوئی آواز سن کر اپنی ساری تیزی و طراری بھول کر کہیں۔

”اب تمہاری غیریت اسی میں ہی ہے کہ جتنا بھی جلد ممکن ہو یہاں سے دفع ہو جاؤ میں تمہارے گھٹیا وجود قطعی برداشت نہیں کر سکتا۔“ بڑے تھرتھارے لہجے میں تجویز کی۔  
”پلیز..... نونل.....“

”شٹ اپ..... منہ بند کرو۔“ وہ بات قطع کر کے دھاڑا۔  
”میں سب برداشت کر سکتی ہوں مگر یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ..... آپ کسی دوسری لڑکی کو چاہیں کسی اور لڑکی کا نام آپ کے ساتھ لگے۔“ اسے لگا وہ اسے کھونے لگی ہے اور یہ کھونے کا ہی دروختا کہ وہ خوف و دہشت کو بوس پشت ڈال کر روتے ہوئے کہنے لگی۔

”جی فلیٹینڈ میری تمہارے لیے ہیں میں یہ کبھی نہیں برداشت کروں گا کہ تم مجھے چاہو تمہارا نام میرے نام کے ساتھ جڑے نو نور.....“ وہ بوسا بل اٹھا کر وہاں سے چلا گیا۔



”اماں..... اماں..... کیا دیکھ رہی ہو کیا ہے وہاں؟“ نور نے ماں کو حیرت و خوف سے باہر دیکھتے ہوئے دیکھا تو اس کے قریب پہنچ کر ہر کھڑکی کے پار دیکھا اور وہاں کا منظر دیکھ کر وہ کبھی خوف و دہشت سے متوجش ہوئی تھی۔ اس کی پیاس اڑ گئی تھی۔ اماں کے غمگیں جیسے میں ایک ادھیر عمر کا آدمی کیا اس سے زمین خورد ہو گیا وہ زمین جاسی گہرائی و پچرائی میں خود ہی جاری تھی ساتھ ہی یوسف کھڑا معانہ کرنے کے ساتھ کچھ بدیت بھی دے رہا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر سناکی و بربریت چھائی ہوئی تھی۔

”اماں..... وہ دلازم زمین کیوں سکود رہا ہے؟“ وہ کھڑکی سے دور ہوئی اور جہاں آ رہا تھا پکڑ کر خوف زدہ لہجے میں گویا ہوئی تھی۔  
”وہ ہماری قبر کھود رہا ہے۔“

”اوہ ہو..... نہیں نہیں نہیں میں مرنا نہیں چاہتی..... میں مرنا نہیں چاہتی۔“ موت کا خوف اسے ہراساں کر گیا تھا۔  
”مجھے کیا کہہ رہی ہو..... اپنی موت کا سامان تم نے خود کیا ہے سنا سمجھا یا تھا اس کی باتوں میں نہیں آتا ان مردوں اور سانپ کی ذات ایک ہی ہوتی ہے سانپ کو کتنا بھی اودھ پلاؤ وہ اپنا نہیں ہوتا موقع پاتے ہی اس لیتا ہے اور مرد بھی ایسی فطرت دکھاتا ہے۔“

”کچھ لوگ میرے جیسے بھی ہوتے ہیں جو کھو کر کھا کر نہیں سنبھلتے بلکہ گر کر رہی سنبھلتے ہیں۔ لیکن اب ہو گا کیا وہ درندہ ہمیں مارنے کے درپے ہے کسی صورت معاف کرنے والا نہیں ہے۔“

”میں کتنی ہوں اس کی بات مان لیتے ہیں پھوڑ دیتے ہیں یہ سر زمین اور کسی ایسی جگہ چاہتے ہیں جہاں ہمیں کوئی جاننے پہنچنے والا نہ ہو۔“ مایوسی کے گھپ اندھیرے میں انہیں ایک سبکی کران دکھائی دے رہی تھی۔

”کیا کسی جنگی دیرانے میں چلی جاؤں؟ کس طرح زندگی گزار سکتے ہیں ہم سب سے دور ہو کر غاروں والی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

”غار ہو یا حیران زندگی تو ہوگی.....“

”نہیں..... وہ زندگی موت سے بھی زیادہ اذیت ناک ہوگی۔“ نور کو کسی پل چٹین نہیں آ رہا تھا بہت عجیب حالت ہو رہی تھی۔

”تم مجھے جاؤ سکون کا سانس لو۔“

”سکون کا سانس کس طرح آئے گا اماں! موت پر کھڑی ہے اور تم سکون کا سانس لینے کی بات کر رہی ہو یہاں میری جان پر کتنی دہی ہے۔“

”جان تو نہیں دینی ہوئی اس جان پر ایک اور جان کا بوجھ لے کر مری رہی ہو یہ بہت ظلم ہے تم پر جو میں برداشت نہیں کر سکتا۔“ اسی لمحے یوسف دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے استہزائیہ انداز میں بولا۔

”آپ جو چاہتے ہیں وہ ہم کرنے کے لیے تیار ہیں یوسف صاحب! ہم یہاں سے ہمیشہ کے لیے جانے کو تیار ہیں۔“ اس آپ ہمیں جاننے کی اجازت دیں۔“ جہاں آ رہا تھا جوڑ کر لیا جات بھرے لہجے میں گڑ گڑانے لگی تھیں۔

”معذرت خواہ ہوں اب میرا دروازہ بدل گیا ہے میں آپ کو جاننے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔“ اس کے لہجے میں ذرا بھی چٹک نہ تھی۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟ ہم یہ ملک چھوڑ کر جانا چاہ رہے ہیں اور آپ.....“

”میں نے کہا تھا اب میرا دروازہ بدل گیا ہے۔ میں تم لوگوں کی اہمیت جان گیا ہوں آج یہاں سے چلی جاؤ گی اور کچھ عرصے بعد پھر پور طریقے سے جیک میل کرو گی! تم لوگوں کو باہر نہیں اوپر جانا ہو گا اوپر۔“



”میری بات درست تھی آپ تو میں اسی غلطی بات لے کر آ جاؤں گا میں سو فیصدی پر اعتبار نہیں کر سکتا! اتنے پڑ پٹنے کے بعد انہوں نے حالی بھری تھی جس پر وہ اب پھر ڈانٹاؤں ہو رہی ہیں۔“ پیارے میاں دُش پرندے کی مانند پھر پھڑ پھڑا رہے تھے۔

”ہوں..... درست سے تمہاری بات اس معاملے کا حل دینا فضول ہی ہے اس نکتے پر کام ہو جانا ہی چاہیے۔“

”بالکل درست ہے پھر آپ بدصفا مندر میں کے کہانی جان لو۔“

”تم نے کیا ہے ماں! ہمیں چاہیے؟“

”میں وعدہ کرتا ہوں..... بلکہ قسم کھاتا ہوں کہ سوہ کو دینی لے کر نہیں جاؤں گا! اپنے ملک اور اپنے شہر میں ہی کام کروں گا۔“

”میں بھی پھو کو بھاننے کی مکمل کوشش کروں گا.....“

”کوشش نہیں..... کوشش نہیں آپ وعدہ کریں کہ ساری کو ضرور منائیں گے؟ کیونکہ ایک آپ ہی ہیں جن پر مجھے پورا



اعتبار ہے بھروسہ کرتا ہوں آپ پاپ میں پھونسی ہے کہ جو کرنا چاہیں وہ کر سکتے ہیں۔“

”ہونہ۔۔۔ کتنا قابل ہوں میں۔۔۔ جو شخص اپنی پہلی اور آخری تنہا اپنا دل اور اپنی محبت اور محبت بھی وہ جس سے میں اور میرا دل واقف ہے۔۔۔ تمہیں سوچ رہا ہوں۔۔۔ اگر مجھ میں اتنی ہی قابلیت ہوتی تو سوودہ۔۔۔ سوودہ زید کہلاتی پھر تمہاری پرچھا کیوں بھی اسے چھوڑ نہیں سکتی تھی۔“ تاسف زدہ سوچیں دماغ میں گروش کرنے لگیں۔

”زید بھائی۔۔۔ کہاں کھو گئے آپ؟ میری بات آپ سن نہیں رہے ہیں۔“ وہ اسے ایک دم سے صدمہ کچھ کر بقراری سے بولا۔

”میں سن بھی رہا ہوں اور کچھ بھی رہا ہوں تم اب حوصلہ کرو میں آفس سے جا کر پہلے پھر دو جاں سے ہی بات کروں گا۔“

”صرف بات ہی نہیں ممانی جان کو راضی بھی کرنا ہے۔“ حسب عادت بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”آئی تو آئی تو ان سے صرف بات ہی نہیں کرنی انہیں راضی بھی کرنا ہے۔“ ایک تکلیف دہ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوئی۔

”سواری آپ بھی کیا سوچ رہے ہوں گے میں کیسا آدمی ہوں بار بار آپ کو پریشان کرنے آ جاتا ہوں دراصل ممانی سے خاصی کبیدہ نہیں۔ وہ سوودہ کو بہو بنانے کو تیار نہیں اور اتفاق سے چندا کے کل فون میں میں نے سوودہ کی کئی تصویریں دیکھی تھیں اور۔۔۔ تب ہی دل نے فیصلہ کر لیا تھا ممانی، یہ فقط سوودہ ہی بنے گی۔“ وہ اپنی داستان اسے سنارہا تھا اور وہ سننے پر مجبور تھا۔

”ممانی کو جس طرح راضی کیا وہ بہت سخت مرحلہ تھا اور جب ممانی ہوئیں تو اب کہتی ہیں دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے مگر میری یہ سوودہ ہی بنے گی۔“

”کیا لوگے کیا آؤ کرکوں؟“ خاطر دہدات کے بہانے ہی ٹاپک بدلنا چاہا وگرنہ سوودہ۔۔۔ سوودہ کی گردان اس کے حوصلوں کو ریزہ ریزہ کرنے لگی تھی اس کی بات پر پیارے میاں معذرت کرتے ہوئے ایک بار پھر اسی ہفتے بارات لانے کا یقین دلاتا چلا گیا تھا۔

”محبت روح کا عذاب ہے میں پل زندگی کا تادان ادا کرتا ہوں یہاں۔“ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کرسی کی بیک سے ٹیک لگائی۔ رات بھی سکون کی نیند نہیں آئی تھی اب ذہنی تناؤ کے باعث انہیں خود بخود بند ہونے لگیں۔

دیکھ کر کہیں اور تیرے پیار کی برسات  
خٹک سالی سی اتر آئی ہے دل کی زمین پر

جب سے فونل کو فون پر بات کرتے سنا تھا اور جواب اس کے سوال کرنے پر جس طرح اس نے اسے لفظوں کی بارش کی تھی نفرت کی آگ سے جھلسا تھا وہ سب اسے تکلیف دانت میں چٹا کر لیا تھا وہ ساری رات وہ دو کرب میں چٹا رہی تھی بار بار یاد رہا تھا وہ کسی لڑکی سے کس طرح خوش حواشی و شوخی سے بات کر رہا تھا۔۔۔ اس نے کبھی اسے اپنے ریلیکس انداز میں بات کرتے نہ سنا تھا وہ ہمیشہ بدحوالی کی حد تک سنجیدہ و خاموش رہتا تھا۔ کم از کم اس نے بھی اسے مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ رات اس کی باتوں۔۔۔ بلکہ طعنوں پر وہ کہہ بند کر کے بیٹھ کر تھی صبح تا شام اور لچ بھی اپنے کمرے میں ہی کیا تھا اور اس کی اس غیر حاضری پر زور کا مجسمہ کو تشویش ہوئی تھی جب وہ شام کی چائے پر بھی کمرے سے نہ نکلی تو وہ اس کے کمرے میں چلا آئیں۔

”سارہ یہ بنا۔۔۔ کیا بات ہے آج سارا دن روم سے باہر نہیں آئیں؟ طبیعت ٹھیک ہے؟“ وہ شفقت سے کہتی ہوئیں اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ سارہ نے غصے سے دوسری طرف چہرہ موڑ لیا۔

”کیا ہوا بات کیوں نہیں کر رہی ہیں آپ؟ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے۔ لیکن یہاں کسی کی ایسی جرأت نہیں جو آپ کو کہنا تو درکنار گناہا کر دیکھے بھی سکے۔“ فونل اور اس کے بیٹن ہونے والے تنازعے سے بے خبر وہ اس کی سر دھری دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

”کسی کی جرأت کتنا ہے آپ کے ایک لاڈلے کی جرأت ہی کافی ہوتی ہے۔ وہ جوں چاہے کر سکتے ہیں نہ انہیں زور ہے کسی کا نہ خوف۔“ فونل کے شخص ہمدہی ہیں؟“ وہ متحیر ہوئیں۔

”جی۔۔۔ ان کے علاوہ بھی کوئی لاڈلہ ہے آپ کا۔۔۔ انہیں ہی آپ نے اتنا سرچڑھا رکھا ہے کہ باقی سب انہیں گریے پر دکھائی دیتے ہیں نہ کسی کو عزت دیتے ہیں۔“ فونل نے جواں کے کردار کے حوالے سے اسے ہفتے دئے تھے وہ کسی شہر کی طرح اسے کھال کر گئے تھے وہ اب کسی حال و صورت کے رد قاعے گفتگو کر رہی تھی حالانکہ وہ ہر اس راہ طرہ سے قصور میں۔

”اب جب تک آپ مجھے ساری بات نہیں بتائیں گی تو مجھے کس طرح معلوم ہوگا کہ آپ کے اور فونل کے درمیان کیا بات ہوئی ہے؟“ اس کی لڑوئی پہلی باتوں پر بھی ان کی پریشانی مسکان مہندہ ہوتی تھی۔

”چوری چوری ہے میں نے ان کی جوا آپ تو بھی پکڑ ہی نہ سکیں۔“ وہ جتانے والے انداز میں انکشاف کرتی ہوئی بولی۔

”چوری۔۔۔ ایسی چوری پکڑی ہے؟“ وہ سخت متعجب ہوئیں۔

”کسی لڑکی سے فونل کے فونل فون پر بات کر رہے تھے اور۔۔۔“

”یہ چوری نہیں ہوئی وہ تو عموماً پڑھائی کے حوالے سے کلاس فیلو یا اساتذہ سے بات کرتا رہتا ہے آپ نے شاید پہلی بار سنا ہے فونل کو کسی سے بات کرتے ہوئے۔“ ان کے لہجے میں جانا کا اعتماد تھا اور یہ اعتماد سارہ کے گھڑ گئے ذہن کو مزید بھڑکانے لگا تھا۔

”میں تو آپ کی بھول سے نئی وہ آپ لوگوں کے اعتماد کو بھی میں رول رہے ہیں آپ کی نظروں میں معصوم بننے کا دھوکہ دیتے ہیں۔“

”کیا ہوا ہے سارہ آپ کی غلط فہمی کا شکار لگ رہی ہیں۔ میں نے کہا میں فونل کا لڑکرتا ہے اور کا لڑاؤ تو بھی ہیں۔“ اس کے انداز و لہجہ میں کچھ ایسا تھا کہ انہیں سنجیدہ ہونا پڑا۔

”مان گئی بہت انویسٹ ہیں آپ اور وہ آپ کی اسی معصومیت کا فائدہ اٹھا رہے ہیں نہ ہر لڑکیوں سے نفرت کرتے ہیں اور کمر میں ظاہر کرتے ہیں انہیں لڑکیوں سے نفرت ہے اور نفرت اس لیے ہے کہ ان کی ماں بدعقل عورت تھی اسی حوالے سے وہ مختلف مخالف کو بدعقل سمجھتے ہیں۔“

”راضی ہو کر کھین گیا ہے میں نہیں چاہتی اسے کرید کر دی ہوئی چنگاری کو ہوا دی جائے کیونکہ چنگاری کب شعلوں کا روپ دھارے پتہ نہیں چلتا آپ بھی آئندہ بھی اس موضوع پر بات نہیں کریں گی۔“ وہ خاصی سنجیدگی سے اسے تنبیہ کرنے لگیں۔

”مجھے بھی شوق نہیں رہا اس ٹاپک پر بات کرنے کا ہمارے گھر میں شہوانہ نئی کا نام لیتا بھی کوئی پسند نہیں کرتا لیکن



بڑے مشکل مراحل میں وہ کامیابی سے مقابل کو جیل دے کر نکل چلا کرتی تھی مگر یہاں بے خبری میں ماری گئی تھی اور راستے کی سب سے بڑی دکانوں پر وہ اور اس کا بچہ بنے تھے۔ پہلی بار کسی کی منت و حاجت کر رہی تھی آخر اٹھارہ سی تھی۔ "یقیناً آجائے گا مجھے..... اگر میری ایک بات مانو تو.....؟" اس کی بڑی بڑی سحر انگیز آنکھیں گردن جھکائے بیٹھی نویر پر تھیں جو انکی سے جس حرکت ہوئی تھی وہاں جان مورتی ہو۔ "مانو گی میری بات.....؟"

"ہاں..... جی آپ کہیں گے وہ ہم مانیں گے آپ ارشاد کیجئے۔"

"میں تم سے نہیں کوئیہ سے اقرار چاہتا ہوں..... بولو نویر..... مانو گی میری بات..... زندگی عزیز ہے تو میری بات مانو گی۔" اس کے بار بار کہنے پر بھی نویر نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

"اس طرح خاموشی کے کام نہیں لے کر بولو تو نا کہیں ہوگا۔"

"بولو نویر کہ ہم ہر بات مانیں گے۔" وہ نویر کو بھونڈ کر بولیں اس نے نگاہ اٹھا کر یوسف سے سخت لہجے میں کہا۔

"جان دے دوں گی اب انہیں نہیں کرواؤں گی یہی بات منو چاہتے ہیں آپ..... جو نہیں مانو گی۔"

"مجھے کبھی آپ کی نیت پر پہلے ہی شک تھا کہ وہ کس اچھے ارادے سے میری سودہ کے لیے رشتہ لے کر نہیں آئی ہیں اور وہ اچھی نیت سے آئی ہی کیوں بھلا جس عورت نے میری زندگی جہنم بنا کر رکھی وہ میری بیٹی کو خوشیاں دینے کا دل کہاں رکھ سکتی تھی۔" نویر کے سمجھانے پر وہ گردن ہلاتی ہوئی کہنے لگیں۔

"پھوپھو جان..... اپنی باتیں بھول جائیں آپ جو گزر گیا وہ گزر گیا۔ پلیز، اچھی آپ کی نیت اور محبت پر اعتبار کریں..... وہ بدل گئی ہیں اور سودہ کو محبت سے بہو بنا کر لے جانا چاہتی ہیں۔"

"جو گزر گیا..... وہ گزر گیا کہنا آسان ہے میرے بچے اس کا پیٹ تو اسے ہی چلنا ہے جس پر یہ گزرتا ہے۔" وہ آبدیدہ ہوئیں۔

"میں آپ کی ساری پریشانیوں سے واقف ہوں پھوپھو جان جو انسان خود سے نہیں سیکھتا ہے اسے وقت سکھا دیتا ہے اور وقت کا دیا ہوا سبق انسان بھی بھولتا نہیں ہے، اچھی آپ کو کبھی وقت نے کہاں معاف کیا ہوگا۔" پیارے مہاں سے کیے گئے وعدے کی پاسداری اسے ہر صورت کرنی تھی سودہ کے ارادے سے آقا جانا تھا تاہم سودہ بھی خمدی کی چکی تھیں جو فیصلہ ایک بار کر لیں وہ پھر کی لکیر ہو جانا تھا اور اس لکیر کو مٹانے کی سنی اسے کرنی تھی وہ بھی پوری کامیابی کے ساتھ کہ اس نے بڑے یقین کے نگاہ میں اس پر یہ وعدہ دیا تھا۔

"وصوفیہ بیٹی..... زید مہاں کہہ کر تھک رہے ہیں اچھی آپ نے بھی تمہارے ساتھ خیر خواہی رکھی، ہمیشہ خود کو اٹلا طوں ہی بھجھتی رہی تھیں..... پھر وہ بیحد وقت نے کیا جھکا یا انہیں بیٹے کا رشتہ مانگنے تم ہی سے آقا میں اور پھر تم نے کون سی نوری حامی بھری..... سو سو چکر لگوائے تھے تاکہ تمہیں ہونی آئی تھیں..... وہ تو نہ منور بیٹے کو ان پر چڑھا تا نہ یہ رشتہ دہتا۔" بولنے پان چلی ہوئی کہا۔

"منور بیٹی کی وجہ سے ہی میں مانی تھی آپ نے اپنے والدین کو..... زید میرے بچے کو اس حالت سے دور ہو جاتا تو بہتر ہوگا۔ دنیا کی ہر چیز مدد دہکتی ہے مگر اچھی آپ انہیں....."

"اگر تم اچھی کو کیوں دیکھتی ہو صوفیہ؟ لڑکے کو دیکھو وہ ہماری سودہ کو بہت چاہتا ہے۔ جس دن تم نے انکار کیا تھا ناں دے جیسا نہ ہو گیا تھا اس کا..... سوچ پاتے ہی بچن میں میرے پاس آیا تھا۔" زید کو مادہ کو کچھ بوا کو بھی پونے کا مواقع مل گیا۔

یہاں رات ان کے حوالے سے طے نازل نے مجھے دیے ہیں۔"

"آپ نے بھی کچھ ایسا ہی کیا ہوگا اگر نہ میں جانتی ہوں تو نفل شہوان کا نام لینا پسند نہیں کرتا..... اس کے حوالے سے طے دینا دور کی بات ہے۔" نفل کو انہوں نے ماں بن کر ہی پالا تھا جس طرح ایک ماں اپنے بچے کی اچھی و بری عادات سے مکمل واقفیت رکھتی ہے۔ وہ بھی اس کی نیچر سے آگاہ تھیں اور ان کی اس آگاہی پر سارے پیشہ ورانہ گئی تھی۔

نفل مریج لگا کر ہر بات وہ انہیں بتاتی چلی گئی تھی ماسوائے اپنی اس حرکت کے جس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں وہ نفل کی وجہ سے ہی قاصر رہی تھی اور جس کے سبب ہی اسے شہوان کے طے سننے کو ملے تھے۔

"آج کل وہ اگلا مزمل بڑی بے فہمی ہوئی ہیں اس سے آپ کے سامنے بات کروں گی آپ اس کی باتوں کو لہجہ مت کیا کریں۔" حسب عادت ان کے بول پر سکراہٹ پھیل گئی تھی پھر وہ اسے بھلا کر کمرے سے باہر لائے میں کامیاب ہوئی تھیں۔

"آئی..... آپ نفل کو کچھ مت بتائے گا کہ میں نے آپ کو ان کے بارے میں سب بتا دیا ہے۔" نفل نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

یوسف کے لہجے میں بے رحمی ہی بے رحمی تھی اس کا نفل انداز بتا رہا تھا۔ وہ انہیں ذرا بھی رعایت دینے کا ارادہ نہیں ہے۔ نویر پھنکتی ہی چلی گئی جبکہ جہاں آرا اس کے قدموں میں بندھ کر گزرنے لگی تھیں۔

"جی آپ سوچ رہے ہیں ایسا بھی نہیں ہوگا۔ ہم اپنی بیٹی یہ ملک ہی چھوڑ کر بیٹے جانیں گے اور کبھی بھول کر بھی یہاں کا رخ نہیں کریں گے۔ اللہ کے واسطے آپ ایک بار صرف ایک بار ہماری جان بخشی کر دیجیے۔"

"کس طرح یقین کر لوں جہاں آرا نیگم..... بہت سنا ہے تمہارے بارے میں بہت بڑی کھڑائی ہو اس میدان کی بہت کہانیاں سن چکا ہوں۔"

"کہانیاں پھر کہانیاں ہوتی ہیں یوسف صاحب، لفظوں کے پیر پھیر انسان کو کچھ سے کچھ بتا دیتے ہیں اور سنی سنائی باتیں پورا جگہاں ہوتی ہیں۔" وہ بڑے کدھر سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا بے حد رحمت تھی اس وقت اس کے چہرے پر گویا ہر شے اس کے اختیار میں دے دی گئی ہواں وہوں کا وجود اس کے لیے کیڑے مکوڑوں سے بھی زیادہ حقیر تھا۔

"پورا جگہ نہ کی آدھا جگہ پھر بھی ہوتی ہیں ناں؟"

"ہاں..... ہاں بالکل میں نے سب انکار کیا ہے جو آپ نے کہا وہ جگہ ہے۔" موت کا خوف انہیں ہر بات ماننے پر مجبور کر رہا تھا۔

"پھر یہ بھی جگہ ہے..... جان بخشی کے بعد تم اپنا اصل روپ ضرور دکھاؤ گی۔ بلکہ میل ضرور کرو گی؟"

"میں صاحب..... مجھے میرے مرے ہوئے ماں و باپ کی قسم..... میں خواب میں ہی آپ کے سامنے کسی نہیں آؤں گی....."

"اوہ..... تم نہیں آؤ گی..... مگر اسے بھیجو گی؟" وہ چہرہ جھکا کر تمہیں نویر کی جانب اشارہ کر کے گویا ہوا تھا۔

"میں..... نہ خود آؤں گی نویر کو کچھ بولوں گی میں نے اتنی بڑی قسم کھالی ہے پھر بھی آپ کو یقین نہیں آ رہا..... آپ ہی بتائیں پھر ایسا کیا کروں جس سے آپ کو یقین آ جائے؟"

موت کے خوف نے جہاں آرا کو بے بس و کمزور کر دیا تھا اور سودہ کسی طرح خان کو بھی خاطر میں لانے والی عورت نہ تھی



”کیا کہتا تھا آپ کے پاس وہ؟“ وہ حیران ہوئیں۔  
 ”بھئی کہ میں تمہیں مناؤں، وہ وہی کرے گا جو تم اسے کہو گی خود جو اس دور میں ایسے داناؤں کہاں ملنے ہیں جو ساس کے اشاروں پر چلنے کے لیے تیار ہوں۔۔۔ مگر داناؤں اشاروں پر چلتے چلتے بھی اکڑوں دکھاتے رہتے ہیں۔“  
 ”صرف جادو کی باتیں ہیں بھائی پھر اندھیری رات ہی رات ہوگی۔“

نوفل نے اسے اتنی جلدی معاف کر دیا تھا کہ اسے یقین نہیں رہا تھا کہ وہ جلے گئے مچھلیوں کے بعد وہ اس کی حرکت معاف کر چکا تھا اور اس نے حیرت سے جب یہ سب ہائی ٹیکنالوجی اور دور رسانیت سے سمجھائے تھے۔

”جو محبت کرتے ہیں وہ زیادہ دل خفا کہاں رو سکتے ہیں..... یہ ان کی محبت کا منہ ہولنا شہوت ہے کہ تمہاری اتنی بڑی مجرمانہ حرکت کو بھی وہ اتنی آسانی سے معاف کر گئے ہیں۔“

”ہوں بہت خوش ہوں۔“ وہ رانگ چہرہ کو تیز تیز حرکت دیتے ہوئے جھومنے لگی ”وہ دن قبل دالی بیزار ہی کو کوہفت ہوا ہوئی تھی۔“

یاد آج بات بے بات اس کی ہنسی کے جلتے گنگ بج رہے تھے اور بالی کو وہ ہنسی نو حد لگ رہی تھی۔ اس ہنسی میں خوشی نہیں آ رہی تھی۔

”ابھی سوچا نہیں ہے کہ کیا کرنا ہے۔ مگر جو بھی کروں گی..... اس کے بدوں کو زندگی بھر مزہ چکھانے کے لیے کافی ہوگا۔ وہ جب بھی اسے دیکھیں گے خون کے انسور وں میں گئے۔“

”پھر تم کیا کرو گی انٹی؟ کسی کو دکھ دینے والے خود بھی کبھی سکھی نہیں رہتے۔ یہ جو تم نوافل بھائی کے ساتھ دل لگی کرنے جا رہی ہو وہاں عموماً دل لگی..... دل کی مٹی بن جاتی ہے یہ ایسی آگ ہے جو بجھتی نہیں ہے زندگی کو جلا کر رکھ کر دیتی ہے۔“

”میں بہادر نہیں ہوں، ٹھکرائے جانے والے لوگ انتقامی بن سکتے ہیں بہادر نہیں جہاں بات وجود کی نفی کی آئے وہاں جواب دل و انتقام ہی رہ جاتا ہے۔“

”اب وہاں بھی لگا تو مجھ کوئی فرق پڑنے والا نہیں میرے غزاں رسید ہو جو شہر اب کوئی بہانا نے والی نہیں میں بتاتی ہوں..... اپنے بچے ہوں کسی دوسرے کی میری زندگی میں فحاش ہی کہاں ہے۔“

”تم اس طرح کی باتیں کرتی ہو میرا دل بند ہونے لگتا ہے اُسی طرح مایوسی والی باتیں مت کیا کرو تمہارا نہیں ہو میں ہوں تمہارے ساتھ ہر دم صرف موت ہی تم سے دور کر سکتی ہے۔“ ہالی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”تم بھی عجیب ہو ہالی ابھی کچھ کہتی ہو ابھی کچھ مگر یاد رکھنا تم نے فوٹل کی لیوری تو اچھی بات نہیں ہوگی۔“ حنا نے لہجے میں تنبیہ کی۔

سامعہ کی گالی خنی یا باندی نے چند مقتولوں میں سے ایک کو ہاتھ پیراں کا پانی صاف دیکھا تو دینے لگا تھا۔ اب سر پر کی گئی تو معلوم ہوا تھا کہ وہ پانی کی جھڑی سے پھر رہا ہے۔ پھر پانی خاور یہ ہوئی اس قدر پخت ہو گئی کہ سامعہ کی طرف سے پاکت لٹکی کے نام پر ہونے لگی چند لاکھ کی پانٹ لٹکی سے اس کا گزرا متحکم ہی نہیں لگتا۔ سامعہ خود ہی سے بیٹھ کر دیکھیں کہ اس کے پایا کی ہمت کبھی کی کہ وہ بیوی سے اس کے لیے کچھ رعایت وصول کر لیں یا چھپ چھپا کر اس کی مدد کریں کہ سامعہ گھر پر ہی نہیں برف میں بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ پیسے ختم ہوتے ہی سارے فریڈنڈ اور گول فریڈنڈ برسرِ پاؤں کی مانند غائب ہو گئے تھے اور اب سے زیادہ جو اس بخت سے جہاں آرا کی بدی لگا ہوں گے کیا تاجر و بہت جلد ہی اس کی خالی جیب کا پیچیدہ پائی نہیں

”اب تو کہتے تھے غائب کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ سات نیلیں بھی بیچ کر کھائیں گی تو کم نہیں ہوگا اور یہاں تو آپ خود ان کو لنگے ہو گئے ہیں۔“ اس کی بات ہی نہیں لہجہ بھی کاٹ دار تھا۔



”ماؤں کے موڈ خراب ہی رہتے ہیں اس کا مطلب ہوا میری بچی کی زندگی کڑی میں ہی گزرے گی؟ آپ تو ابھی تک اپنے ماں و باپ کے آسیرے پر پڑے ہیں عجیب و غریب دیکھیں نواسے ہیں آپ؟“

”آپ ایک بار انٹی کو میری زندگی میں لا کر تو دیکھیں..... اسے ہیروں صوفی میں منتقل دیا تو میرا نام بدل دیجئے گا۔“

انٹی کے نام پر وہ جوش و خروش سے کہنے لگا۔

”اگر بے بہت دیکھتے ہیں ایسے ہیروں موتیوں میں تولنے کے دھوے کرنے والے“ ماضی کی کئی کڑی یادیں ذہن میں اب جاگ رہی تھیں۔

”کیا مطلب ہے..... آپ مجھے بھونکا بھی ہیں؟“ اس کا سواٹ لٹھے بھر میں گزرا۔

”ہاں یہ سب جھوٹی باتیں ہوتی ہیں۔ وہ نذر بچہ میں گویا ہوئیں۔“ مطلب نکالنے کے بعد آپ لوگوں کے مزاج ہی بدل جاتے ہیں۔“

”آئی..... مطلب کہاں نکالنے دیں گی آپ ایک جھٹک سے بھی انٹی کی ترسا کر رکھتی ہیں جب بھی آتا ہوں اس سے ملوانے کے بجائے کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹر خاوتی ہیں۔“

”جب تک آپ لپٹل بدست نہیں کریں گے انشراح کی پرچائیں بھی آپ کو نہیں ملے گی۔“ وہ بھی سارے لحاظ و مروت بالائے طاق رکھ کر بولیں۔

”سمندر سے بھی زیادہ گہرا پیٹ ہے آپ کا جو کبھی بھرتا ہی نہیں..... بے حساب دولت میں یہاں لٹا چکا ہوں اور بدلے میں ایک بار بھی قریب سے اسے دیکھنے کی پریشانی نہیں ملی۔“ وہ بھی بدلتی جلی میں نمبروں تھا۔ ”یہاں میں یہ بو دھی میک اپ شدہ صورت دیکھنے نہیں آتا ہوں۔“

”جوان چہرہ دیکھنے سے قتل نہیں یہ بڑا چہرہ ہی دیکھنا پڑے گا بلکہ اب کے پیسے ہوں تو یہاں تشریف لاسیے گا ورنہ ابھی سے باسے جائے کنگھوں اور ماں کے نڈر لٹل لوگوں کی منجاش نہیں ہے یہاں۔“

”تم اس طرح نہیں مانو گی مجھے کچھ نہ کہہ رہی پڑے گا۔“ شدید جھک پر وہ تھلا تا ہوا تھا۔

”ارے جاؤ جاؤ بہت دیکھے ہیں تم جیسے کچھ کرنے والے جہاں آؤ رڈنے والی نہیں تم جیسے کاغذی شیریں سے۔“

بلا غرض کی بار کی طرح اس بار بھی پیسے کی خاطر جہاں آئے اسے بے عزت کر کے نکالا تھا اور وہ چیختا چلا اچلا آیا تھا۔

”صاحب..... پیلا پھی عورت ہر ماں آپ کو بے عزت کرتی ہے..... ایک بار اسے بتا دیں کہ بے عزتی کیا ہوتی ہے۔“

مراد جو اسے پکڑ کر تنگ لایا تھا اس کے کار میں بیٹھنے کے بعد ہی سب پر بیٹھ کر اسٹارٹ کرنا ہوا جیسے سے بولا۔

”اس کم ذات کی کیا عزت اور کیا بے عزتی ابھی تو نوکی چند گنیاں اس کے منہ پر لا کر ماروں گا پھر سے میرے قدموں میں پیٹھ جائے گی۔“ وہ بگڑے موڈ سے بولا۔ مراد جو سارا راستہ چپ رہا۔

گھر آ کر پھر اس نے سامعہ بیگم سے گھر اور شروع کر دی تھی غصہ جہاں آرا کا تھا جو وہ ماں پر نکال رہا تھا۔ پیسوں کا تقاضا کر رہا تھا۔

”میں نہیں ایک پائی بھی دیے والی نہیں ہوں۔“

”مائی کی مجھے ضرورت بھی نہیں ہے میری چیک بک واپس کریں۔“

”ہرگز واپس نہیں کروں گی تمہیں پتہ چلنا چاہیے پیسوں کی اہمیت کا۔“

”مجھے اندازہ ہو گیا ہے پلیز میری چیک بک دے دیجئے۔“

”چیک بک ہرگز نہیں ملے گی۔“ وہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئیں۔ وہ بیٹروم سے نکل کر باہر آئیں لاریب بھی غصے سے

تنتہ تا پیچھا یا تھا۔ نفل جولا سٹ پیچھے دے کر آ رہا تھا۔ ان کی تکرار ہوتے دیکھ کر رک گیا۔ بڑی ناگواری تھی اس کے انداز میں۔

”مما..... میرا داغ مت خراب کریں اور نہ بہت برا ہو گا۔“

”کیا برا ہو گا.....؟“ وہ رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگیں۔ ”کیا کر لو گے چیک بک میں تمہیں دینے والی نہیں ہوں۔“

”آپ مجھے جذباتی مت کریں۔“ وہ دونوں نفل کی آمد سے بے خبر تھے اور اندازاً جان نفل دیکھ رہا تھا۔ لاریب کے انداز میں شہید جا رہا تھا۔

”اوپر جاکر ایک کمرے سے ہمارے جذبات کے ساتھ بیٹے آ رہے ہوں۔“

”اس میں میری غلطی نہیں ہے آپ لوگوں نے مجھے روکا کیوں نہیں؟“

”اب روک رہی ہوں..... پائی ابھی سر سے نہیں گزرا۔“

”نفل چکا ہے نماں آپ شرافت سے میری چیک بک مجھے واپس کریں پھر بے غصے صحت پر جائیں۔“ وہ ماں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے تیزی سے گویا ہوا۔

”لاریب آئی کا ہاتھ چھوڑو۔“ نفل کی آواز کسی دھماکے کی مانند لاریب کے کانوں میں گونجی اور بے ساختہ وہ ہاتھ چھوڑ کر رو رہا تھا۔ اس آواز میں نفل اب تک پہنچ گیا تھا۔

”تمہاری اتنی جرأت کہ تم آئی سے اس انداز میں بات کرو۔“ اس نے آتے ہی لاریب کے رخسار پر زور دار تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔

”تم..... ہمارے معاملے میں نہ بولو تو بہتر ہے تمہارے لیے۔“ اندر سے خوف زدہ ہوتے ہوئے بھی اس نے ہمت کر کے اس کا سامنا کرنے کی سعی کی مگر جی ہی کئی تھپڑ اس کے چہرے پر پڑ چکے تھے۔

گھر میں شادی کی گہما گہمی شروع ہو چکی تھی۔ صوفی کو زیڈ کے ساتھ مل کر سب نے منایا تھا اور حقیقی بات یہ تھی کہ وہ بھی بڑا کے جھانے پر ڈرنگی تھیں کہ شادی سے چند روز قبل شادی ٹوٹ جانے سے سوہ کی جگہ ہنسائی ہوئی پھر نہ جانے کس کس انداز میں لوگ اسے سوہا کر رہے تھے مستقبل پر سب دھجک لگ جائے گا پھر کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو گا۔

پیارے سہیاں میں ایک اس بات کے علاوہ کوئی خالی نہ تھی کہ وہ اچھی آبا کا بیٹا تھا اور اچھی آبا کی عورت تھی جس کی تیزی و طراری پر بھی ابھی مجھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مگر وہ یہاں پیارے میاں سے کیے گئے وعدہ کی لاج نبھاتی تھی۔

پیارے میاں نے بھی جو کہا وہ کر کے عمل ثبوت بھی دیا تھا۔ ایک ہفتے میں ہی بات لانے کے سارے انتظامات کر لیے تھے ابھی آپا اور چندا بہت خوش تھیں ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں آج سوہ کی نایوں تھی کیونکہ لان خاصا وسیع و عریض تھا نایوں کی سبک داری تمام دشمنیت وہاں کیے گئے تھے۔ سہیاں سے گھر بھر ہوا تھا گیسے کے پھولوں کی لڑکیوں کے ہونٹوں کے لیے اسکا تیار کیا گیا تھا۔ خراب کے پھولوں کی ہر جگہ بھرا لی ہوئی تھی۔ وہ دور سے ہی جانتے ہوئے ہاتھ کا کہ

کسی قسم کی کوئی کمی نہ ہو جائے۔ دل میں ہونے والی تباہ کاریوں کے باوجود وہ اپنی دس داریاں پوری سچائی و لگن سے نبھا رہا تھا۔ ان دس داریوں میں اس کا ساتھ شاہ زیب برابر دے رہا تھا مگر موقع ملنے ہی وہ اس پر طرے کے وار کرتا نہیں بھولتا تھا جن کو وہ خندہ پیشانی سے انمور کر رہا تھا جانتا تھا..... یہ اس کی محبت ہی ہے اس نے آخری حد تک کوشش کی کہ سوہ اس کی ہو جائے مگر وہ ماں سے کیے گئے وعدوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا شخص تھا جو اپنے ہاتھوں دل کی دنیا خاک کر سکتا تھا لیکن



مال کے اعتماد کو کٹر منہ ہونے نہ دیکھ سکتا تھا۔

جب سے شادی کی گہما گہمی شروع ہوئی تھی تب سے اس نے قصداً سودہ کا سامنا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وعدوں کی پاسداری ایک طرف مردل کے تقاضوں سے جنگ کرنا بھی اتنا سہل نہیں ہوتا۔

”زید بیٹے.....“ باوقار اعزاز میں تیار و زور و تہم اس کے پاس آئیں۔ ”سودہ کے سسرال والے مہندی لے کر پہنچے والے ہیں سودہ کو ابھی تک کوئی پارلر سے لینے ہی نہیں گیا۔ شاہ زیب منور کے ساتھ کٹرنگ ہاؤس گئے ہیں آپ کو جانا ہوگا سودہ کو لانے کے لیے کال کی تھی وہ ریٹ کر رہی ہے۔“ انہوں نے آتے ہی پریشان کن لہجے میں کہا۔

”زید..... طبیعت ٹھیک ہے چنا؟“ اس کی خاموشی پر وہ پریشان ہو گئی۔

”جی..... جی ہاں جان میں ٹھیک ہوں میں جاتا ہوں اسے پک کر نے..... پارلر کا نام بتا دیں میں لے آتا ہوں۔“ کس قدر لٹھن مرحلے میں وہ اسے چھینا تو بھی نہیں کہ سن کر ہی اعصاب ٹھل ہونے لگے تھے۔ وہ اس کے ڈوبتے دل کی کیفیت سے بے خبر پارلر کا ایڈریس بتانے لگیں۔

پچھلے دو بچوں کے سامنے بھی یہی یلوا بند کرین طرے غراب سوٹ میں بیٹوں کی چوڑی پٹے پر وہ عام فوٹوں کی نسبت منفرد و بہت دلکش لگ رہی تھی۔ ایک تو پہلے ہی وہ اس ڈور میں بیٹھیں، انھیں محسوس کر رہی تھی پھر شاہ زیب کی جگہ ڈرائیو جگہ سیت پر زید کو براہِ جان دیکھ کر اس کا ازلی ٹھیک و تکلف ہو کر اٹھ اٹھا۔ اسے قدم اٹھانے سے ڈھار ہو گئے تھے۔ بے ساختہ اٹھنے والی نظر پر اس نے بھی قابو پایا تھا اور وہ اس کی سراپستگی و گھبراہٹ محسوس کر کے سیت سے اتر اور فرنٹ ڈور اس کے لیے کھول دیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے غرابہ سنہا پتی سپر حیاں اتر رہی اور حسبِ عادت سیت پر بیٹھنے ہی فرخت ڈور سے چپک گئی۔ زید نے دیکھا اور اس کے دل میں ہوک سی اُٹھی۔ اس کی کئی خاموش اداؤں میں ایک یہی ادا بھی اسے از حد پسند تھی کہ وہ بیٹھنے کے بعد فاصلہ رکھ کر بیٹھتی تھی۔ مگر اب سب ختم تھا وہ کسی اور کی ہونے جا رہی تھی۔

”آہ.....“ اٹھانے میں اس نے کار کی رفتار بڑھائی اور کار اسپید بریکر پر اس بری طرح اچھلی کہ اٹھتے اٹھتے ہی تھمی قسمت سے ٹریفک کم تھا۔

”آر پورائٹ؟“ سودہ کا سرفریش بورڈ سے بری طرح ٹکرایا تھا اور درد سے کراہ نکلی تھی اس نے کار ایک طرف روکی اور سودہ کی طرف جھکا جو سر ہاتھوں میں پکڑے بیٹھی تھی۔

”دکھاؤ خون تو نہیں نکلا؟“ سرائتی زور سے ٹکرایا تھا کہ وہ چلنا کر رہی تھی وہ محسوس کر سکتے تھے بڑھا اور دیکھا تو اس کی پیشانی سرخ ہو گئی تھی۔

”شکر ہے خون نہیں نکلا مگر تمہیں چوت بہت زیادہ لگ گئی ہے۔“ وہ اس کی بندیا سیدی کرتا ہوا شہیمان بھر پے لہجے میں گویا ہوا۔ زید نے اس کی پیشانی پر پھولوں کی بندیا بے ساختگی میں سیدی کی جو کمرائے کے باعث ترجمی ہو گئی تھی۔ مگر اس کا یہ عمل سودہ کو ایک بہت عجیب و غریب کیفیت میں مبتلا کر گیا تھا وہ کانپ سی گئی تھی۔

”تمہیں بہت زیادہ ہے تو ہاتھ مل چلیں؟“ وہ اس کی طرف دیکھا ہوا نظر مندی سے بولا۔

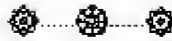
”ہاتھ مل جانے کی ضرورت نہیں..... مجھے پانی پینا ہے۔“

”ہوں پانی بھی مل جائے گا.....“ جی جی بتاؤ کیسا ٹھل کر رہی ہو زور کو مجھ سے چھپاؤ نہیں رہی؟“ اس نے گھیر لہجے میں پوچھا۔

”معمولی درد ہے تین گھنٹے ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”کیا کارنامہ انجام دیا ہے پارلر والوں نے؟ مجھے تو کوئی چوتھنگ دکھائی نہیں دے رہی ہے خواہ مخواہ یہاں آ کر ڈائم

ویسٹ کیا چوت علیحدہ لگ گئی۔“ وہ کارنامہ کر رہا ہوا گویا اپنے جذباتوں کی نفی کر رہا تھا اور وہ سر جھکائے سوچ رہی تھی زید بھائی آج اسے بدحواس و ڈسٹرب کیوں لگ رہے ہیں؟



جہاں آ کر کی کچھ کھائی تو اس نے خود کو اس گڑھے کے پاس ہی موجود پایا تھا پہلے وہ غنودگی کے زیر اثر بے شمار انداز میں پڑی رہیں پھر جیسے ہی شعور بیدار ہوا وہ اٹھ بیٹھی تھیں اور بیٹھتے ہی بڑا ہولناک منظر ان کے سامنے تھا۔ نو رو بہ ہوشی کی حالت میں اس گڑھے میں پڑی ہوئی تھی۔

”نو رو بہ..... نو رو بہ.....“ یہ کہہ کر وہ..... میری بیٹی کو زندہ ڈن کر رہے ہو..... غلاموں رحم کرو..... کیا کر رہے ہو؟“ وہ اٹھ کر ان دو جلاوطن افراد کی سمت بڑی تھیں جو نو رو بہ پر گئی ڈالنے لگے تھے۔ انہوں نے بنا کچھ کہے صرف گھو کر ان کی طرف دیکھا تھا پھر نہیں روکا تھا وہ مسلسل اس پریشانی ڈال رہے تھے۔

”ارے غلاموں! بے رحموں! کیا کر رہے ہو..... باڈا جاؤ..... اللہ کے لیے باڈا جاؤ میں تمہارے پیر پڑتی ہوں! اچھ جوڑتی ہوں.....“ وہ ان کے پیروں میں گر کر بائیاں دیے لگی۔ گھبراہٹ میں وہ وہ کانٹا رکھ کر اتر رہا تھا۔ وہ اسی طرح اپنے کام میں تنہا تھے جہاں آ کر کسی زخمی چڑیا کی مانند چڑچڑا رہی تھیں ابھی ایک کے پاؤں میں گری تھیں بھی دوسرے کے پیروں کو کچھ کرٹیں کر رہی تھیں کہ کسی طرح ان جلاوطن کو رحم آ جائے جو تیزی سے ٹٹی ڈالتے رہے تھے۔ وہ اس قدر رخت دل بہ دم تھے کہ ان کی پروا کیے بغیر ان کا کام کیے جا رہے تھے معاندانہ سے یوسف نکل کر اس طرف آئے تھے اس پر نگاہ پڑتے ہی وہ دیوانہ دار اس کی طرف بھاگی اور اس کے قدموں سے لپٹ کر نو رو بہ کی زندگی کی بھیک مانگنے لگی تھی دکھ خوف سے ان کی آواز بھسنے لگی تھی۔

”میری بیٹی کی جان بخش دو بیچے..... میں اسے لے کر بہت دور چلی جاؤں گی..... اتنی دور کہ کوئی دھوڑ ہی نہ سکے گا۔“ ”تمہیں کوئی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں..... میں نے خود اس کا انتقام کر لیا ہے تم اور تمہاری بیٹی بہت دور چلی جاؤں گی..... تم بہت جلدی ہوش میں آ جاؤ گی اس کا بھٹا بیڑیا نہیں تھا ورنہ میں اور زیادہ اسپرے کروا تا مگر اب تمہاری قسمت کہ تمہیں ہوش میں ہی ڈن کرنا پڑے گا۔“ بے حد سفاکی و درندگی تھی لہجے میں تھری نہیں سوٹ میں گردن اٹرائے کھڑا بڑی رعوت سے وہ کہہ رہا تھا دولت و اقتدار کا نشہ سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ نو رو بہ کے لائسنس سے انکار پر وہ کمرے سے نکل آیا تھا۔ باہر آتے ہی ملازم سے بے ہوش کرنے والے اسپرے کا کدہ کر چلا گیا تھا۔ اس کے حکم پر چندہ منت بعد ملازم مال کے ہوش و حواس سے عاری و جود و ہاں لے گئے تھے۔

”اچھا چلو تم کھالیتا ہوں تم پر پہلے ایک وعدہ کرو.....“ غلاموں مانگ کر جب وہ بندہ حال ہو گیا تو وہ پہلے ان ملازموں کو ہاتھ کے اشارے سے رکنے کا اشارہ کرتا اس سے گویا ہوا تھا اور وہ دونوں ملازم جو اس کی ایک نین رہے تھے یوسف کے اشارے پر ساکت ہو گئے تھے۔ نو رو بہ کا پورا وجود اسوائے چہرے کے مٹی میں چھپ گیا تھا۔ وہ اس مختصر عرصے میں اتنا روٹی دھلائی نہیں آواز خراب ہوئی تھی۔ یوسف کی بات پر صرف گردن ہلا کر رہی تھیں۔

”ابھی اور اسی وقت اپنی بیٹی کو لو اور اسے اندر کے ساتھ چلی جاؤ وہ گاؤں چھوڑ آئے گا چندوں میں میں تم دونوں کا یہاں سے جانے کا بندوبست کروانا ہوں تب تک حویلی میں رہنا سسٹمی سے بھی کوئی چالاکی کی تم نے تو پھر مجھے بھری گئی زندگی نہیں ملے گی۔“

”آپ کو کوئی شکایت کا مارج نہیں ملے گا جان بخش کے لیے شکر یہ۔“ وہ بیٹھتی ہوئی بھاری آواز کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی تھی جواباً وہ اسی طرح گردن اٹرائے وہاں سے چلا گیا تھا۔







جواو اور دماں کی خدمت نہ کرے۔ اس سے کسی اچھائی کی امید کی جاسکتی ہے؟ وہ بری طرح دل برداشتہ ہو گئی تھیں۔  
 نونہل نے بڑبڑائی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ معلوم نہ کیا کہ معاملہ کیا ہے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی بلکہ نہ صرف ان کا  
 موڈ ٹھیک کیا بلکہ لا ریب سے بھی معافی منگوائی وہ جو یہاں سے بھاگنے کی جگہ دوڑیں تھا فوراً ہی معافی مانگی اور وہاں  
 سے چلا آ گیا تھا اندر ہی اندر صبر بڑھ رہا تھا۔

”جی جی..... پورے ہوئے.....“ وہ راجداری تک پہنچا تھا تب ہی اچانک سے ساریہ اس کے سامنے آ کر ہمدردانہ لہجے  
 میں گویا ہوئی۔

”وہاں یونین؟“ وہ بکڑے لہجے میں گویا ہوا۔  
 ”یہاں پر ایک لڑکا سب کو اپنی انگلیوں کے اشارے پر بچاتا ہے سب اس کا بولنے پر وہ خود کچھ بھی کرتا پھرے کسی  
 کو کانوں کان جبر نہیں ہوتی سارو کم جیسوں پر وہ ہاتھ اٹھانے کی بھی ہمت نہ رکھتا ہے۔“

”کیا مقصد ہے تمہارا۔“ سس نے کسی پر ہاتھ اٹھا دیا ہے؟“ اسے بڑی تکی کا احساس ہوا سو وہ مگر گیا  
 ”پلیز سوسٹ میں نے سب سنا ہی نہیں دیکھا بھی ہے بہت سوسے بے فوٹل کم پر ہاتھ اٹھا نہیں چاہے تھا تمہاری  
 مہاکو بھی اس کے سامنے ایسا نہیں کرتا چاہیے تھا۔ بہت اسلٹ ہوئی ہے تمہاری لا ریب۔“

نونہل کی جلدائی گئی آگ میں وہ ابھی تک جل رہی تھی۔ یہ غصے کی نہیں رقابت کی آگ تھی وہ بھول نہیں پاری تھی کہ وہ  
 کس قدر دلشیں انداز میں کسی لڑکی سے بات کر رہا تھا ایسا لہجہ بھی اس کا سنا ہی نہ تھا۔ بڑا خاص لہجہ تھا۔ خاص لہجے  
 خاص لوگوں کے لیے ہی ہوتے ہیں اور یہ بات اس کے لیے ناقابل برداشت تھی کہ وہ خاص نہیں تھی۔ آج وقت نے  
 موقع فراہم کر دیا تھا اسے چال چلنے کا وہ اس کی مخالفت میں دور تک آ چکی تھی۔

”تمہیں کیوں میری اسلٹ کا خیال ہے؟ محبت تم اس سے کرتی ہو۔“  
 ”میں کرتی ہوں..... وہ نہیں کرتا مجھے سے محبت..... وہ کسی اور سے ہی چکر چلا رہا ہے۔“ وہ منہ نہ کر گویا تھی۔

”وہ کسی سے چکر چلا رہا ہے تم کس طرح کہہ سکتی ہو؟“  
 ”میں نے خود سنا تھا وہ کسی لڑکی سے فیس بکس کر رہا تھا اور جب میں نے اس کی چوڑی پہنزی تو اس نے کہا  
 میں یہاں سے دفع ہو جاؤں۔ لیکن میں اتنی آسانی سے یہاں سے جانے والی نہیں ہوں۔“

”آئی لائک ایٹ۔“ وہ کچھ سوچ کر مسکراتا ہوا ہوا۔

اک دیا ایسا بچا ہے۔ مجھ میں

نوحہ گراں کہ ہوا ہے مجھ میں

عکس دیکھ کر بکھڑا ہے مجھے

جانے کیا ٹوٹ گیا ہے مجھ میں

نچھوڑ کر جس جہاں انفر آفری پہنچی ہوئی تھی وہاں خاموشیوں کے ڈیرے تھے۔ آج پیارے میاں کی ہندو کی رسم تھی  
 جس کی تیاریاں شام سے ہی شروع ہو گئی تھیں۔ اب ان سب کے جانے کے بعد سناٹا چھا گیا تھا۔ زید سب کے اصرار  
 کے باوجود نہ گیا تھا۔ دل نے اب مزید منافقت سے انکار کر دیا تھا۔ سو وہ کو پار سے لانے کے بعد پھر وہ اس حصے سے دور  
 ہی رہا تھا جہاں وہ تھی۔ زید سیر جیسوں پر بیٹھا ایک تنگ سوہ کے پوش کی طرف ہی دیکھ رہا تھا جہاں خاموشی تھی۔ مگر میں وہ  
 سرور کا کہہ کر رک گیا تھا اور یہ سچ بھی تھا جب سے باقاعدہ شادی کی رسموں کا آغاز ہوا تھا وہ ذہنی طور پر تنگ کا شکار ہو گیا

تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کچھ مشکل سے ہی سکی۔ وہ ان روزوں کے لمحوں کو تھیل لے گا برداشت کرے گا۔ اسی لیے اس نے  
 دل پر جبر کیا تھا نگاہوں پر پھرے بٹھا کر سوہ کے سامنے جانے پر پابندی لگا دی تھی مگر شو کی قسمت کہ تائی جان کے حکم پر  
 اسے پار سے یک کرنا پڑا اور اس دشمن چال کی ہراساں ہونے والی اوٹیں اسے بے قابو ہی کر گئی تھیں دل کر رہا تھا اس دنیا  
 سے ہمیشہ کے لیے کہیں دور چلا جائے اور اسی سوچ میں اس سے گاڑی بے قابو ہو گئی اس کا سر زخمی ہو گیا تھا گو کہ اس نے  
 کوئلہ رنگ پلانے کے بعد اسے میڈیکل سٹیشن بھی لے کر دی تھی۔ دل بد عہدی پر آمادہ ہو رہا تھا اس کی خواہش تھی کہ زید سے  
 زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارا جائے پھر بڑی مشکل سے دل کو ہلکا کر لے یا تھا جہاں سب اس کے منتظر تھے۔  
 ”زید میاں..... کھانا لے لوں آپ کے لیے؟“ کیا اس کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھیں۔

”شکریہ یو۔“ بھوک نہیں ہے۔

”سارا دن گزر جانے کے باوجود آپ نے کچھ نہیں کھا یا بلکا پھلکا کچھ لے لیجئے کل بارات آئے گی سوہ بیٹی کی تمام  
 انتظامات آپ کو ہی کرنے ہیں اللہ نہ کرے چار ہو گئے تو مشکل ہو جائے گی۔“

”آپ نے فکر رہے سارے انتظامات ہو چکے ہیں شکر کا بہترین شکلوٹ بک کروا لے ڈنر میو بھی لا جواب ہے کسی  
 قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“ اس نے بوا کو پھر پوڈل دی۔

”اللہ بہت اجر دے آپ کو یمن باب کی بچی کے لیے اتنا کر رہے ہیں بیٹا چائے لے لوں کچھ کھا نہیں رہے تو چائے  
 ہی پی لیں۔“ وعدا دیتے ہوئے انہیں اچانک خیال آیا۔

”کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے آپ آرام کریں۔“  
 ”ٹھیک ہے جب کسی چیز کی ضرورت ہوگا واژ لگا دیجئے گا میں سوہ بیٹی کے کمرے میں ہوں بیٹی کی تنہائی کے خیال  
 سے میں رک گئی تھی۔“

”اچھا کیا بوا آپ لوگ بے فکر ہو کر سوجائیں میں جاگ رہا ہوں۔“ بوا دعا میں دیتی ہوئی چلی گئیں اور وہ بیڑھیاں اتر  
 کر لاؤنچ میں رکھے صوفوں پر آ کر بیٹھ گیا۔ آج کی رات بہت بھاری تھی سکون کے ساتھ ساتھ نیند بھی غائب تھی۔ سوہ  
 کی اس گھر میں آج آخری رات تھی بیس چھپس سالوں میں وہی بارہ گھر سے باہر جاری تھی ڈوگر نہ لیک دن بھی کہیں اس  
 کا باہر نہیں گزرا تھا اسے گھر سے باہر جانے کے علاوہ کہیں جانے کی عادت نہ تھی۔ اب سہاگن ہو کر وہ اس گھر سے رخصت  
 ہونے والی تھی۔

”کیسا گے گا اس کے بیاہ گھر؟ برسوں سے ان آنکھوں کو اسے دیکھنے کی عادت ہے۔ وہ دکھائی نہ دے گی تو دل  
 کس طرح سنبھلے گا..... کیا تم اسے کسی دوسرے کے پہلو میں دیکھ سکو گے؟“ خیالات کا جنوم بکرا اس سے گھیرے ہوئے  
 تھا۔

”یہ کیا ہو گیا ہے مجھے میں کیوں ان جذبات میں جکڑ کر رہ گیا ہوں؟ کل تک سوہ کسی کی لمانت تھی اور تم اس پر ایک نگاہ  
 ڈالنا بھی نہ کہتے تھے آج اسے ہی مہم سے باغی ہونے چاہیے ہو؟“ سیر نے گویا سیدھی ڈوگر کو مانی چاہی۔  
 ”مجھے کیا معلوم تھا..... اسے تنگ کر دینی نہ پاؤں گا۔“ نفس کر رہا۔

”کپے عہد کو تاراج کرو گے تو کچھ حاصل نہ ہوگا عزت پانے میں ایک عمر لگ جاتی ہے اور کھونے میں لمحہ کافی ہوتا  
 ہے۔“

”میں کچھ نہیں جانتا ماسوائے اس کے کہ..... میں اس کے بنار بننے کا تصور بھی نہیں کر سکتا..... اگر وہ نہیں تو کچھ بھی  
 نہیں۔“





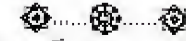


”ہوں..... عاقلہ کو آتی جاتی لہروں میں چلنا بہت پسند ہے۔“ اس کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا ان کے درمیان ایک گہری خاموشی دوڑ گئی۔ وہ خاموشی سے کافی لمبا رہے تھے ان کے پاس صرف سیٹیاں بھائی ہواؤں اور آتی جاتی لہروں کا شور تھا۔

وہ قریب بیٹھا تھا اور اس کے لمبوس سے نکلتی دلاویز مہک ماحول کو محط کر رہی تھی۔ دونوں کے لب مضبوطی سے بند تھے لیکن دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے گو کہ جذبے ملحد و ملحدہ تھے۔

”تمہاری اس دن والی حرکت کو میں کیا نام دوں؟ تم کہتی ہو وہ مذاق ہے..... لیکن میرا دل اسے مذاق ماننے کو قطعی تیار نہیں۔“ وہ کافی ختم کر کے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے بے حد عجیب لہجے میں عجیب سی گہری ہنس تھی ایک کرب اور تڑپ تھی۔

”اسی مین میں تمہیں جھٹلانے کی سہی بالکل نہیں کر رہا میں صرف اپنی فیملی کو شہر کر رہا ہوں آئی تو میرا اپنی نیو شروع سے تمہارے ساتھ روڈ رہا ہے میں نے بھی ایسی صنف مخالف کو پسند ہی نہیں کیا جو بولڈ اور ایڈاؤس دکھائی دینے کے چکر میں اپنا وقار و تقدس مجھوں کر ڈالے۔“ وہ اس کی چلتی ٹکاپوں پوری شدت سے محسوس کر رہی تھی چونکا ہوا اٹھاتا نہیں جانتا تھا اب بلا جھجک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انشی اس کے لہجے کی تک کو اچھی طرح محسوس کر رہی تھی لگ رہا تھا چنانچہ اس دراز پر پڑ رہی ہیں اور وہ خود اعداد سے چٹان کی مانند سخت و بے چلک ہوئی جاری تھی۔ وہ اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی۔



دل باتوں نے کچھ اس انداز سے چوٹ کھائی کہ وہ یہار ہو گیا اور کچھ اس طرح سے نڈھال ہو کر پڑا تھا کہ اگر وہ کوئی خبر نہ پتی تھی۔

”انڈ جانے کس کی نظر لگ گئی میرے بچے کو باہر شادی کے شادیاں بے خبر رہے ہیں اور یہاں میرا بچہ بے سندھ پڑا ہے۔“ عمر ان کی آواز اس کی سماعت سے گرائی مگر اٹکھٹھولنے کی ہمت نہ ہو سکی۔

”یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے تم ہی ذمہ دار ہوا اس کی۔“ ایک عرصے بعد وہ یوں قریب ہوئے تھے مگر سر دلیجے میں گویا ہوئے۔

”میں ذمہ دار ہوں؟“ وہ نامن کی طرح پتہ نہ پتا تھا۔

”کیا کیا ہے میں نے..... کیا کوئی ماں اپنے بیٹے کی دشمن ہو سکتی ہے؟“

”ہاں..... تم جیسی مائیں ہوتی ہیں جو اپنی انا و ذات کے علاوہ کسی کی بھی پروا نہیں کرتیں..... تمہیں معلوم ہے بڑی کی یہ حالت کیوں ہوئی؟ ایسا بیمار وہ کبھی نہیں ہوا تھا تو دن میں ہو گیا۔“

”آپ ہی بتاویں میں ناظم ہوں اچھی ماں نہیں ہوں نہ.....“ وہ طنز آگیا ہوئی۔

”آج پیارے میاں کی جگہ زید سے سوہ کا رشتہ جز رہا ہوتا تو بڑی کی یہ حالت نہ ہوتی لیکن تم نے شخص اپنی نفرت میں اپنی تنگدلی کے باعث بے کواس کی خوشیوں سے محروم کر دیا۔“

”سوہ..... جو بہت اذیت دہی سیر کی ہو رہے کے لاش میں ہے اور زید نے بھی اس لڑکی کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا تھا..... اور دیکھتا بھی کیوں وہ یہ بات جانتا ہے کہ..... میں اس کی شادی اپنی بھانجی سے کر دی گی۔ عروہ لاکھوں میں ایک لڑکی ہے۔ سوہ منحوس کو میں اپنے بچے کی پر جھائیں سے بھی دور رکھنا پسند کرتی ہوں۔“

”سوہ منحوس..... اسے منحوس سمجھنے والے خود منحوس ہیں اور کسی قسم کی خوش فہمی میں مت رہنا..... عمران بیگم..... اگر زید کی

بیوی میری بیٹی نہیں بن سکی تو تمہاری بھانجی بھی نہیں بنے گی.....“ والدین کی سنگین تکرار نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا عروہ اس کے جاگنے کو نہ دیکھ سکے تھے۔

”آپ کو کسی خوش فہمی میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے مگر صاحب زید ماں کی بات ماننے کا میں نے ان کی خاطر قربانی دی ہے سو تنہا ماں کے ظلم سے محفوظ رکھا ہے..... آپ تو ہمیں چھوڑ کر مزے سے زندگی گزار رہے تھے حسب آپ کو یا نہیں آیا تھا کہ بچوں کے بھی کچھ حقوق ہیں؟ انہیں بھی آپ کی توجہ دیت چاہیے۔“

”تمہاری ان ہی جالوں نے مجھے بچوں سے دور رکھا تم نے جان بوجھ کر میرے سارے بچوں کے درمیان فاصلہ کھانا کہ بعد میں تم اپنی من مانی کر سکو اور تم نے من مانی کہتے کر لی اب نہیں کر سکو..... سوہ نہ کی لیکن اب زید کے لیے لڑکی میں اپنی پسند سے لے کرنا ہوں گا.....“

”میں بھی دیکھوں گی عروہ کی جگہ آپ کس لڑکی کو لائیں گے؟ پہلے دن ہی گردن دبا کر مار دوں گی اسے۔“ حسب عادت ان کی کھٹ پٹ جاری رہا معاف طور صاحب کی کال آگئی تھی وہ انہیں سوہ کی نصیحتی کے لیے بلا رہے تھے۔ کیونکہ وہ

مکتوبیت سے زید کی طبیعت دیکھنے لگے تھے اور یہاں عمران ان سے پہلے ہی موجود تھے۔

”خیر کم جہاں پاک جان بچو نے کی اس منحوس لڑکی سے بھی.....“ وہ کہہ کر گھر کے کھنکھائی گئی سب سے بڑی دشمن کو رخصت ہوتے دیکھنا ان کی اولین خواہش تھی۔ سوہ کسی خار کی مانند ان کی زندگی سے نکل رہی تھی وہ ڈرائیور کے ساتھ روانہ ہو گئی تھیں۔

”زید..... جیسی طبیعت ہے بیٹا؟“ وہ اس کے پاس چلتے۔

”فائن ڈیڈی..... پہلے سے بہتر نکل کر رہا ہوں۔“ وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

”یا چاچا کیا ہوا آپ کو کل دن میں تو ٹھیک تھے؟“

”مجھے خود پتہ نہیں چلا کہ چاچا کیا ہوا ہے لیکن آپ پریشان مت ہوں تلیا کی بار بار کال آرہی ہے آپ جائیں۔“

”ہوں..... میں رخصتی کے بعد آتا ہوں آپ اپنا خیال رکھنا۔“ وہ کہہ کر جگت میں چلے گئے وہ شاکر سا بیٹھا رہ گیا۔

ایک گھنٹے بعد شاہ زیب کی کال آگئی وہ دھکے لگے سوہ کے رخصت ہونے کی خبر سن رہا تھا..... پھر بھی یا سیلا لی ریلو جو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا تھا اور دل پہلو میں دھڑکنے لگا تھا۔ سب سے بڑی تھی وہ دھماکے مار مار کر لے ہوئے مسافر کی مانند رونے لگا۔

ہوئے مسافر کی مانند رونے لگا۔

(باقی آئندہ ماہ ماہ شاء اللہ)



www.eurduLibrary.com

http://pakfunpace.blogspot.com







محبت دیں جس کا تم نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔  
 ”کیا بات ہے تم مجھ کو لڑکی نہیں..... یا سارے سبق  
 میں ہی آج تمہیں پڑھاؤں گا.....“ جملوں کی شونی پر زبان  
 گنگ ہوئی۔ ”بہت خوبصورت لک رہی ہو..... اپنی  
 خوش نصیبی پر رشک آ رہا ہے سب کے سب ہمارے جوڑی  
 کے معترف تھے چاند سورج کی تشبیہات دے رہے تھے۔“  
 وہ مسکرا دی۔  
 ”آج تیسری بار تمہیں دیکھنا ہے وہی ہارسٹل کی طرح  
 ڈنڈے پارٹی پر دوسری بار.....“ وقت سرگ رہا تھا اور وہ  
 بدبو ش..... لہا جا رہی تھی۔ خوبصورتی اور بلند بختی عروج پر  
 تھی۔  
 ”لائٹ مت آف کریں.....“ اس نے بڑے ناز سے  
 کہا تھا۔  
 ”کیوں.....“

”مجھے ابھی آپ کو دیکھنا ہے جی بھر کے اپنی قسمت پر  
 رشک کرنا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔“ جواباً خوب  
 صورت تقبیلہ گونجا اور اس کا تن سن محبت کی چھوڑا میں بھیگ  
 گیا تھا۔

☆.....☆.....☆  
 سہل بے پریشی اور دیگر مصالحہ جات پیٹے ہوئے وہ  
 دہری ہوئی جا رہی تھی۔ معذوری کے باعث ایک جگہ پر گئی  
 ”اماں“ کی فرمائشیں اودھ موٹی کر دیے والی تھیں۔ اس  
 کے ہاتھ چل رہے تھے سہل پر اور ان کی زبان۔  
 ”ایسا سہل بنا بھی پورے خاندان میں کسی کے پاس  
 نہیں ہوگا۔ اللہ بخشے تمہارے مرحوم سرے کرائے تھے  
 تیس سال ہو گئے اسے ساتھ بھاٹے ہوئے۔ آج بھی اس  
 کی کارکردگی مائد نہیں پڑی دیکھو تو کیسے منوں میں پارک  
 مصالحہ سامنے آ رہا ہے۔“ انسان کے پسینے میں اٹے تھکے  
 ماندے وجود کی کارکردگی سے زیادہ سہل کی کارکردگی پر فخر  
 تھا۔  
 ”اماں..... میں بھیج میں گراؤں دمی لے کر لائی ہوں  
 آپ کہیں تو اس میں سب چیزیں ہیں دیا کروں نا تم بھی  
 نہیں کھو گا اور کام آسان ہو جایا کرے گا۔“ کمر در آئیں  
 سر کیسے بھی نہیں دے رہا تھا۔  
 ”کیوں تجھے کہیں کھانڈ پر جانا ہوتا ہے وقت کی بچت

کر کے۔ یہ تو آسانیوں والے کام کا مشورہ مجھے نہ دیا کر  
 اس موٹی ٹھن میں پیسے مصالحے کا بھی کوئی حزد ہوتا ہے  
 کیا۔ تین وقت کا کھانا بھی آ رہی ہے ڈانڈ کھائے تو کیا  
 فائدہ ڈرا سی محنت ہی لگتی ہے پر پیٹ بھر کے آدی کھانا تو  
 ہے نا۔“ زبان کا ڈانڈ انسانی مشقت پر جا رہی تھا۔  
 آٹھ نو بندوں کا کام نمٹاتے نمٹاتے وہ دھسے دن میں  
 ہی ٹھک جایا کرتی پھر بھی دس خان برادری اڑانے والے  
 دیور بات ہی بات میں اچھا جاسا اسے مسخر کا نشانہ بنا  
 جاتے اور تا صبر تو یوں کھانے پر نظر جمائے بھجار ہتا جیسے  
 ایک نگاہ غلط بھی ہوئی پر ڈالی تو اماں کی عدالت میں مستحب  
 ٹھہرے گا مگر والے اس کے کام اس کے سکے اور اس کی  
 سبید کی کوٹھ لے جاتے تھے اور وہ یوں گرد گھبراہٹ جاتا  
 جیسے اس سے کوئی تعلق ہی نہ ہو اس کا دل گراہتا پر دل کی  
 صدا میں کون سنتا ہے؟

☆.....☆.....☆  
 ”ارے جیٹا..... عقیدہ کو تو بچن سے نکال وقت بے  
 وقت تھکی جائے کون کون سی ڈشز پکا رہی ہوئی ہے۔ اب  
 برتن دھوئے کھڑی ہوئی ہے آج گڑی بھی اسے عروج پر  
 ہے برتن حیران دھو رہی اسے تو بخون ہے ہاتھ کے ہاتھ کام  
 نمٹانے کا۔“ ساس کے لہجے میں محبت کا سمندر تھا جس میں  
 رہا تھا وہ کھانے کے بعد شرم درازی وی پر گرام سے لطف  
 اندوز ہونے والے بیٹے سے مخاطب تھیں۔

”ای..... آپ بھی عجیب ساس ہیں ہر ساس تو یہ  
 جانتی ہے کہ ان کی بہو بچن کا ڈیکوریشن نہیں بن کر ہر وقت  
 بچن ہی میں ہی رہے..... اور ایک آپ ہیں۔“ وہ ہنس  
 سہو بچن میں برداشت ہی نہیں نکال ہے۔  
 ”میں ان ساسوں میں سے نہیں جو بہو کو لازمہ کار درجہ  
 دیتی ہیں وہ فرض بھائی ہے تو عزت کی حق دار بھی ہے جیسے  
 گھر کی بیٹی عزت و محبت کی مستحق ہوتی ہے اس کا کدھ میں  
 نہیں محسوس کروں گی تو اور کون کرے گا ماں تو ہے نہیں  
 بچا رہی کی۔“ وہ مسکرائی دھڑکی۔  
 ”مجھے اس گھر میں کوئی دکھ نہیں ای اس لیے میں اپنی  
 ساری تھکان بھی بھول جاتی ہوں اور کس نے کہا میری ماں  
 نہیں یہ جو ابھی بیٹے کر تجھے محسوس کر رہی ہے میرے حصے کی  
 محبت اور عزت کا حق دار مجھے ہمارا ہے یہ کون ہے.....“

ماں نہیں تو اور کیا ہے۔“ ان کے شانوں پر اپنے بازو پھیلا  
 دیئے۔

”نہیں جیٹا اس گھر میں بہت لوگ ہیں۔ سب کو ان  
 کے حصے کا کام کرنے دیا کر و تم اس کی جان کیا کیا کرو گی۔  
 ماشا اللہ کھانا بھی اتنا اچھا پکا لی ہو تو پانی کا دم دوسروں کے  
 چرہ درگزر۔ اس طرح ان کی عادتیں بگڑ جائیں گی میں نے  
 اپنے بچوں کی تربیت بھی اس طرح کی ہے کہ وہ عورت  
 ذات کو عزت کے قابل سمجھیں خواہ وہ ماں ہو بہن ہو بیٹی  
 ہو یا بھائی۔“

”جی مجھے معلوم ہے ای..... سب مجھ سے عزت و  
 احترام سے پیش آتے ہیں۔ مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں  
 بدلے میں میں انہیں کچھ آرام پہنچا دوں تو کیا برا ہے بلکہ  
 میرے دل کی خوشی ہے۔“  
 ”ماشاء اللہ..... قیمتی رہو خوش رہو..... اللہ سب کو  
 تمہارے جیسی بہو دے۔“ ساس نہال اور وہ خوشی سے بے  
 حال تھی۔

☆.....☆.....☆  
 ”اماں..... آج بھائے گھر جاؤں گی حسن کی سالگرہ  
 ہے بھائی نے رات ہی فون پر مجھے بتایا تھا۔“ کپڑوں کا  
 ڈھچرے حسن میں لگے گل کے نیچے بے چہرے پر وہ اپنی  
 سانس ہموار کرنے لگی۔ کپڑے ڈھنڈے والا کوٹھال سے ساس  
 کی طرف سے تحفے میں ملا تھا۔

”کپڑے پہننے پہننے ہاتھ شل ہو گئے تھے۔ دھوپ میں  
 گہری سا کوئی رنگت اور کئی شہو کا ہو کر اپنی قسمت کو رو رہی  
 تھی۔  
 ”لو بی..... گھر میں نہیں دالے اماں پلیس بھانے۔  
 کیا لے کر جاؤ گی بی بی اپنے پیٹھے کی سالگرہ میں..... خالی  
 ہاتھ تو میری لائی طبیعت کی بھانڈ رشتہ بچانے سے بھی  
 انکار کر دے گی۔ کہیں دو دروازے سے واپس نہا پڑے۔“  
 ساس کی باتوں کی زبھن کے نیل سے پاش کر لی زندگی  
 عجیب چڑانے والے انداز میں ہنس دی تھی۔ جو رات ہی  
 اپنے چھ بچوں سمیت ماں کی خبر گیری کو تشریف لے آئی تھی  
 جب سے سخت تھا اور دونوں ماں بیٹی کی کھسر پھسر۔ دو بے  
 لکھی سے کچھ کر رہی تھی۔

”بھانے پانچ سو روپے دیئے ہیں..... وہی دے

دوں گی۔“ اس کی آواز کی جوت بھی ماند پڑ گئی تھی۔ سکتے  
 سکتے اپنے اندر کا سوختہ پن بھی اب واضح طور پر محسوس  
 ہونے لگا تھا۔

”کیا..... پانچ سو روپے..... اماں؟“ نند نے پہلے  
 اسے اور بعد میں اماں کو دیکھا جیسے جرم جرم سرزد کرتے  
 ہوئے رکتے ہاتھوں پکڑا جائے۔ ”ابھی صبح دو دھ تک  
 کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں تھے اور اس تو اشک والی  
 بیوی کے لیے پیسے بھجوا کر چل پڑا۔“ اس نے ہاتھ پھیلا۔  
 ”زن مر رہی کہیں کا“ شکل سے میسٹی نظر آنے والی یہ  
 عورت اندر سے نئی تھی ہو گی مجھے پتہ نہیں تھا۔ کہاں رکھے  
 ہیں پیسے چل ناز و نکال کر لاؤ۔“ وہ ہراساں ہوئی کی  
 بیانی کتنے دنوں کے طعنوں مسکوں کے بعد ناصر نے نرم  
 اس کے حوالے کی تھی ساتھ اس کے چہرے پر انگلیاں کڑا  
 کر اس سختی کے ساتھ پکڑے ہوئے شہد کیا تھا۔

”کد آج کے بعد وہ اس عیاشی کا کھٹل نہیں ہوگا۔ نہ  
 رشتہ دار یاں بھانے کی اجازت ہو گی نہ پیسے ہاتھ میں ملیں  
 گے۔“ اس کی آنکھیں نکلیں پانیوں سے بھر گئیں۔

”اماں اس پار چھوڑ دیں آئندہ نہ جاؤں گی نہ پیسے  
 مانگوں گی۔ پلیز اماں..... ایسے نہ کریں۔“ وہ گڑ گڑائی۔  
 ”میرے بیٹے کی خون پسے کی کمالی تو ایک برائی کی  
 پلٹ پڑاؤں جا رہی ہے اور ابھی ہے میں کچھ نہ ہوں اور  
 بے شرم بھوج کو دیکھ جائے سرسرایوں کو بھی پوچھنے کے  
 صرف نند کو بالا ہی بالا دعوت دے ڈالی۔ ہم دیکھیں جو  
 صاف کر اٹے منوں میں تجھے اور نرم بنانے کے لیے  
 خاص خاص ہندو کو صرف بلا لیا۔ سالگرہ منانے کے پیسے  
 نہیں تھے تو نند کو بھیج میں ابھی چیزیں دینے کے لیے تھے  
 فقیروں کی طرح رخصت کر دیا بہن کو عیاد بھائی نے۔“  
 کوئی ایک چہرے دو شکار کرتے ہیں کی گئی شکار ہاتھ کے  
 ہاتھ بن رہی ہیں ناز و اس کی بتائی ہوئی جگہ سے پیسے نکال  
 لائی تھی۔ اس کے آسٹوٹ کوٹ کر کپڑوں میں جذب  
 ہوتے رہے۔

”اب تو جو نو اسایا نوا سی چیز کے لیے پیسے مانگتے آ رہا  
 تھا“ کھلے ہاتھوں سے اماں دے رہی تھیں سب کے سب  
 خوشی سے چمک رہے تھے اور وہ نصیبوں جلی تیزی سے  
 رات کے آئے انتظار کر رہی تھی۔



”مجھے تم سے بہت شکایت ہے اب اگر اللہ نے اتنی صبر و شہدائت کر دی کہ ساتھ دے دی دیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں تم اس کی آنکھوں کے خوب نوح و الزا اس کی ترسواں کو بچھنے اور ماننے سے انکار کرو اب ضروری تو نہیں ہر بات کا اظہار وہ مذکور کر کر کے جب وہ نہ کہے جانا سکے ہر ایک کی ضروریات کا خیال رکھ رہی ہے تو تمہارا کئی فرض ہے کہ اس کی ان ہی خواہشوں کو سمجھو.....“ ماں جی اس کے پیچھے ہی پڑ گئی تھیں۔

”اب کیا ہو گیا ماں جی۔۔۔ اب تب کی بہو کے کس حق کو پورا کرنے میں میں نے غفلت برت دی ایک بات تو جانتی ہیں اب آپ میری ماں ہیں یا اپنی بہو کی..... جس وقت دیکھوں اس کے نام کی بالا چہنہ میں مصروف ہیں۔“

”میں مذاق کے موڈ میں نہیں تین چار میٹھے ہونے کو آئے ہیں تم اسے آج تک کہیں کھانے لے کر گئے اس کی بھابھیاں کہاں کہاں سیر سہانوں کے لیے لنگی راتی ہیں تو کیا اس کا دل نہیں چاہتا ہوگا کہ وہ بھی تمہارے ساتھ کہیں گھومنے پھرنے نکلے سب کچھ ”کام“ ہی نہیں ہوتا زندگی میں انسان کے جذبات سے زیادہ کوئی چیز قیمتی نہیں جس کی قدر تم نہیں کرو گے۔ تو اور کون کرے گا سارا دن بس ایک پاؤں پر کھڑی سب کی فرمائشیں پوری کرتی رہتی ہے۔“ وہ جگن میں کھڑی اپنے مقدر پر نازاں تھی۔ ایک ایک لفظ ساعت میں امرت بن کر اتر رہا تھا۔ پھر وہ دنیا کے سب مردوں سے زیادہ محبت کرنے والا شوہر کہاں کہاں اسے گھمائے نہیں لے کر گیا۔ وہ جیروں شائیکہ کرائی۔ وہ گلاب کی مانند گل اٹھی بھی خوب صورت تو تھی ہی شوہر کی محبت نے حسن کو دوآ تھ بنا دیا تھا کتنی حسین زندگی تھی۔ اس سے سب مطمئن تھے اور وہ سب رشکوں سے شاد.....

گزرے لمحوں نے جو لڑیاں سی بھولی میں ڈالی اسے من کر رکھنے ہارے مسافر نے حیرت سے اسے دیکھا اس کے سانولے چہرے پر مستا کی غلاحت دکھوے لے رہی تھی۔

”ابھی تو شادی پر خرچ کیے جانے والے اخراجات کا قرض نہیں اتر پایا ہے کہاں یہ چھٹھٹ۔“ ہر پل ایک تازہ

دھم ہی تو اس کا منتظر تھا۔ زندگی کتنے ہی انقلاب لے آتی اس کے چہرے کی سہاوی کی طرح مقدر کی کالک بھی چھٹنے والی نہ تھی۔ لگ رہا تھا گھر میں صف ماتم بچھ کر ہنر کوئی اپنی اپنی جگہ کنگ تھا خود غرضی کے رنگ میں رستے لوگوں کے لیے یہ خبری بہت پریشان کن تھی۔

”اتنی سی عمر میں میرے بچے کے کندھوں پر بھاری دھندلوی آن چکی۔ اتنی بے بسی اتنی جلدی اس کی شادی کے حق میں نہیں تھی۔ وہ تو کم بخت بخش پیچھے پڑ گئی تھیں۔ مگر نہ ابھی یہ خوش باش زندگی گزر رہا ہوتا۔“ ساس نے دوا دیا تھا وہ اپنی جگہ چہ رہی تھی جیسے گناہ کی پست بھولی میں لیے بیٹھی ہو۔

”واللہ..... ان تانہ روں کو اتنی جلدی یہ خوشی دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“ گرم گرم آنسو بہت کر آنکھوں سے بہنے لگے۔ ”وہ تان کو جو بھولی پھیلا پھیلا کر سوئی گود کے آباد ہو جانے کی دہائیں مانگ رہے ہیں۔ مزاروں اور بیروں فقیروں کے درگاہ کی دھول بن بیٹھے ہیں اس آرزو نے لوگوں کو کمر اُٹھایا پر مجبور کر دیا ہے۔ ابھی پرانا گرم کروٹا کیا ضرورت تھی یہاں بن مانٹے برکھا برسائے کی تھی دامال کو پناہ سہا رہے دیتا۔“ خواب گاہ آج چھڑا دیا تھی روشن تھی۔ جتنی کاری غرب ہوئی اتنی ہی جگر جگر کرنی یہ دنیا آباد ہوئی۔

اس کے تو قدم جیسے ہوا میں معلق ہوتے جا رہے تھے کئی بار ہاتھوں کے حلقے میں لے لے وہ گھوم گیا تھا۔ وہ مصیبتی جا رہی تھی۔ وہ گھبرا کر کچھ شرمائے بار بار چہرہ ہاتھوں میں چھپاتی تھی۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا دوبارہ کہو..... مجھے یقین دلاؤ کہ ہماری دنیا میں نت نئے پھول کھلتے جا رہے ہیں۔ کہیں خوش تو نہیں دیکھ رہا اتنی جلدی اتنی بڑی خوش خبری دلاؤ کہ اتنی بناؤ بے بس کیا جائے نہیں جو مانگو وہ تمہیں ملے گا۔“ وہ دوا دیا تھا۔

”سب کچھ تو مجھے مل گیا ہے اب اور کیا چاہیے آپ سے مجھے.....“ وہ مسکراتی تھی۔

”چلو ٹھیک ہے..... میرا تم سے وعدہ ہے زندگی کے کسی بھی لمحے تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دوں گا۔ ہر پل تمہاری خوشیوں کی ضمانت دیتا ہوں میں۔ اتنا سکون

اور اتنی محبت دوں گا کہ تمہارا دامن تنگ پڑ جائے گا۔“

وہ جیسے ہوا میں اڑنے لگی تھی۔ مگر میں سب ہی بہت خوش تھی۔ ہر وقت آنے والے مہمان کے لیے لاکھ عمل مرتب ہوتے نہت نئے نام سوچے جاتے۔ اس کے لیے الگ کمرہ بنانے کی تیاریاں ہوتیں۔ وہ کوٹنے میں سگری کٹنی مسکرائے جاتی۔ ساس کے لیے وہ خوش کھانے کی تیاریاں کرتی تھیں جو حاصل کرنے جا رہی تھیں۔

”پوتا ہو یا پوتی سب اس گھر کی رونق اور ہمارے دلوں کا چین ہوں گے۔“ سب ماں جی کی اس بات سے متعلق تھے اس گھر کی خوشیاں کا کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔

اس کی طبیعت اس روز بہت خراب تھی۔ کسی کام کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کمزوری اور نقاہت سے برا حال تھا۔ اس نے باہر سے اپنی طبیعت کی خرابی کا کہا تو اس نے ایسے دیکھا جیسے پولیس تفتیش سے قبل مجرم کا جائزہ لیتا ہے۔

”ابھی شروع کے ہی دن ہیں اور تمہاری ڈرامہ بازی کا آغاز بھی ہو گیا۔ رات بھر کی نہیں کیا آگئیں تم کام سے بچنے کے بہانے دھونڈنے لگیں۔ حالانکہ وہ تمہاری ہی خبر گیری کو آتی ہیں۔“ اس کے سینے میں دل نہیں پتھر تھا۔ حالات کی ستم ظریفی اور جاہلانہ طرز روش نے اسے انتہائی حد تک مضمحل بنا دیا تھا۔

”اسکی بات نہیں ہے نامہ..... میری طبیعت واقعی ٹھیک نہیں چکر کچھ ٹھیک کر کے لگائیں ہونے دے۔“ وہ تنہا کام سے میں پیچھے آتی ہوں۔“ اس کے دل میں ہول سی ابھی ساری سیمیں بیچ بچوں کے ساتھ سارا دن بھی بہن بھائیوں سے ہلسی فصول کرتی رتیں لپاں کے کان سے لگی رتیں اور وہ سب کی خاطر دلوں میں کس پھر رہی تھی۔

”ابھی اس میں.....“ ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

”زیادہ احسان جتانے کی ضرورت نہیں۔ سب ہی عورتیں کرتی ہیں۔ تم کوئی انوکھی نہیں جب دیکھو کام کام کرنا روٹی رتیں ہو۔ اس گھر کی بہو ہو تم اونچ نیچ نہیں سنبھالو تو کون سنبھالے گا۔“ انان نے سختی سے منع کیا تھا کہ عورت ذات کی کسی بھی بات پر اعتبار کرنے سے ورنہ شوہر بے مول تک جاتا ہے۔ سو یہ بات اس نے گرو میں باندھ لی

تھی۔

وہ سارا دن محسن لٹو کی طرح چکراتی رہی اور کام میں جتی رہی۔ کوئی اس کا درد میں اتنا وجود دیکھنے والا نہیں تھا۔ ماں باپ کے بعد اس کی بہتی گھر میں بے کار اور نا کارہ سامان سے اسے ایک پورے کی طرح تھی جیسے موقع ملے ہی انہوں نے بنادیا ساتھ بیکہ بھی کی۔

”جیسے بھی حالات ہوں اب گزارا کرنا تمہارا کام ہے۔“ جانی تو کہاں لہو لبان جذبات آشکار کرتی تو کس کٹا کرے۔

کتنے ہاتھ لے وجود کو رات میں جب بستر صبر آتا تو سب خون خرو سکرا اٹھے تھے۔ ایک بیک وقت تو تھا جب وہ جی اٹھی تھی۔

شہر کا سب سے مشہور گانا کولو جسٹ کے پاس اس کا نام لکھوایا گیا تھا۔ باقاعدگی سے اس کا چیک اپ ہوتا۔ آنے والے وقت کی ہدایات دی جاتیں کھانے پینے کا خیال رکھا جاتا۔ ہر اس کا کچھ کھانے کو بھی نہیں چاہتا۔ شوہر اسے ہاتھوں سے چمک کٹ کر کھاتا جو سڑکا انا کا دیتا پڑوہ کسکندہ سے پڑی رہتی۔

”دیکھو تم کھاؤ گی اپنی کچھ تو اپنے ساتھ ساتھ میرے بچے کی صحت کے ساتھ بھی ظلم کروں گی یا انہیں ڈاکٹر نے کیا کہا ہے کمزوری بہت ہے۔ ہر وقت تمہیں کچھ نہ کچھ کھانا دے۔“ سب کی قاش اس کے منہ میں رکھتا وہ ناک بھونچ رہا تھی پرو دیکھیں مانتا اس کے ہر اٹھتے قدم کا وہ تو کیا کھر لے لے ہی خیال رکھتے وہ چڑھ بھی جاتی۔

”آپ لوگوں نے ہونا بنا کر رکھ دیا ہے مجھے۔ دنیا کی عورتیں اس مسئلے سے گزرتی ہیں پتا پ لوگوں نے مجھے کوئی انوکھی چیز بنا کر رکھ دیا ہے۔“ مصیبتی تھی اور اس میں خوشیوں کے ٹکڑے لٹکے۔ سیت اپنے سامنے کی بے کی خوب صورت تصویر پر نگاہ جاتی۔

”تم ہو جانی انوکھی چیز میرے لیے سب سے قیمتی گوہر نایاب۔“ اس کی تندیس آئیں تو پاؤں بھی زمین پر نہیں اتارنے دیتیں۔

”بہت کرلیں ہماری خدمتیں اب ہمیں موقع دو کوئی ضرورت نہیں پہلے کی طرح بھاگ بھاگ کر گھر بجالانے کی



اب تم ریٹ کر دسب اپنا اپنا کام خود کر لیں گے۔“

چاہتوں کے دیپ جلتے تھے اس گہری مندیوں پر جذبوں کی قدر کرنے والے لوگ ضرور تھے۔ انسانیت کا تاج فخر سے سروں پر سجائے یہ لوگ بہت دل کے قریب تھے کیونکہ دل میں اٹھنے والی ہر دلی ہر سے واقف ہی نہیں تھے بلکہ یہ اوا بھی سینے پریشان کن وجود کو اپنے محبت بھرے لہس سے تسلی دیتے، زخموں پر چھائے رکھتے، جس سے کمرہا ہوتے ذہن بھی راہ راست پر آ جاتے۔ کیا کہاں تھا ان لوگوں کے پاس؟ وہ تو سیکے جانے کی آرزو بھی نہیں کرتی تھی۔ حالانکہ یہ حد خنوں کے چٹ سے وہ آتی تھی۔ پر یہاں شوہر کے قصور کی چھپ سننے کا لہری ہنسنے اور تھنا اس کی بارعب اور شان سے جینے کی ادھر مرشے میں ہی اپنی غایت سمجھنے والی اس لڑکی کا شمار کوئی پوچھتا۔ وہ بڑول نہیں تھا، مسکری طرح۔

یہاں سب اس گھر کے بچے کو عزت دیتے اور اس کی بیوی کو پورے وقار و احترام کے ساتھ جینے کا ماحول فراہم کرتے۔

☆ ☆ ☆

اس کی آنکھیں بے آب ہو گیا بھگتیاں کی طرح سوچی پڑی تھیں، ہونٹوں پر پڑی چڑیاں خوشیوں کی کوئیل کے سوکھ جانے پر علی الاعلان سب سامنے چہرے پر زردیاں بھی مائل کر اسے اور بے حال بنادی تھیں اس کی زندگی میں در آنے والی پہلی خوشی نے بھی اس کے نصیب کا حصہ بننے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ چلے کپڑوں کی بھری بائلی پر اترام عائد کر دیا گیا تھا جو وہ افکار میز حیاں چڑھ رہی تھی اور پاؤں پھسل کر اس کے مقدر سے ایک اور تھیل تھیل گیا تھا۔ فرد جرم نہ عائد ہو سکا۔ سفاک انسانوں پر جو قیامت کبھی ہے تھی اس کے گرنے کا سانس سخت پریشانی وادہ لایا تھا۔

”ارے اسے خود شوق تھا بھاگ بھاگ کر اوپر جانے کا اور نہ سامنے و پورا اور منہ بھی کیا بائلی اور نہیں پہنچا سکتی تھیں۔“ نامرکھ تادیکہ کران کی آواز میں اور درد لافٹا تھا۔ جانے کب اور کس طرح اسے ہاسٹل پہنچا گیا اس کی تو بس یہی خواہش تھی کہ دوبارہ وہ زندگی کی طرف نہ آئے اور یہ حسرت حسرت ہی رہ گئی۔ ڈاکٹر نے آ کر بتایا

تھا کہ وہ زندگی کی اصول خوشی سے محروم ہو گئی ہے۔ اس کا کلچر پھٹ گیا تھا۔

”کوئی بات نہیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری زندگی رہی تو یہ مرحلے آتے رہیں گے۔ اب اپنا خیال رکھنا۔“ ڈاکٹر نے اسے یوں کہتے میں دیکھ کر تسلی دی اور باہر چلی گئی اس کے زخمی نگاہوں سے ناصر کو دیکھا۔

”یہ مرحلہ اب زندگی میں آئے گا تو اپنا خیال رکھوں گی ناں۔“ ناصر نے زخمی نگاہوں کی شہادت لیے اپنی نصف ہنسنے کو دیکھا۔

”پہلے ہاتھوں اس خوشی کا گھما گھمنوں کی بجائے اس کے کوئی اور قائل بنے۔ یہ فریضے میں اپنے ہاتھوں سر انجام دوں گی۔“ وہ کھلی کھلی آواز میں چلائی۔ ناصر اپنی جگہ حیرت زدہ رہ گیا۔

بڑا رشتاقتوں کے باوجود زندگی کا یہ موڑ اسے کچھ بھایا

نہیں جانے انجانے میں ہی سہی وہ تصور میں ایک بچے کے ننھے ننھے ہاتھوں اور پیروں سے کھینچے لگا تھا۔ روٹی کے گالوں جیسے چہرے کو اپنے لبوں سے چھونے کا تھا۔ یہ موڑ اسے سوچ کر گھبرا گیا تھا جس کا احساس اسے اس وقت نہیں ہوا تھا جب یہ ستار عزیز خدا اسے بن مائے سوچ رہا تھا۔

اب ہوا جب وہ ناشکری اور تقدیر کے نتیجے میں لٹ گیا وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ عقیقہ کا سنگ نہ تو اسے چھوٹ گیا تھی۔

روز خوابوں کی گہری مجھے آ یاد کرتی ہوتی، روز و کرا نکھیں سورج مٹی نہیں۔ کیا کرتی خوب صورتی اور بد صورتی کی شکلیں ہی الگ الگ ہوتی ہیں ناں بڑول تو ایک ہوتا ہے جس کا کوئی رنگ نہیں ہوتا اسی ”دل“ کی صندی خواہشات سے تنگ آ کر روز بستر میں لیٹ کر میں پنوں کی دھامیں کھرجانی چہاں میں خوب صورت تھی ایک محبت کرنے والا شوہر تھا اور محبت ماننے والے لوگ تھے چہاں میں نازاں و فرحاں تھی۔ بننا نکھوں سے پنوں کی یہ بچا سجاتے ہوتے مجھے نیند جاتی اپنی باتنامہ رز دوں کا حاصل اسی دنیا کو میں سمجھتی رہا آج۔ آج میری یہ گہری گہری جڑ گئی جب میری گود موتی کی موتی راہی۔ ناصر مجھے یقین آ گیا کہ بد صورت لوگوں کے کوئی خواب بھی نہیں ہوتے۔ اپنا حال دیکھئے یا پیش قیمت خواب دیکھئے کا بھی مجھے کوئی حق نہیں۔“

کمزور وجود کے ساتھ بولتے ہوئے وہ تھک سی گئی تھی دوبارہ بچے سے تنگ لگ گیا ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ آنسو مڑگاں گود یا سست بچہ کروچیں مقیم ہو گئے تھے۔

وہ تھکا ہارا مسافر اترام اور اس کے پاس سفید بستر پر جا بیٹھا جس میں ایک نئی حرارت کوندی تھی اور دل میں ایک مضبوط جذبہ الہا یا اس کی پیشانی پر اسے بالوں کو سنوارا۔ اس کی پلکوں پر سبجے مولیٰ گودھنکارا بھی یہاں نہ باؤبوں کے لیے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں سجا کر اپنی اس محبت کا یقین دلایا جواب بھی ختم نہ ہونے والی تھی۔ اس کے کونے ہونے والے پر پر پر کی لپٹا پٹی ہوتی ہے یقینی سے اسے دیکھا تو اسے اپنے پنوں کے سمجھا جیسا پایا۔

”مجھے معاف کر دو۔۔۔۔۔۔ جو ہوا اسے مجھوں جاؤ۔ یہ زخم صرف تمہارا اثاثہ ہی نہیں میں بھی مر گیا ہوں اس کے اثر سے۔۔۔۔۔۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔“ کہیں گھر میں تمہارا وہ مقام ہے کہ جس کی حق دار ہو سب صبر کی بڑ دلی کی وجہ سے ہو ہے تائی نہیں چلا سکتی دھڑکی اور دھڑکی کے دو پاؤں کے چچ پچے پچے کب تم سے محبت ہو گئی عقیقہ۔ آج اس حادثے نے تمہارے مقام سے مجھے روشناس کرایا اور وہ میں تو گمراہ ہی رہتا۔“

”واہ۔۔۔۔۔۔ صر صاحب واہ۔۔۔۔۔۔ اولاد کا کچھ مجھے میری حیثیت کا یقین کرا گیا۔۔۔۔۔۔“ وہ زخمی دل سے مسکرائی۔

”وگرنہ میں تو آج بھی ایک ملازمہ رہتی بیوی نہ بن سکتی

ایک۔۔۔۔۔۔ چھتاوار اتنی محبت نہ بن سکتی۔“ پہلی رات کا دکھ آنکھوں آن سلا۔

”ہاں یہی کچ ہے۔“ اس نے ایک گہری سانس لی۔ ”کم ظنوں کو ٹھوکر ہی اس کی کم ظنری کا احساس دلاتی ہے کیا ہی اچھا ہوتا ک آج میں۔۔۔۔۔۔ آپ اور ہمارا بچہ بھی اس خوب صورت احساس کے ساتھ جی رہا ہوتا۔“ ٹولنے دل کی کرچیاں سنبھالی نہیں جاری تھیں۔

”اس کا ملال تو ساری زندگی رہے گا۔ پر ایسا وقت زندگی میں اب ضرور آئے گا جہاں سکون کے پائل ہمارے سروں پر تعینات رہیں گے۔ میں ضامن ہوں تمہارے انسان اور محبت کا۔“ ہاتھوں کی منہ ڈاگرفت میں اس کے سر ہاتھ لیے وہ یقین دار باقہا اور وہ اعتبار کی پہلی میز جی پر قدم بٹا رہی تھی کاب بننا نکھوں سے پنوں کی دنیا آباد نہیں کرتی ہوگی۔

اس کے خوابوں کا شہزادہ تعبیر لیے اس کا شہر ہوگا۔ اس حقیقت کی دنیا میں ایک گل کو تنہا سا بچہ بھی اپنی تقلار یوں سمیت اس کی ساری توجہ کو اپنی جانب مبذول کرا لے گا۔

ناصر کے دونوں ہاتھ اس کے آنسوؤں سے بھر گئے تھے۔ وہ اسے مکمل کروانے دے رہا تھا پھر بیٹھ مسکرانے کے لیے کیونکہ وہ بھی تو زخمی تھا اپنے ہاتھوں دو خود کا تاحل بنا تھا۔ اس نے سفاکی اور بہت دھڑکی کے سارے ہتھیار بیک دے دیے تھے جو خود اس کے وجود کو کوبہاں کر گئے تھے۔ اس کے گلے بے سلمان کوسیت کراب اسے سہارا دے کر بیڑ سے اتر رہا تھا۔ ہمیشہ کا سہارا بننے کے لیے۔





# اسکائی

ششما کوثر سردار

A woman with long, dark, wavy hair is shown from the waist up. She is wearing a dark-colored sari with a wide, ornate gold border featuring a repeating floral or paisley pattern. She is also wearing a matching gold necklace and large, ornate gold earrings. Her right hand is raised near her face, and her left arm is extended outwards. The background is plain white. There is a faint, diagonal watermark across the image that reads 'www.gossamer.com' in a stylized font.

(اب آگہ پڑھیے)

”بات اصول کی ہوتی ہے اور اصولوں پر سمجھوتہ اماں جان سے کبھی ہوا نہیں، ہم نے رشتوں کو اپنے مقام پر رکھنے کے







صاحب زادے کی سمت دیکھا۔  
 ”کیا آپ فاطمہ کی طرف کوئی دانشمندی یا محسوسات رکھتے ہیں؟“ ان کا سوال وقار کو حیران کر گیا مگر انہوں نے فوری طور پر جواب نہیں دیا اور دھیمے سے انداز میں مسکرا دیے۔

”ابا جان! ہم سمجھ نہیں پاتے آپ کہنا کیا چاہتے ہیں معذرت خواہ ہیں آپ کے سوال کا اصل مدعا جاننے سے قاصر ہیں ہم گشتی معارف مگر ہم واقعی سمجھ نہیں پاتے آپ کس بابت دریافت کر رہے ہیں۔“ وقار نے حیرت کو ایک طرف رکھ کر محنت سے کہا ”نواب صاحب نے سر ملایا۔“  
 ”در اصل ہمیں لگا ہوا تھا کہ آپ کی جذباتی وابستگی یا کوئی ربط ان سے جڑ گیا ہو تو جو ان سے بچے ہم بزرگوں سے الگ سوچتے ہیں اور ان کے عمل مصلحتوں کے پابند نہیں ہوتے۔ وہ عمل اور سوچ دونوں میں شفاف ہوتے ہیں۔“ نواب صاحب نے بات واضح کی۔ وقار مسکرا دیے۔

”بجائے آپ نے ابا حضورؑ کو بڑے بڑے نوجوانوں کی ان خصوصیات کو ماننے سے انکاری ہوتے ہیں اور ان کی صلاحیتوں کی نفی کرتے ہیں۔“ وقار کے بچے پر نواب صاحب نے سر ملایا۔  
 ”بہر حال سنے خون کے جوش و دلو سے انکار ممکن نہیں اگر کوئی نفی کرتا ہے تو بات ایسی ہی ہے جیسے کوئی نکلے ہوئے آفتاب کو دیکھے اور اس کی روشنی سے انکار کرے۔ ہر کی دراصل ہمارے اندر ہوتی ہے مگر کسی کی صلاحیتوں کا انکار نہیں کرتے ہم اپنی منفی سوچ کے تحت ایک ذریعہ میں جی رہے ہیں لیکن کسی کی صلاحیتوں کی نفی خودی نفی ہے۔“ نواب صاحب نے حتمی انداز میں کہا۔ وہ روشن خیال تھے اور زمانہ شناس بھی۔ انہوں نے دنیا دہی بھی اور ان کو انسان کی پہچان کی وقار اپنے والد محترم کی خصوصیات کے قائل تھے۔ ان کے درمیان ایک لمحے کو خاموشی رونما کی نواب صاحب کسی سوچ میں غلطیاں دکھائی دیے اور وقار خاموشی سے بیٹھنے ان کے بولنے کے منتظر رہے۔

”ہم آپ سے ایک مددے پر بات کرنا چاہتے تھے وقار.....“ وہ گویا ہوئے اور وقار نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے سر ملایا۔

”ہم محدود رشتوں کے ساتھ زندگی جی رہے ہیں مگر ہم رشتوں میں دیواریں اٹھانے کے قائل نہیں۔ رشتوں کی مٹھاس اور خوب صورتی اس میں ہے کہ رشتوں کو ان کے تقدس کے ساتھ سمجھا جائے اور عزت دی جائے۔ رشتے جس خلوص اور توجہ کے تحت ہوتے ہیں ان کو وہی جائز مقام دیا جائے ایسے میں رشتوں کے درمیان کا خلا بھرتا ہے اور دیریاں سینے لگتی ہیں۔“ انہوں نے تنبیہ باندھی۔ وقار خاموشی سے والد محترم کی بات کو سن رہے تھے۔ اس بات کا اندازہ تو انہیں ہو گیا تھا کہ ان کے پاس کہنے کو یقیناً کوئی بڑی بات ہے ورنہ وہ اس طرح تنبیہ نہ باندھتے اور وہ اس بات سے بھی واقف تھے کہ وہ ان کے ساتھ کبھی جھوٹ نہیں بولتے ان کے درمیان بہت شفاف رشتہ تھا۔ سو وہ اپنے والد محترم کو بہت اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ یہ اعتدال پسند سوچ اور معاملہ بندی ان کی طرف سے ہی کی گئی تھیں۔

”تاج بیگم نے بلوایا تھا ہمیں جو مدعا انہوں نے فاطمہ بی بی کی تعلیم کو لے کر اٹھا تھا ہم اس میں اصرار دے دیے کی غرض سے گئے تھے۔ ہم نے فاطمہ پر لگائے جانے والے الزامات کے نتیجے میں ان کے ساتھ آپ کا رشتہ رکھا مگر وہ ایک دم خاموش ہوئے۔ وقار یک دم چوکے تمام معاملہ کسی قدر ان کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔ جس طرح فاطمہ کے گھر خاموشی تھی جو سکون تھا وہ خاصا پر اسرار لگا تھا۔

”آپ کو اندازہ نہیں وقار! آپ کی ایک حفاقت کی سزا وہ لڑکی کس طرح بگھڑ رہی ہے۔ تاج بیگم کو تو جیسے ایک موقع چاہیے تھا انہوں نے آپ کے اس اقدام پر آپ سے تو کوئی باز پرس نہیں کی مگر انہوں نے اس بیچاری لڑکی پر خوب

کچھ اچھائی آپ کا فاطمہ کو ملنے کی غرض سے بلا تاقیداً ایک بڑی حفاقت تھی وقار! حق..... آپ کو ایسا اقدام کرنے سے قبل سوچنا چاہیے تھا ناظم الدین کا گھر انہوں نے تو بڑھا رکھا ہے مگر وہ بیٹیوں کی تعلیم کے خلاف ہیں اور ہمیں جب خبر ہوئی کہ وہ فاطمہ کی تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھانے سے روک رہی ہیں تو ہم نے فاطمہ کو گھر میں رہ کر پڑھانے کے لیے آپ کا نام تجویز کیا اس تجویز کا مقصد آپ پر بے پناہ اعتماد کا ہونا تھا۔ ہم نے ابا جان کو کسی نہ کسی طرح راضی بھی کر لیا تھا مگر آپ کے ایک چھوٹے سے اقدام نے سب ختم کر دیا۔“ فاطمہ جس سب سے گزر رہی تھی اس کا اندازہ میں یا آپ نہیں کر سکتے تھے فاطمہ باخوبی اس کا اندازہ کر رہی ہیں۔ ”نواب صاحب خاموش ہوئے تو وقار ان قدرے شرمندگی سے سر جھکا گئے۔

”ابا حضور! ہم انسان ہیں بندہ بشر میں فرشتوں والی صفات پایید ہیں مگر بخدا ہمارا ارادہ کوئی غلط نہیں تھا ناہماری نیت میں کوئی فتور تھا! ہم صرف فاطمہ کو دیکھنا چاہتے تھے آپ کہہ سکتے ہیں یہ تجسسانی ظلم جو بندہ بشر کی طبیعت کا حصہ رہا ہے۔ ہمارا ارادہ فاطمہ بی بی کے لئے ان کو وفادار کرنا تھا۔ ان کے کردار پر کچھ اچھا نہ تھا۔ وہ مردہ رہی تھیں ایک بار دم نے جھٹک دیکھی تو انہیں دیکھنے کا تجسس ہوا سب سے ملنے کی شرم کا دکھائی دیا۔ ہم نے جس میں ہم سے غلطی ہوئی اس حفاقت کے لیے ہم شرمندہ ہیں! ہم نہیں جانتے تھے کہ فاطمہ کی دادی جان اس واقعے کو اس قدر غلط رنگ دیں گی۔ ہمیں اس کا اندازہ ہوتا تو ہم فاطمہ کو کسی اس ملاقات کے لیے نہ لے آتے“ مگر ہم اس غلطی کی سزا اچھتے کو تیار ہیں آپ جو کہیں گے ہم کریں گے ابا حضور! وقار! حق نے سر جھکا دیا۔ نواب صاحب نے نیچے کی جھکی ہوئی گردن کو دیکھا اور قدرے نرمی سے بولے۔

”مگر ہم نے جو مل تجویز کیا وہ بڑے مستحاج بیگم کو پسند نہیں آیا.....“ ان کا لہجہ صبر اور یاسیت بھرا تھا۔ وقار! حق چونکے۔ ”معاذ کیا ہے ابا حضور! دادی جان کیا چاہتی ہیں؟“ وقار! حق جاننے کو بے تجسس ہوئے۔ نواب صاحب قدرے توقف سے گویا ہوئے۔

”ہم نہیں جانتے تاج بیگم کے دماغ میں درحقیقت کیا چل رہا ہے مگر ان کا کہنا ہے کہ اگر فاطمہ کا نکاح اس صورت میں ہوگا تو آپ سے نہیں! ہم سے..... انہوں نے فاطمہ کے لیے ہمیں چنا ہے۔ وہ چاہتی ہیں ہم فاطمہ کو نکاح میں لیں۔“ وقار چونکے۔

”کیا.....؟ تاج بیگم اس طرح کیسے سوچ سکتی ہیں؟ اگر بدنامی کا باعث ہوتے ہیں تو پھر اس کا سد باب بھی ہمیں ہی بننا چاہیے گا آپ کو جتنا آپ کی عمر اور فاطمہ کی عمر میں کمی تھا ہے اور فاطمہ کے والد آپ کے بہت قریبی اور پرانے رفقاء میں سے ہیں۔“ وقار! حق ششدر ہو گئے۔

”یہ تو ہم نہیں جانتے تاج بیگم ہمارا انتخاب کیوں کر رہی ہیں مگر ان کے ارادے نیک نہیں لگتے۔ وہ یقیناً فاطمہ کو سزا دینا چاہتی ہیں اور ان کے لیے ان کی عمر سے بڑے شخص کا انتخاب کر کے ان کے چلو سے باندھنا چاہتی ہیں۔“ وقار! حق ابا حضور کی بات پر کسی قدر سمجھوتہ کا شکوہ رکھنا شروع کیے۔

”ابا حضور..... ہمیں انہوں نے ایک لڑکی کی زندگی بھر حفاقت کے باعث اس درجہ مشکل میں گھر گئی۔ ہمیں ان سے ہمدردی ہے۔“ وقار! حق دھیمے لہجے میں بولے۔

”جیہا..... ان کو آپ کی ہمدردی کی نہیں ساتھ کی ضرورت ہے۔ ہم تصور کیے بیٹھے تھے آپ کو فاطمہ بی بی سے عشق ہو گیا ہے سو آپ سے ایسی حفاقت سرزد ہوئی۔“ نواب صاحب نے قیاس کیا۔ وقار نے یکدم نفی میں سر ملایا۔

”نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں ہمیں فاطمہ بی بی سے عشق نہیں ہوا! ہم دل میں ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتے آپ تو جانتے ہیں ابا جان! ہم اس لمحے ماحول کا حصہ نہیں..... مذہم عشق جیسی خرافات پر یقین رکھتے ہیں۔“ نواب صاحب نے صاحب زادے کو بخیر دیکھا۔



”ہم آپ کا مزاج سمجھتے ہیں صاحب زادے، مگر آپ فاطمہ کا مزاج شاید نہیں سمجھ پائے۔ بہر حال اس مسئلہ کا کوئی حل تو نکالنا ہوگا ورنہ ہمیں بچھڑنا پڑے گا۔ میں جتنا ہوگا کہ ایک کم عمر بچی کی زندگی اس صداقت کے باعث برباد ہوئی اور ہم کوئی عدد نہیں کر پائے۔“ نواب صاحب متفکر دکھائی دیے۔

وقار الحق خاموش رہے۔ اپنا آپ مجرم سامعوں ہوا۔ وہ خاموشی سے اٹھ گئے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اہم حضور و اب کیا موقف اختیار کریں گے یا اس طرح اس لڑکی کی مدد کریں گے مگر وہ کسی حد تک پریشان ضرور ہو گئے تھے۔

”لیکن ہم ان سے نکاح نہیں کر سکتے۔“ ایک دم خاموشی کو توڑتے ہوئے ان کی آواز ابھری اور وہ خود جبراً ان رہ گئے تھے۔ ماحول کو بغور جانچا مگر ادھر ادھر نگاہ کرنے پر کوئی دکھائی نہیں دیا۔

”خواجہ صاحب آپ کو نہیں لگتا آپ اپنی بیٹی کے ساتھ انصافی کر رہے ہیں؟ آپ کی یہ خاموشی فاطمہ کو کڑو کر رہی ہے۔ یہاں پر کوئی اور شخص کرے نہ کرے والدین آج بھی ہندو کے عقین کرتے ہیں مگر آپ.....“ سخاوت بیگم نے کہا۔

ان کا لہجہ شکوے سے بھر پور تھا۔ خواجہ ناظم الدین صاحب خاموشی سے سر جھکا کر اسی توجہ سے دستاویز دیکھتے رہے۔ سخاوت بیگم انھیں سے نہیں دیکھنے لگیں۔

”کیسے والد محترم ہیں آپ؟ آپ کی بیٹی پر عین طعن کیا جا رہا ہے اور آپ خاموش ہیں؟“ سخاوت بیگم نے ان کو بولنے پر جیسے اسکیا۔ خواجہ صاحب نے دستاویز سے نگاہ ہٹا کر انھیں دیکھا۔

”بیگم یہ معاملات اس قدر پیچیدہ نہیں ہیں جس قدر بنائے جا رہے ہیں۔“ ان کا لہجہ اطمینان سے بھرا تھا۔

سخاوت بیگم چونکیں۔

”بیگم اب اس کا کیا مطلب ہوا؟ گویا آپ کو اپنی دختر پر گزرنے والی قیامت کا کوئی احساس ہی نہیں؟ بیٹی ہیں کہ نیر بہائے جاری ہیں اور والد محترم ہیں کہ سر سے سے بیٹی کی تکلیف سے واقف ہی نہیں۔“ سخاوت بیگم نے درشت لہجے میں کہتے ہوئے میاں صاحب کو دیکھا۔ خواجہ صاحب نے گہری سانس خارج کی اور نرمی سے بولے۔

”ہم کسی معاملے کو اٹھا کر تماشائے نا نہیں چاہتے بات لگتی ہے تو پھر درد تک جاتی ہے سو خاموشی ہی بہتر ہے۔ کبھی کبھی خاموشی اختیار کر لیتے معاملات کا بہتر حل ہوتا ہے۔“ خواجہ صاحب نے کہا۔ سخاوت بیگم ان کو دیکھ کر کہیں۔

”گویا آپ کی اماں جان جو کچھ آپ کی دختر کے اندر پر اچھا حال رہی ہیں آپ اس سے متفق ہیں؟“ سخاوت بیگم نے خاوند کو گور کر دیکھا۔ ناظم الدین دستاویز ایک طرف رکھ کر بیگم کو دیکھنے لگے۔

”ہم کسی معاملے پر بات کرنا نہیں چاہتے سخاوت بیگم فاطمہ پڑھنا چاہتی تھیں اور ان کی تعلیم کا سلسلہ بڑا کسی رکاوٹ کے آئی طرح دواں دواں ہے اماں جان کیا ہوتی اور سوچتی ہیں ہم اس متعلق بات نہیں کر سکتے۔ ہم نے گھر کی معاملات میں مداخلت نہ پہلے کی ہے نواب کریں گے۔“ وہ صاف لگی گزرتے دکھائی دیے۔ سخاوت بیگم میاں صاحب کے تیور دیکھ کر سہما کر رہ گئیں۔

”گویا وہ فاطمہ کا نکاح کسی لیر سے کر دیں یا پھر اس کی عمر سے چار گنا بڑے کسی نواب سے؟ آپ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ایسے جس ہیں آپ؟ آپ کی تمام روشن خیالی آپ کی مزید اولاد کے لیے کسی اب آپ کی روشن خیالی پر منوں کے حساب سے مٹی پر مٹی ہے بھائی بات کرنے کو تیار نہیں والد محترم بولنے کو تیار نہیں..... اس ایک معصوم بچی کو تنہا کر کے رکھ دیا یہ پدرانہ شفقت ہے آپ کی؟“ سخاوت بیگم نے ان کو جذباتی طور پر اسکیا۔ وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھتے گئے پھر قدرے نرمی سے اور طمانیت بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

”بیگم جو کام حکمت سے لکھا ہے حکومت سے نہیں نکلا، بعض اوقات ایک چپ ہزار کھڑا ہوتا ہے اماں جان جو کردی ہیں ان کو کرنے کی بجائے کبھی حکمت اس میں ہوتی ہے کہ فیصلے وقت کے ہاتھ سوئپ دیے جائیں، اماں جان اسکی بھی دشمن نہیں فاطمہ کی آپ کیوں اتنی خلاف ہیں اماں جان ایسی ہی جلاو ہیں کیا؟“ انہوں نے نہ سکون انداز میں سمجھایا جیسے یہ کوئی بہت معمولی معاملہ ہو سخاوت بیگم تکی رہ گئیں۔ وہ اٹھنے اور باہر نکل گئے۔

پڑے کے اس طرف وقار حق بہت خاموش اور شرمندہ بنے بیٹھے تھے دوسری طرف فاطمہ خاموش تھیں۔

”آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں اگر کوئی دوسرا دین رہا ہے تو ہمیں اس سے فرق نہیں پڑتا۔“ وہ ملازمہ کو سر پر تعینات دیکھ کر آہستہ سے بولے۔

”آپ ایک باوقار و دیندار ہیں فاطمہ بیٹی میں آپ کا احترام کرتے ہیں بخدا جو بھی ہوا اس کا مقصد آپ کے کردار پر پتھر اچھا نہایا آپ کو کسی مشکل صورت حال سے دوچار کرنا نہیں تھا۔ اصل میں لگا تھا آپ کا گھر اندر بڑھا لکھا ہے سو سب اس قدر دین خیال تو ہوں گے کہ اس ایک لمحے سے بھی کسی ملاقات کو کوئی غلط وقت نہ دیں گے مگر ہم غلط تھے کیا مرد و عورت میں صرف ایک رشتہ قائم ہوتا ہے کیا خلوت ان خرافاتوں کے علاوہ کوئی حق نہیں رکھتی؟ کیا نامحرم ہونا ایسا گناہ ہے ہم جانتے ہیں ان سوالوں کے جواب آپ کے پاس نہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم نے بہت غلط اقدام کیا اور آپ کو بھی اس اقدام پر اسکا یا جو کہ سراسر غلط فہم بہت غلطی پر تھے اور اس مذاقت کا کوئی جواز نہ تھا مگر خدا وہ عشق نہ تھا نہ کوئی ہوں آپ کی اسی حصوم و طرہت، دوشیزہ ہیں کیا آپ کے بے دماغی و اس پر ہم کوئی دماغ نہیں رکھنا چاہیے آپ کا کردار شفاف اور پاکیزہ ہے آپ چاہیں تو ہم آپ سے نکاح کر سکتے ہیں۔“ ملازمہ جو سر پر ہرے پر کھڑی تھی اس کی آنکھیں حیرت سے چمکی رہ گئیں وہ بھاگی ہوئی اماں جان کو بالائی وقار حق اپنی دشمن میں بولتے رہے تھے اور فاطمہ سر جھکائے روٹی رہیں۔ اٹک تھے کہ کچھ نہیں رہے تھے۔

”فاطمہ بیٹی آپ کے تقدس و حرمت کا پورا خیال ہے ہمیں ہم آپ کی کردار شی ہوتی نہیں دیکھ سکتے سو ہمیں کسی رشتے کے بنانے میں کوئی قہاحت نہیں، ہم آپ کے محرم بنتا چاہتے ہیں۔ کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟ کیا آپ ہمیں اس قائل سمجھتی ہیں؟“ نواب زادہ وقار حق نے ہم لکھ میں اس درمیان کی دیوار کو دیکھتے ہوئے دریافت کر رہے تھے جب اماں جان کی آواز ابھری۔

”فاطمہ بیٹی ابھی بالغ نہیں ہوا ہے فیصلہ خود سے لینے کی اہل بھی نہیں ہیں۔ برائے کام نواب زادہ وقار حق فاطمہ بیٹی کو اسکا تہ بند کیجیے۔“ اماں جان کی آواز سن کر وقار حق کی طرف متوجہ ہوئے۔

”نواب زادہ وقار حق آپ کے والد محترم سے ہماری بات دوسری سے اور تمام معاملات پہلے سے زیر بحث ہیں۔ سو مزید بات کرنے کی کوشش بہر حال نہیں ہوگی آپ فاطمہ بیٹی کو پڑھانے کا کام بیجیے باقی معاملات اس قدر ضروری نہیں۔“ سخاوت بیگم نے سکون لکھ میں گویا ہوئیں۔ نواب زادہ وقار حق ان کا پیرو دیکھ کر کہہ گئے فاطمہ خاموشی سے انھیں اور اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

تو قیر حیلوں نے چائے کی چسکیاں لیے ہوئے بیگم کی طرف دیکھا۔

”کئی دن ہوئے اماں بی کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا ہمارے صاحب زادے ایسے گئے گڑے ہیں کہ ان کے رشتے کو اس طرح اٹھاؤ میں ڈال جائے؟“ انہوں نے اتراتے ہوئے سینہ چوڑا کرتے ہوئے ایسے کہا جیسے ان کے



صاحب زادے کہیں، کہاں فرہوں۔ بیگم نے سر ہلایا۔

”بات تو آپ کی بجائے بچی اماں جان کون کر کے دیکھ لیجئے، کہیں ان کا ارادہ نہ بدل گیا ہو یا کہیں آپ کے صاحب زادے کی بھانجک ان کو نہ پڑ گئی ہو۔“ انہوں نے پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو قیر نے فوراً سر اٹھایا۔

”نہیں ایسا ممکن نہیں، ریحان میاں کے متعلق ان کو کون آگاہ کرے گا؟ اماں جان غیب کا ظلم تو رکھنے سے رہیں۔“ انہوں نے سوچتے ہوئے کرپٹل سے رہبر اور اماں جان کا ٹیم ملانے لگے۔

”بیگم لکھ کر رکھ لیجئے فاطمہ بی بی، تو صرف ہمارے مہر کی ریحان میاں ہی ہیں جو ان سے نکاح کریں گے۔ اماں جو اماں جان کی جائیداد سنبھالے رکھتی ہیں اس طرح ہاتھ آسکتی ہے کچھ عرصے کے وہ فاطمہ بی بی کو آخر کو پتی بنیں ان کی۔“ تو قیر میاں مسکرائے اور دوسری طرف سے فون اٹھائے جانے پر ادھر متوجہ ہو گئے۔

”آداب اماں جان۔ کبھی طبیعت سے آپ کی مزاح گرامی کیسے ہیں؟“ تو قیر میاں مسکرائے۔ ”ہم ٹھیک ہیں میاں، مطلب کی بات کہو کس لیے فون کیا ہے ج؟“ اماں جان نے دو ٹوک بات کی تو قیر میاں اپنا سامنے لے کر رہ گئے۔

”اماں جان بیٹے ہیں ہم آپ کے آپ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا ہے کیا کسی حوالے کے ہمارا آپ کو فون نہیں کر سکتے؟“ تو قیر نے شکوہ کیا۔

”اے میاں جانے رو، ہمارا منہ نہ کھلو، چلو بھر پونٹک نہ ہوا تمہارا اتنے برسوں ماں سے دور رہے اب ایسی چاہت کیسی لڑی آ رہی ہے آٹھنوں پر چربی آ گئی تھی آپ کے؟ تب ماں کیوں دکھائی نہ دی؟ جب برسوں پلٹ کر نہ پوچھا اور اپنی بیگم کے کہنے پر دوری اختیار کیے رکھی، خون سفید ہونا ہی کو کہتے ہیں میاں۔ بجائے جسے عالم اسے بجا کو مگر ہم ماں ہیں اور ماں تو خدا کی جذباتی واقع ہوئی ہے سو آپ سے بات کیا کر لی آپ نے تو فحاشات لگائیں جس مزاح سے چھوڑ کر گئے تھے آپ کے مزاح اتنی جلدی تو محسوس کرنے والے نہیں تھے؟ آپ کا معاملہ تو وہ ہوا اپنی غرض کو گدھا چراتے ایسا اچھے تو آپ ہیں نہیں سدا کی بالائیک اولاد ہے ہماری۔ اس بارے میں جانتے ہیں ہم۔“ اماں جان نے لے لے لیے۔ تو قیر صاحب کے کانوں سے حواں نکلنے لگا۔

”اماں جان سنئے تو۔۔۔۔۔“

”تم ایسے قابل ہوئے میاں تو رو نہ کس بات کا تھا؟ ہم نہیں جانتے اپنی والدہ سے اب کیا توقع رکھتے بیٹھے ہو مگر کچھ زیادہ کی امید مت رکھو تو اچھا ہوگا۔“ اماں جان نے صاف بتایا، قیر میاں بولے۔

”اماں جان ایسا غصہ؟ جانے دیجئے، کہا تو ہے ہم شرمندہ ہیں۔ غلطیاں بچوں سے ہی ہوتی ہیں معاف کر دینا، بالائیک ہی کسی اولاد تو آپ کی ہی ہیں۔ اب اس سے تو انکار ممکن نہیں ہاں؟ جی بتائیے کیا آپ کے دل میں ہمارے لیے کوئی جھانسی؟“ تو قیر صاحب نے دھڑکی رگ پر جیسے تھہر رہا اماں جان خاموش رہیں قیر میاں بھی تو قیر ہوئے۔ ”میں صاحب بتائیے اب میں آپ کی طرف رشتے کی باقاعدہ بات لے کر آ رہا ہوں، اماں جان ہم رشتوں کو راکھی مضبوط کرنے کے خواہاں ہیں۔ ہمیں غلط مت سمجھیے۔“ تو قیر صاحب نے کہا۔

”تو قیر میاں یہ سب کچھ زیادہ فیل از وقت نہیں؟ تو وہی معاملہ ہوا کہ بیاہ ہوا نہیں گونے کا جھگڑا۔۔۔۔۔ اولاد ہوتی ہے جو رشتوں کا اصل مقام یاد رکھنے جو کرتا ہے اپنی فائدے کی کرتا ہے۔“ اماں جان نے صاف کہا۔

”زیادہ کی توقع مت رکھو اسی راہ پر چل کر جو تجھے گروتا ہے جو بدھیا کے تھان پر ترست تھا کاٹا پائے جانتے ہیں آپ کی عقل میں ہماری بات دیر سے آئے گی مگر فی الحال اور معاملات چل رہے ہیں سو اس قصہ کو ہمیں اٹھا سکتے۔۔۔۔۔ وعدہ نہیں

کرتے مگر اچھے کی امید بھی مت رکھیے۔ ریحان میاں کو مزید قدم جمائے دیکھیں ان کی داوی جان چاہتی ہیں کچھ میدان اور مار لیجئے شہر میں ڈک ٹو بجے کہ پوتے میاں کتنے پانی میں ہیں؟“ اماں جان مسکرائیں اور فون رکھ دیا۔ تو قیر میاں اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

”وقار میاں۔۔۔۔۔“ وقار بھٹی زینہ چڑھ رہے تھے جب منشی صاحب کی آواز کان میں پڑی۔ ”جی بچا جان کہیے۔“ وہ رگ گئے۔

”آپ کو نواب صاحب نے یاد دلایا ہے۔ وہ اپنے کمرے میں ہیں۔“ منشی صاحب کہہ کر اسلئے قدموں واپس لوٹ گئے اور وقار فوراً ہی اباحصور کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

”اب ان کا غنڈا پر فاطمہ کے دستخط لینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“ نواب صاحب کو کوئی لین دین کرتا ہے تو ہم سے رجوع کرتے۔“ وقار جان نے کاغذات کو اسٹ پلٹ کر دیکھا، تمام کاغذات انگریزی زبان میں تھے۔ اماں جان کو انگریزی زبان کا کچھ پتہ نہ تھا اور یہی حال کرم دین کا تھا۔

”اماں جان! نواب صاحب نے کہلوایا ہے کہ یہ نہروالی زمین کے کاغذات ہیں جن پر فاطمہ بیٹی کے دستخط ہونا لازمی ہیں وہ باقاعدہ اس زمین کو فاطمہ بی بی کے نام کر رہے ہیں تاکہ اس زمین پر درگاہ بننے کا کام جلد شروع ہو سکے۔“ کرم دین کے کہنے پر اماں جان نے انجمن سے انہیں چشمے کے پیچھے سے سحور۔

”وہ تو ٹھیک ہے میاں مگر۔۔۔۔۔ ہم اس انگریزی زبان کو پڑھنے سے قاصر ہیں اور وہ کیلی صاحب شہر سے باہر ہیں پھر ایسے میں ہم ان کاغذات پر کس طرح دستخط کر سکتے ہیں؟“ اماں جان نے جواز پیش کیا، کچھ کھلے دروازے سے نواب صاحب اندر داخل ہوئے۔

”اماں جان! کیا آپ کو ہم پر اعتبار نہیں؟“ نواب زمان الحق نے مسکراتے ہوئے پوچھا، تاج بیگم نے ان کو بغور دیکھا۔

”اے میاں ایسی بات نہیں، انجمن سے اس گھر میں آتے جاتے ہو اب تم پر تو شک ہونے سے رہا۔۔۔۔۔ بہ تو بس ان کاغذات کا اب بابا جاننا چاہتے تھے۔“ اماں جان نے انہیں بائیں شاہین یا تو نواب صاحب مسکرا دیے۔

”اماں جان! آپ نواب زمان الحق پر اعتبار کر سکتی ہیں، تالیقین رہیں آپ کو ماں کہاں نہیں ماں سمجھا بھی سے اور ماں کو دھوکہ دینا دھوکے بازی کرنا ہمارے خون میں نہیں۔۔۔۔۔“ نواب صاحب کے کہنے پر تاج بیگم نے سر ہلایا اور نوکر کو بلوا کر کاغذات اس کے ہاتھ چھوئے۔

”جے جندی سے فاطمہ بی بی کے دستخط لے کر آئے نواب صاحب شہر میں سونا خیر نہیں ہولی چاہئے ابھی جائے اور انہیں واپس آئے۔“ اماں جان نے ہدایت نامہ جاری کیا۔ ملازمہ فوراً اندر کی طرف بڑھ گئی اور نواب صاحب مسکراتے ہوئے تاج بیگم کی طرف دیکھنے لگے۔

”آپ درگاہ کا کام شروع کروا دیے اماں جان! اس درگاہ کی عمارت بنانے والے تمام اخراجات ہم برداشت کریں گے۔“ نواب صاحب نے کہا تو اماں جان نے ان کو خاموشی سے دیکھا۔

”نظم الدین فیملی ہوئے راہداری میں رک گئے جانے قدم خود رک گئے تھے یا انہوں نے دانست روک لیے تھے۔ آگے



راہداری کے اختتام پر فاطمہ کا کمرہ تھا۔ دل میں جیسے کوئی گرہ سی تھی کہ مقدم آگے بڑھ ہی نہ پائے تھے۔ وہ کچھ دیر تک خاموشی سے کھڑے رہے پھر پلٹے تو اپنے سامنے کمرہ میں کوکھڑے دیکھ کر چونکے۔

”کمرہ میں صاحب آپ..... اس وقت کوئی ضروری کام تھا کیا؟“ انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

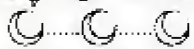
”جی، ظلم صاحب اماں جان سے اس دستاویزات پر دستخط لینے تھے انہوں نے جو زمین کا ٹکڑا ان کا رکھا تھا اس زمین کے مالک نے کسی طرح کر کے اپنی پوری زمین کی رقم لوٹا دی ہے سو اب قاعدے کے مطابق اماں جان کو یہ زمین واپس لوٹانا ہوگی۔ بہر حال یہ کام تو چلتے رہتے ہیں آپ فاطمہ بیٹی سے ملنے جا رہے ہیں شاید۔“ کمرہ دین نے پوچھا۔ تاہم اللہ بن مرچھ کا گئے جیسے غور کی طور پر ان کے پاس کوئی جواب نہ ہو۔

”خواجہ صاحب..... بیٹیاں اللہ تعالیٰ کا بہترین تحفہ ہوتی ہیں وہاں رکھنا چاہیے کہ دانش یا پاداش ان کا دل نہ دکھ جائے کیونکہ بیٹی خنائیں ہوتی مگر اللہ اس کے دل کا حال جانتا ہے بیٹی شہو نہ بھی کرے تو اللہ بندے سے اس بات کی باز پرس ضرور کرتا ہے۔“ کمرہ دین نے جیسے غمرواح انداز میں اپنا دیا کہہ دیا۔ خواجہ ظہیر الدین ایسے تاج کو نہ تھے کہ ان کی بات نہ سمجھتے مگر شاید وہ اس معاملے پر زیادہ بات نہیں کرتا چاہتے تھے۔

”کمرہ دین! آپ صبح اماں سے مل جیئے گا کی افال دوا رام فرما رہی ہیں اور ان کے لئے رام میں غلغل واقع ہو یہ ان کو گوارہ نہیں۔“ تب کمرہ دین نے بھی سر ہلا دیا۔

”جی یہی مناسب ہوگا چتا ہوں صبح مجھے زمینوں کے کچھ کام سے جانا ہوگا سو یہ کاغذات کسی لڑکے کے ہاتھ بھجوا دوں گا کہ اماں جان کے دستخط کے بعد دستاویزات مالک کے حوالے کی جا سکیں۔“ کمرہ دین نے کہا تو خواجہ صاحب نے سر ہلا دیا۔

”یہ مناسب ہوگا۔“ خواجہ صاحب کے کہنے کے ساتھ ہی کمرہ دین پلٹ گیا۔ خواجہ صاحب ان کو دیر دیکھتے رہے پھر پلٹ کر راہداری کے کنارے پرینا فاطمہ کا کمرہ بغور دیکھا اور ہنسی سے پلٹ گئے۔



رجعت سنگھ دستاویزات ہاتھ میں لیے پرسکون انداز میں بیٹھا اماں جان کا دفتر تھا۔ اس کے انداز میں جلجت نمایاں تھی۔ جیسے اسے کسی معاملے کو لے کر تازہ ہو رہی تھی اور وہ یہ جتنی کا شکر تھا۔ اماں جان سامنے راہداری سے آتی دکھائی دیں۔ رجعت سنگھ ادب سے کھڑا ہو گیا۔ اماں جان قریب آن رہیں۔

”جیڑی پاؤ اماں جی..... مجھے کمرہ دین چاہا ہے۔“ اماں جان کو دیکھ کر اس نے جھک کر ادب سے ان کے پیروں کو چھوا۔ اماں جان نے اسے جاؤ کی نظروں سے دیکھا۔

”کمرہ دین نے بتایا نہیں کہ اس نے غیر مذہب کا کوئی لڑکا کام پر رکھا ہے۔“ انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ رجعت سنگھ بہت ملاحت سے مسکرایا۔

”اماں جی مذہب تو شخص و صلہ میں اصل تو اس رب کی ذات ہے جو ان مالک کی ذات کو کیا گیا اس کے لیے رب اپنے کرم کے دروازے کھول کر ہر شخص کو دیتا ہے۔“ رجعت سنگھ نے نرمی سے کہا اور دستاویز اماں جان کی طرف بڑھا دیئے۔ اماں جان نے اسے بغور دیکھا۔

”پڑھے لکھے گتے ہواور سمجھا دار بھی۔ ایسی معمولی نوکری کیوں کر رہے ہو؟ جنہیں تو کہیں بھی افسری مل جائے پکار میں وقت کیوں ضائع کرتے ہو میاں؟ ایسی کیا آفت آگئی؟“ اماں جان جہاں یہ دیکھیں وہ رجعت سنگھ کو دیکھتے ہوئے مکمل جا بوج رہیں۔ رجعت سنگھ ان کی بات پر مسکرایا۔

# ماہنامہ حجاب کچی

جولائی 2018ء کے شمارے کی ایک جھلک

سیرے خواب زندہ ہیں  
شب آرزو تیری چاہ میں  
عشق دی بازی  
نادیہ فاطمہ رضوی کا سلسلے وار ناول  
نائلہ طارق کا سلسلے وار ناول  
ریحانہ آفتاب کا نیا سلسلے وار ناول

اس کے علاوہ

شازیہ مصطفیٰ، نزہت جبین ضیاء، مریم شیراز، راؤ سمیرا یاز، سیما بخت عاصم، ہمارا او  
زار ارضوان، حمیرا نگاہ سمیت دیگر بہنوں کی خوب صورت تحریریں

قارئین کے ذوق کے عین مطابق مستقل سلسلوں میں نشر ہونے والے

طلب نبوی، بزم سخن، چکن کارنر، آرائش حسن، عالم میں انتخاب

شوخی تحریر، حسن خیال، ہومیوکارنر، شو بزنس دنیا، نوٹس

پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں! (021-35620771/2)



”اماں جان“ کچھ کرنے کا جنون جب چھین نہ لینے تو بھر پوری گردن میں آجاتے ہیں۔ یہ گردشیں ماہ و سال کہاں دیکھتیں ہیں جنون تو اندھا ہوتا ہے نا؟ وہ مسکرایا اور اس کا اعتماد کچھ کراماں جان نکھیں۔

”کیسی کون ہی گردشیں ہیں جو تمہیں ساتھ لیے پھرتی ہیں میاں؟ اس عمر میں خواہ مخواہ کے جھگڑے مول مت لو جنوں کو جھوکو تھوڑے میں اور جا کر ماں باپ کے مال و دولت کو سنبھالو۔ اس موئے جنوں کے ساتھ خود کی پہنائی بھی کیونکر گنوار ہے ہو عقل گھاس چرنے لگی ہے کیا؟ بہر حال شکل و صورت سے اچھے گھر کے لگتے ہو۔ سو بھینٹ کر ڈالنی اور محتاج عظیم کسی کی پروا نہیں کرتی۔ کرم وین کو میرا سلام کہنا شام میں آئے تو اس مینے کے کھانے کی تھکیلات لیتا آئے۔“ راجت سنگھ نے سن کر سر ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”مسنو۔۔۔۔۔“ وہ پلانا جب اماں جان نے پکارا تھا راجت سنگھ رک گیا اور پلٹ کر اماں کو دیکھا۔

”تم نے پوچھا نہیں تمہارے متعلق کیسے خبر ہوئی؟ اور ہاں نام کیا ہے تمہارا؟“ اماں جان جانے کیا سوچ کر یوئیں۔ راجت سنگھ مسکرایا۔

”مجھے راجت سنگھ کہتے ہیں ہر بندے کے اندر ایک شخص کی رگ ہوتی ہے اور برکے کا طریقہ اپنا ہوتا ہے اس سے زیادہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ بلجے شاہ کہتے ہیں۔“

پڑھ پڑھ کر کتاباں علم دیاں توں نام رکھ لیا قاضی

جتھ دوج پھڑکے کھوار نام رکھ لیا غازی

کے مدینے مھوم آیا تے نام رکھ لیا حاجی

او بھلیا حاصل کی کینا؟ سچے تو رب ناکینا راضی؟

اجازت دیجیے اماں جان۔ وہ مسکرایا اور پلٹ گیا۔ اماں جان اسے جاتا دیکھتی رہیں۔ راجت سنگھ اسی خود اعتمادی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

”معاذ گلیبیر سے نواب صاحب لگتا ہے آپ کا خور و اور فطین ہوتا اماں جان کو بھلا گیا ہے ورنہ وہ آپ کا انتخاب کیونکر کرتیں؟“ انوار الحق تسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔ ان کی نظروں سے شرارت ہو رہی تھی اور نواب صاحب نے ان کو خاموشی سے دیکھا۔

”میاں مذاق مت بناؤ نواب ایسے بھی حالات ہیں۔۔۔۔۔ ہم خود پسندی کے عادی نہیں حقیقت کو کبھی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔“ نواب صاحب نے کھلے الفاظوں میں بتایا انوار الحق ہنسنے لگے۔

”میاں خور و تو آپ ہیں۔۔۔۔۔ رہی بات آپ کے صاحب زادے کی تو ان کی وجاہت سے انکار ممکن نہیں مگر شاید اماں جان کا آپ کے صاحب زادے کا ایک کمزور میدان لگتے ہیں۔ شطرنج کی پہلو پر جو بادشاہ کی کشش ہے وہ پیادے کی نہیں۔“ انوار صاحب کے کہنے پر نواب صاحب جو کچھ چھوٹی ہنس کر ہلایا۔

”ہمارے صاحب زادے نواب زادہ وقار الحق کوئی پیادہ نہیں انوار صاحب ہمارا جو بھی ہے وہ ہمارے بیٹے کی ہی وراثت ہے۔ اس میں کسی بھی شکوک شبہ کی گنجائش نہیں۔“ نواب صاحب نے کہا انوار صاحب نے مسکراتے ہوئے ان کو دیکھا۔

”آپ جو بھی کہیں مگر وراثت کی جو اصل بات ہے وہ اماں جان کو کہیں نہ کہیں کھٹک رہی ہے مگر بات یہ بھی ہے کہ آپ اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ کاٹ کر چھوٹے نواب کے ہاتھ نہیں تھما سکتے۔“ انوار صاحب دور کی کوڑی لائے تھے۔

نواب صاحب چونکے اور انوار صاحب کو دیکھنے لگے۔

”ہم اصل معاملات سمجھ کیوں نہیں پاتے؟ کیا فقط مالی حیثیت اور مرتبے کی وجہ سے اماں جان ہمارے صاحب کردہ کر دی ہیں؟ جبکہ ہمارا جو بھی ہے وہ ہمارے صاحب زادے کا ہی تو ہے۔“ ان کی آواز حیرت میں ڈوبی ہوئی جیسے اس سوچ پر واقعی حیران تھے۔

”اثر و رسوخ اور سماجی حیثیت و مرتبہ بہت اہم ہوا کرتا ہے نواب صاحب جو اہمیت آپ کی ہے اس سے انکار ممکن نہیں بات سیدھی ہی ہے اور دیگر معاملات میں یہ بھی ممکن ہے کہ اماں جان اپنی عزت بڑھانے کی کوشش رکھتی ہوں اور اس ریش کے سبب وہ ایسا اقدام لینے پر مائل ہوں۔ خیر حققت میں لوگ بہت زیادہ قوی اور قطعی ہو جایا کرتے ہیں۔ یوں بھی محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔“ انوار صاحب کی بات میں جیسے دم تھا نواب صاحب گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

وہ بیان میں اتنی حوصلہ کی دیوار کو کتنے موئے فاطمہ بی بی دوسری جانب دیکھ رہے تھے وہیں۔

”ہم نہیں جانتے ہماری داد کی جان ہماری پرکھائی کا یہ سلسلہ خواہ کیوں جاری رکھے ہوئے ہیں اگرچہ جو ہمیں اس بات کی امید نہیں تھی بہر حال آپ سے اتنا اس ہے کہ آپ غیر ضروری باتوں سے اجتناب برہے۔ جو ہوا اس پر ہم کوئی بحث نہیں کر سکتے۔ میں اس معاملے پر بات کرنا ضروری خیال نہیں کرتی۔“ فاطمہ نے بردباری سے کہا تو دوسری طرف بیٹھے وقار نے سر ہلادیا۔

”آپ کی بات سمجھتے ہوں محترمہ فاطمہ بی بی مدعا یہی تھی کہ آپ کے نام پر کوئی حرف آئے نہیں دیکھ سکتا۔۔۔۔۔ اس معاملے کو میں کسی بھی عدالت میں اٹھانے کو تیار ہوں۔“ نواب زادہ وقار الحق کا لہجہ بے خوف اور نڈر تھا۔ پہرے دار ملازمین کی موجودگی میں وہ مزید بات کرنے کی خواہاں نہیں تھی سو پڑھائی کی طرف آئے کا سلسلہ جوار۔

”آپ نے جو سبق دیا ہے وہ حفظ کر لیا ہے آپ کا آگے کے ابواب پڑھانے کی رحمت دینا چاہوں گی۔“ فاطمہ بی بی نے رکھ رکھاؤ سے کہا اور نواب زادہ نے کتاب کھول لی۔

”کرم دین یہ لڑکا بہت بڑھا لکھا ہے؟ اسے اس کام پر رکھنے سے پہلے تم نے ہمیں مطلع کرنا ضروری خیال کیوں نہ کیا؟“ اماں جان نے راجت سنگھ کے متعلق پوچھا۔

”اماں جان آپ کو مطلع کیا تھا شاید آپ کے ذہن سے نکل گئی۔ مجھے وہ لڑکا حساب کے کام کے لیے مناسب لگا بہر حال آپ جو مناسب سمجھیں وہی کر لیں گے۔“ کرم دین نے کہا۔ اماں جان نے سر ہلادیا۔

”یہ لڑکا کچھ عجیب ہے“ نظر رکھو اس پر۔“ اماں جان نے قسم نامہ جاری کیا۔ کرم دین نے سر ہلایا ساتھ ہی نرمی سے دریافت کیا۔

”کوئی گستاخی ہوئی اس؟“ میں کان کھینچوں گا اس کے چچا ضرورت مند ہے۔ میں نے جس کھا کر نوکری دے دی تھی۔ پڑھا لکھا ہے اور دیانت دار بھی۔ کام کے معاملے میں کوتاہی نہیں کرتا مگر پڑھ لکھے بندوں والی سوچ ہے۔ کیا تیں زیادہ کرتا ہے اس کی طرف سے معافی طلب کرتا ہوں۔“ کرم دین نے کہا تو اماں جان نے خاموشی سے اسے دیکھا پھر آہستہ سے یوئیں۔

”پڑھ لکھے میاں نے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ ان کی طرف سے چوکنا ہونے کی ضرورت اضافی ہوتی ہے میاں



”تو پھر کیا کریں گے آپ؟“ وقار الحق نے دریافت کیا۔ نواب صاحب نے گہری سانس لے کر شانے اچکا دیئے تھے۔

”یہ معاملہ وحیدہ ہوتا جا رہا ہے میاں ہم فی الحال نتائج اخذ نہیں کر پارہے تاج بیگم اپنی نوعیت کی ایک دقیق خاتون ہیں ان کی سوچ اور اداروں کی فہم کی کوہواس میں قیاس آرائیاں ممکن نہیں لیکن تاج بیگم کے خوف سے ان کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کی کوششیں چھوڑا جاسکتا کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔“ انہوں نے پُرسوج انداز میں کہا اور وقار الحق انہیں دیکھتے رہ گئے۔

تاج بیگم نے اپنے سامنے کھڑے چھوٹے نواب کو بغور دیکھا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا اور حقے کو قریب کر کے مگر انہیں لیتے ہوئے مسکرائیں۔

”کیوں نواب زادہ وقار الحق کیا معاملہ ہے؟ آپ نے بات کرنے کی درخواست کی کیا ہم مدعا جان سکتے ہیں؟“ تاج بیگم نے بے چینی نظروں سے جیسے انہیں پریشان چاہا نواب زادہ نے انہیں مدھر مدھر کھاموشی سے دیکھا اور پھر نرمی سے گویا ہوئے۔

”ہم فاطمہ بی بی سے متعلق بات کرنا چاہتے ہیں۔“ وہ جیسے ٹھان کر آئے تھے۔ سو تمہید باندھ کر وقت ضائع کرنے کی بجائے عین مدعا پر بات کرنا ضروری خیال کیا۔ تاج بیگم نے ان کی ہمت پر بغور انہیں دیکھا پھر بولیں۔

”فاطمہ بی بی سے متعلق کیا بات کرنا چاہتے ہیں آپ نواب زادہ؟“ نواب زادہ چند لمحوں تک جیسے سوچ میں غطال رہے تھے پھر یک دم بولے۔

”ہم فاطمہ بی بی سے نکاح کرنے کو تیار ہیں؟“ انہوں نے جیسے رک ہوئی سانس یک دم خارج کی اور تاج بیگم نے ان کو شدید حیرت سے دیکھا پھر حیرت کے تاثرات مسکراہٹ میں بدل گئے۔

”میاں ایسے معاملات بزرگوں کے طے کرنے کی باتیں ہیں۔ ہمارے ہاں ایسی مندرجہ نہیں ہم اس متعلق آپ سے کوئی بات مزید نہیں کر سکیں گے۔“ تاج بیگم کا لہجہ قطعی تھا۔

”لیکن تاج بیگم.....“ نواب زادہ نے بولنے کا اعادہ کیا کہ تاج بیگم نے ہاتھ اٹھا کر ان کو روک دیا۔

”اس معاملے پر آپ کے والد محترم سے بات ہو چکی ہے اس پر مزید بات نہیں ہو سکتی میاں۔ ہم اصولوں کے قائل ہیں اور اصولوں سے ہٹ کر کسی بات کو ضروری نہیں سمجھتے۔“ فاطمہ بی بی انداز اختیار کیا۔

”مگر آپ کے ان اصولوں سے نہیں چھٹی کسی کی زندگی ہے تاج بیگم گستاخی معاف..... ہم بے ادبی کے مرتکب ہو رہے ہیں تو معذرت چاہتے ہیں مگر اصول انسان کی زندگی سے بڑے نہیں ہوتے“ اصول انسان بنانا ہے اصول انسان کو نہیں بناتے کسی بھی قانون میں مشق میں ترمیم ممکن ہے تبدیلی کی محتاجی باقی رہتی ہے اس پر ورنے قطعی واقع نہیں ہوئی۔“ نواب زادہ نے دلیل دی اور تاج بیگم نے مسکراتے ہوئے احتیاتی وجہی سے نواب زادہ کو دیکھا۔

”نواب زادہ آپ کے والد محترم میں کتنی خوشی ہوئی کہ ان کی زندگی کی تعلیم آپ کا گھر بڑھنے میں خوب مدد دے گی مگر زندگی ان قوانین سے کچھ سوا ہے ہم بامیکیوں کو سمجھتے ہیں ہم کسی زندگی کو کوئی شخص نہیں بنائے فاطمہ بی بی ہمیں بھی اسی قدر عزیز ہیں ہم نے ان کی تعلیم میں کوئی غفلت واقع نہیں ہونے دیا۔ وہ بے خوف و خطر بنا کسی غفلت کے واقع ہوئے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں رہی ان کی زندگی کے فیصلے کی بات تو اس کے لیے ہم کسی سے رائے لینے کے پابند نہیں۔ ہم وہی کریں گے جو ہمیں مناسب لگے گا۔“ تاج بیگم نے جتنا پاب نواب زادہ ان کو دیکھتے رہ گئے تاج بیگم کا

اور ضرورت مند کی بات تو جانے دو ہمیں تو کہیں سے ایسا ضرورت مند نہ لگا۔ اچھے قیمتی لباس زیب تن کر رکھے تھے۔ دکھ رکھا تو بھی امراء والا تھا۔ پھر اور کون سی ضرورت آن پڑی؟“ اماں جان جہانم یہ وہ نہیں وہ اڑنی چڑیا کے پر گن سکتی تھیں۔ کرم دین یہ بات اچھے طرح جانتا تھا سو خاموش ہو گیا۔

”بہر حال اسے حساب کے معاملات میں ہی انکار رہنے دو..... اگر کام ٹھیک سے کرتا ہے تو ہمیں اجازت دینے میں بھی کامرانی نہیں اگر سختی سے تو ہم بھی دیانت دار ہیں۔“ اماں جان نے بات مکمل کی اور پھر دیگر معاملات کے متعلق بات نہ کرنے لگیں۔ کرم دین ان کا محتاط رویہ سمجھتا تھا۔ ان کے ساتھ ایک عرصے سے کام کر رہا تھا۔ یہودیہ ان کی طبیعت کا حصہ تھا۔ جب بھی وہ کوئی خیال اڑا کر رکھتا تھا اماں جان اس کے متعلق باز پرس ضرور کرتیں تھیں۔

”ابا حضور ہم بہت شرمندہ ہیں۔ بہت بے کلم سے ہو گئے ہیں کسی طرف چین نہیں مل رہا ہماری وجہ سے کسی کی جان پر ایسا غراب اترا ہے ہم اس متعلق سوچ کر ہی افسردہ ہیں مگر بہت سوچنے کے بعد بھی ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچے پارہے۔“ وقار الحق بہت مضطرب دکھائی دیئے نواب صاحب نے ان کی طرف خاموشی سے دیکھا۔

”ابا حضور فاطمہ بی بی بے تصور ہیں اور بہت بھولیں ہیں ان کی فطرت میں ہم کے جیسے کسی کو خیز پھول کو اٹھا کر تمازتوں کے دلانے پر رکھ دیا ہے۔ ہم اس کو پھنساؤ سے نکل نہیں پارہے اور اس کا کوئی سدباب بھی ممکن نہیں پاتے اور کو روز پڑھانے جانا..... ان سے بات کرنا جیسے اس کو پھنساؤ سے کو مزید بڑھاتا ہے۔ ان کا بھجا بھجا سانس بھیس سکون نہیں لے دیتا۔“ نواب زادہ کا لہجہ کرب میں ڈوبا ہوا تھا زمانہ حق نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

”ہمیں اندازہ ہے نواب زادہ وقار الحق مگر آپ کو بے تصور نہیں سمجھ سکتے آپ نے بہر حال ایک عقیدہ غلطی کی ہے اور اس غلطی کا سرزد ہونا جہاں آپ کے غیر بنیاد رویے کی جانب اشارہ کرتا ہے وہ ہیں آپ کا پھنساؤ آپ کی سادگی کی طرف بھی دھیان دینے پر مجبور کرتا ہے۔ ہم اس معاملے پر ڈٹے ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالنے کی کوشش کریں گے۔ اس معاملے میں ہماری بات اماں جان سے بھی ہونی ہے بہر حال اب اس وجہ خود کو کامت مت سمجھیے اماں جان کی گھر بیسیاست عروج پر دکھائی دیتی ہے اور ہدف کمزور ترین ہے۔ ہمیں بھی اس معصوم و شیرازہ پر ترس آتا ہے جو ابھی ایسے معاملات کی سمجھ بوجھ بھی نہیں رکھتی اور اسے ایسے عقیدہ مسائل سے دوچار کر دیا گیا ہے۔“ نواب زادہ تاسف کا اظہار کرتے دکھائی دیئے۔ زمانہ حق چپ چاپ بیٹے کو دیکھتے رہے جب وہ ہاتھ اٹھا کر غلطی سے بولے۔

”اگر وہ ہماری وجہ سے اس مشکل میں گرفتار ہوئی ہیں تو ہم ہر ممکن کوشش کر کے ان کو اس دلدل سے نکالنے کی کوشش کریں گے ابا حضور..... گمان کو بھی ان شرائط پر ایک رشتہ قبول ہوتا۔“ انہوں نے نرمی سے کہا نواب صاحب چونکے۔

”ہم نہیں جانتے نواب زادہ آپ کن شرائط کی بابت بات کر رہے ہیں مگر ہماری رائے میں رشتہ جو بھی ہو وہ شرائط سے پاک اور سیرا ہوا چاہیے شرائط کو اٹھا کر معادلوں کے لیے مختص کر دیا جائے ہم بھی مسائل کا حل چاہتے ہیں ہم نے اماں جان سے بات کی تھی مگر وہ اس نکتہ کے لیے آدگی ظاہر کرنی نظر نہیں آئیں ہم دوجہات تک سمجھ پائے مگر انہوں نے اس نکاح کے لیے ہمارا نام تجویز کیا ہے۔ وہ چاہتی ہیں ہم فاطمہ بی بی کو اپنے نکاح میں لیں۔“ نواب صاحب نے دھیسے لکھ میں کہا نواب زادہ ہر جھکا کے پیچھے رہے۔

”بہر حال ہمیں پارہے کہ اس معاملے کو کس طرح حل کرنا چاہیے۔ ایک معصوم بچی کا معاملہ ہے اس کی عزت کی بات نہ ہوتی تو ہم بھی اس معاملے میں نہ کوڑتے مگر معاملہ کیونکہ آپ سے جڑا ہے اور آپ کے باعث یہ سب ہوا ہے تو ہم لاپرواہ نہیں برت سکتے نہ وہاں چھڑا کر اعلق ہو سکتے ہیں۔“ نواب صاحب نے مدغم لہجے میں کہا۔



انداز جیسے قطعی تھا وہ مزید اس موضوع پر بات چیت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھیں۔ سوناب زادہ نے مزید کچھ کہنا ضروری خیال نہیں کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ تاج بیگم نے انہیں دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولیں۔

”ہمارے فیصلے سنا آپ کے ابا جان محترم واقف ہیں اور ہم اس میں کوئی ترمیم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔“ اماں جان نے مضبوط لہجہ میں جتایا۔ نواب زادہ وہاں سے نکلے چلے گئے۔



فاطمہ ہاتھ پھیلائے اپنی ہاتھوں کی کلیروں کو غور دیکھ رہی تھیں جب خاتون عثمان کے پاس آن پہنچیں۔  
”کیا ہوا فاطمہ بیٹی؟“ اس طرح پتھیلیاں پھیلانے کیا جا رہی ہیں آپ؟“ خاتون بیگم کا لہجہ عار و تہا کہ ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔ بیٹی کی اداسی دیکھی نہ جا رہی تھی۔ فاطمہ نے ان کی طرف نہ دیکھا اور سرنگی میں بلا دیا۔

”ہم ٹھیک ہیں امی جان فکر کی کوئی بات نہیں اور سی بات پتھیلیوں کی کلیروں کی تو ان کا کوئی مطلب نہیں مگر کوئی مطلب یا سنی ہے مگر تو ہم اس سے واقفیت نہیں رکھتے سو ہمارے لیے یہ محفل کلیں کی ہیں۔ ویسے آپ کی رائے میں ان کلیروں کا کوئی مطلب ہوتا ہے؟“ کلیروں کو کانچ پر کچھ بچوں یا ریت بنایا دو کلیروں ہاتھ پر قدرت نے بنا دیں ان کے معنی سمجھنا آسان نہ ہوگا کیونکہ ہر محفل اپنی استطاعت کے مطابق ان کلیروں کے معنی وضاحت سے گئی اور قیاس آرائیاں کرے گی انداز سے غلط یا درست ہو سکتے ہیں ان کے بارے میں آراء ہمیشہ متضاد رہیں گے۔ بہر حال اللہ کے سوال ان کلیروں کا مطلب کوئی نہیں جانتا۔ سو ہم اپنی منہی بند کیے لیتے ہیں۔“ فاطمہ نے کہہ کر اپنی کھلی پتھیلی کو دیکھا اور سطحی بند کر لی۔ خاتون بیگم نے اپنا ہاتھ ان کی بند منہی پر رکھا اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ہشتی سے گزرے۔

”کاش ہم آپ کے لیے کچھ کرنے کی استطاعت رکھتے۔ اماں جان نے گھر بیٹو حکمرانی کا جو انداز اختیار کیا ہے اس کے سامنے ہم کیا زبان کھولیں؟ جب کہ خواتین کے ابا جان بھی کچھ بولنے کو ارادہ نہیں کر رہے ہیں۔ واز آپ کے ابا جان کو اٹھانا چاہیے بھائی تو آپ کے بیرون ممالک مقیم ہیں ان کے کان تک تو بات گئی نہیں انہیں خبر ہی نہیں ان کی ماں جانی کیسے حالات سے گزر رہی ہے۔“ امی جان دھکی ہوئیں فاطمہ نے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھا۔

”امی جان ہم کسی سے کوئی شکوہ نہیں رکھتے، دادی جان کا اپنا ایک مزاج ہے اس پر بھی نکتہ چینی ممکن نہیں اور ابا جان.....“ فاطمہ کی آواز بھر گئی اور وہ خاموش ہو گئی تھیں خاتون بیگم نے صدر بخیمہ دکھائی دیں۔

”مخضض پڑھنے کی ایسی سزا؟ ایسی بدنامی کر ڈال اماں جان نے.....“ اندھا غارت کر کے گا انہیں۔“ خاتون بیگم نے کوئی مروت نہ کچھ بتا کہا۔

”امی جان انسان جو کرتا ہے اس کے لیے ہم اسے مورد الزام کیوں ٹھہرائیں؟ دادی جان نے جو کہا وہ ایک عمل کا رد عمل ہے خطا تو دراصل ہم سے ہوئی ہے اگر ہم سنا ایسی غلطی ہوئی تو کوئی ہم پر انگی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ہم نے اس معاملے کو اٹھانے کا موقع خود دیا ہے۔ وقت کی یاد دلانے کے لیے یہ محفل خود اے ہیں یہ پتھیلیاں ہماری خود کی تھیں کہہ رہی ہیں۔ یہ ہماری قسمت میں تھا۔ ہم نے کونسی اور کھالی میں کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا؟ ہمارا نصیب تھا۔ وہ شخصوں کے خوش نظر مدح میں لہجہ میں بولیں۔ خاتون بیگم نے ان کے ہاتھوں کو تھام کر کلیوں سے لگایا اور منہی آنکھوں سے فاطمہ کے چہرہ دیکھا۔

”تم ایک بے داغ چاند ہو میری بیٹی زمانہ چاند پر چھو کہ دے تو چاند وہ انداز نہیں ہوتا۔ وہی تھوک ان کے منہ پر واپس آن گرتا ہے جو غلط کر رہا ہے۔ بہر حال اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ اندکی لاشی بے واز ہے۔“ خاتون بیگم نے تاج بیگم کو کوسا۔ فاطمہ ان کو دیکھتی رہ گئیں۔



”اؤ ہٹھو میاں ضروری بات کرنا ہے تم سے۔“ اماں جان نے خواجہ صاحب کو بلاوا بھیجا تھا۔ وہ جو خاموش کھڑے تھے ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ تب اماں جان نے ان کی طرف دیکھا۔

”ایک ضروری بات گرتی ہے آپ سے؟“ کیاں جان نے مدعا اٹھایا۔ جب خواجہ صاحب ہشتی سے گویا ہوئے۔  
”ایک بات ہمیں بھی آپ سے گرتا ہے اماں جان۔ گستاخی معاف.....“ آپ کے حکم کے خلاف جانے کا ارادہ نہیں کرتے..... آپ ہماری جنت ہیں اور ہم دنیا اور آخرت خراب نہیں کر سکتے۔ آپ کا بہت احترام واجب ہے ہم پر ہمارا جنت جنت ہیں آپ..... مگر ہم فاطمہ کے متعلق بات کرنا چاہتے تھے۔“ خواجہ صاحب نے نرمی سے مدعا بیان کیا۔ تاج بیگم جو مسکراتی تھیں انہوں نے لب کھینچ لیے اور خاموش ہو کر خواجہ غلام الدین کی سمت دیکھنے لگیں۔

”ہم آپ کے خلاف جاز ہے ہیں ایسا مت سوچئے گا ہم ایسا بھی نہیں کر سکتے مگر فاطمہ کے متعلق اتنا کہنا چاہیں گے کہ ایک معصوم بیٹی ہے برائے غم اس کے متعلق کوئی فیصلہ لینے سے قبل ایک بار نظر ثانی کر لیجئے گا۔ غلطیاں بچوں سے ہی سرزد ہوتی ہیں فاطمہ اپنی کم عمر اور کم سن سے جا رہی ہیں اس کا جہون بڑھنا یا ہٹنے سے ہم سب اس بات سے واقف ہیں۔ اماں جان وہ اور دور تھا جب لڑکیوں کے پڑھنے کو برا سمجھا جاتا تھا پڑھنا معصوم نہیں ہے۔ جرم ہے سو ہم پڑھنے کی اس خواہش کو کسی جرم کے بنانے میں نہیں رکھ سکتے۔“ خواجہ صاحب کہہ رہے تھے جب کہ اماں جان نے ہاتھ اٹھا کر ان کو مزید بولنے سے روکا اور خوشگلیں نظروں سے ان کی سمت دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”میاں جو تیاں ہی مارتا ہیں تو ٹھوٹک بجا کر بارونا کہ لوگوں کو بھی خبر ہو کہ خواجہ غلام الدین جس کی پرورش ایک ماں نے تنہا کی اس نے ماں کی اس محنت کا کیا اجر دیا؟ تینوں صاحب زاووں میں ہمیں آپ پرنا تھا خواجہ غلام الدین مگر آپ نے بھی وہ ماں مان توڑ دیا..... کیا صلہ دیا آپ نے ہماری تعلیم و تربیت کا؟ ہم پڑھائی کے خلاف ہوتے تو پڑھنے کو آپ کو ولایت کیوں بھجواتے؟ وہ ہم ہی تو تھے جنہوں نے آپ کے لیے راہ کھولی تھی۔ آپ کی پرورش پڑھائی کھائی کے اخراجات..... ولایت کی پڑھائی..... سب کا بوجھ ہمارے ہی کا نہ محلوں پر تھا اور ایک آپ ہی کہاں تھے ایک بیوہ نے تین تین بیٹوں کی پرورش میں کوئی کسر اٹھانہ بھی مگر سچ کہتے ہیں ماں کوئی تفریق نہیں رکھتی کوئی تفریق نہیں کر سکتی مگر اولاد ایسی تفریق ہی کیا ہو رہی ہو اور اچھی ہے۔ بیٹا منہ کی مٹھاس اندر کی کڑواہٹ کو چاشنی میں نہیں بدل سکتی۔ عقل ہے ہم میں..... باتیں سمجھا تھیں ہیں ہمیں علم ہو رہا ہے کیا ہر جملہ رہا ہے آپ کی رگوں میں بیٹی سے ہونے والے سلوک کی پروا نہ آپ کو تھیں؟ ہوں ناں میں خواہو گی مخالفت کر رہی ہوں۔ ہاں ایسا ہی سمجھتے ہوئے تم؟ فاطمہ کو بدنام کر رہی ہوں اس کی ایک نامی پر کچھ اچھا لگ رہی ہوں ایسا ہی لگتا ہے ماں تمہیں تو چاہا ہم نے کب مشورہ دیا تھا آپ کی صاحب زادی کو کہ جا کر خلوت میں کسی پرانے مرد سے ملے۔ کیا ہم نے روانہ کیا تھا نہیں؟ گھر میں پڑھائی کو بھی تو ہم نے ممکن بنایا ناں۔ یہ نیک نیتی تو دکھائی نہ دی آپ کا وہ چوکتہ ہم نے ان کے تنہا کسی غیر مرد سے ملاقات پر اٹھایا اس پر فوراً اعتراض ہو گیا آپ کو..... کیسے کیا ہم غلط ہیں؟ اس اقدام پر ہم نے آسماں ان کو کیا تصور ہوا تھا؟ عقل مٹھاس چمکے گی کسی ان کی محنت۔ فاطمہ محفل علی جناح سے سنا نہیں تھیں ہاں وہ کیا تعلیمات ہیں فاطمہ جناح کی؟ آخر ایک میں حصہ لانا چاہتی تھیں ناں آپ سے بڑے عزائم رکھنے والے ایسے کارنامے سر انجام دیتے ہیں؟“ اماں جان نے خوب لٹے لیے۔ خواجہ غلام الدین کچھ بولنے کے قابل نہ رہے۔ سر جھکا کر خاموشی سے سنتے رہے۔

”خواجہ غلام الدین میں دشمن نہیں ہوں تمہاری ناتہناری اولاد کی میں نے کبھی کسی معاملے میں مخالفت نہیں کی مگر جو غلط ہے سو ہے میں خیر خواہ ہوں۔ نیکی کر رہی ہوں ایسی بدنامی کے باعث کون کہے گا اس لڑکی کو؟ عزت و دھڑکی کی گردنی بات تو کہتی ہے مجھے زبان سے نکالو میں اسے سیکھنے سے نکالتی ہوں۔ سو معاملہ وہ ہے کہ اب بات زبان سے نکل کر ہر



طرف پھیل چکی ہے۔ لوگ منہ جوڑ جوڑ کر باتیں کر رہے ہیں۔ کیا بھلا میں ہم ان کو..... کس کس کا منہ بند کریں؟“ اماں جان سمجھ کر اہم کلمہ نکال لائیں۔ وہ کہتے جس کو سن کر خواجہ غلام الدین کی رگیں غصے سے تن گئیں۔ وہ اٹھے اور خاموشی سے وہاں سے نکل گئے۔ اماں جان خاموشی سے انہیں دیکھتی رہیں۔ ان کے چہرے پر بلا کا اطمینان اور سکون دکھائی دیا تھا۔



نواب زادہ نے درمیان میں ہنسنے کی اس دلیار کو دیکھا پھر اٹھتی سے گویا ہوئے۔

”ہم آپ سے ضروری بات کرنا چاہتے ہیں فاطمہ! کیا کچھ وقت تھیکہ کال کر سکتے ہیں؟“ دوسری طرف فاطمہ کا چہرہ خوف سے بھر گیا۔

”نواب زادہ ہم بڑھائی نہیں چاہتے براے کرنا آپ دوبارہ یہاں مت آئیے گا“ فاطمہ نے بنا سوچے سمجھے کہا۔ نواب زادہ ان سے ایسی بات کی توقع نہیں کر سکتے تھے سو چونک پڑے۔

”ہم آپ کے خیر خواہ ہیں فاطمہ! آپ ایسی باتیں کیوں سوچ رہی ہیں؟“ نواب زادہ نے نرم خوشی سے کہا۔ ”ہم کیا سوچتے ہیں اس کی پروا آپ کو کس ہونا چاہیے جو بدنامی ہوئی ہے وہ ایک بھلا شخص ہے ہم اور بدنامی کیسے چاہتے۔ براے کرنا اس کی خیر خواہی متروک کیجیے جو ہوا دی کالی ہے ہم مزید ایسا کچھ نہیں کر سکتے۔ بہتر ہوگا اس تعلیم کے سلسلے کو ہی بند کر دیا جائے۔ نہ رہے گا پلاس نہ بچے گی بائیسری۔ تعلیم کے حصول کی خواہش نے رسوا کر دیا ہمیں۔“ فاطمہ غلا زبانی کی پروا کرتے ہوئے پھر پورا احتجاج کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔ نواب زادہ شرمندہ دکھائی دے رہے تھے۔

”فاطمہ بی بی! ہم پہلے ہی پچھتاوے کا شکار ہیں۔ بخدا اس پچھتاوے کو مزید مت بڑھائیے۔ ٹھیک ہے ہم اس معاملے پر کوئی بات نہیں کرتے مگر آپ وندہ کیجیے آپ اپنی بڑھائی کے سلسلے میں کوئی خلل واقع ہونے نہیں دیں گی۔“ نواب زادہ نے مصلحت کے تحت کہا۔ دوسری طرف فاطمہ نے خاموشی سا وہ لہ۔ نواب زادہ کو اطمینان محسوس ہوا۔

”معذرت چاہتے ہیں ہماری بات آپ کی دل آزاری کا باعث بنی۔ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ جو کوئی سن رہا ہے وہ سن لے گا۔ پکا دامن شفاف اور پاک ہے۔ آپ کی پاک دامن پر کوئی داغ نہیں لگا۔ اس روز غلطی میں ایسا کچھ نہیں ہوا تھا جس کے باعث آپ کو لگاؤ جھکا پڑا ہے۔ ہم آپ سے ملنا چاہتے تھے اور اس خواہش کا اظہار ہماری جانب سے ہوا تھا مگر آپ کی رسوائی کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ ہمیں افسوس ہے ہمارا ایک اقدام آپ کی بدنامی کا باعث بنا اگر اس کا کوئی سدباب ہو تو ہم ضرور ایسا کرنا چاہیں گے۔“ وہ مضبوط لہجے میں بولے مگر فاطمہ بی بی نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔



”کیا ارادہ ہے میاں تو قیر؟“ اماں جان نے ریہور کان سے لگا کرے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ دوسری طرف تو قیر مسکرا دیئے۔

”اماں جان ہمارے ارادے کی تو جانے دیجئے ہم تو آپ کے حکم کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ آپ اہم صادر کریں گی ہم سب جھکا دیں گے۔“ تو قیر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تو دوسری طرف اماں جان نہیں دیں۔

”آپ رادار او دم کھیت کھیت..... میں ایسے سیدھے کی نہ خواجہ جانے ہوئے ہادی اماں جان صاحبہ! کئی ہیں لوگ اس کا لب لاپ کیا ہوتا ہے۔“ اماں جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہم تو دشمن سے بھی بنا کر رکھتے ہیں۔ ہمیں ان کی ضرورت شان پڑے۔ ہماری مثل تو وہ ہے کہ خیر جانے وہ کہو معاملہ کیا ہے؟ الہیہ اور پھر کی کہو..... ایسا کرو..... ریحان میاں کو نے کر یہاں آ جاؤ۔“ انہں نے کہا تو قیر صاحب مسکرائے۔

”اماں جان کیا اس کو باں سمجھوں؟“ تو قیر صاحب کا دل بلیوں اچھلا۔ اماں جان نے ڈنٹا۔ ”تھوڑے کو کم جاننا سیکھو میاں! فی الحال جتنا کہہ رہے ہیں وہ کرنا اس سے آگے کی مت سوچو۔“ اماں جان نے کہا تو تو قیر صاحب نے دوسری طرف سر ہلا دیا۔

”تفکرات اماں جان! ہم آپ کے مزاج سے خوب واقف ہیں۔ ٹھیک ہے ہم آ جاتے ہیں آپ کے حضور حاضری دیجئے آگے آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔“ تو قیر میاں نے کہا تو اماں جان نے اطمینان سے ریہور ملا نہ کہ کچھ اویا جسے ملازم نے ٹبل پر بھنے فون پر نکال دیا تھا۔

”اماں جان حقہ زادہ کر لاؤں کیا؟“ ملازم نے دریافت کیا اماں نے مسکراتے ہوئے گردن اثبات میں ہلا دی۔



”کیسے والد ہیں آپ؟“ بیٹی کا ساتھ نہیں دے رہے؟ بیٹی مشکل میں ہے اور آپ کو اپنی اماں جان سے محبت کا بخار چڑھا ہے۔ جنت کی لکڑ کر رہے ہیں آپ بیٹی اولاد کی نفس اولاد کی لکڑ کیا کوئی باہر سے کر کر کے؟“ سخاوت بیگم نے مریج سے بیٹی شوہر نامہ کی خبری۔ خواجہ صاحب سہر جھکا کر دستاویزات دیکھتے رہے۔ سخاوت بیگم غصے سے لال پٹی ہوتی رہیں۔ ”اے کیسے کان لپیٹے ہیں آپ نے..... آپ سے بات کر رہی ہوں فاطمہ بی بی کے والد بھڑا آپ ہی ہیں ناں؟“ سخاوت بیگم کا غصہ عروج پر تھا۔ خواجہ صاحب نے ایک لمحے کو سر اٹھا کر زود کو دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

”بیگم ہم نے اماں جان سے بات کی تھی۔ انہوں نے نرمی سے کہا۔ ”فقط بات ہی کی تھی ناں کوئی حل تو نہیں نکالا ناں؟“ سخاوت بیگم نے گھر کا۔ خواجہ صاحب نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ تب سخاوت بیگم ان کے سامنے بیٹھ کر گہری سانس لیتے ہوئے بولیں۔

”خواجہ صاحب اگر میری صاحب زادہ کے ساتھ کچھ غلط ہوا تو دیکھیے گا! کیا نتائج نکلتے ہیں۔ خود پر تیل چھڑک کر آگ لگا لوں گی میں۔ اپنی اولاد کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گی۔ اس سے قبل مرنا گوارہ ہے۔“ سخاوت بیگم کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ خواجہ صاحب نے گہری سانس خارج کی اور زود کی سمت دیکھا۔

”بیگم یہ وقت جذبات سے کام لینے کا نہیں..... ہم اس معاملے پر سوچ بچار کر رہے ہیں! کوشش کر رہے ہیں کوئی مناسب حل ہاتھ لگ جائے۔ آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں ناں ہونے کے ناطے آپ کے جذبات گراں قدر ہیں مگر بیگم یہ وقت عقل و فکر سے کام لینے کا ہے۔“ خواجہ صاحب نے نرم کون انداز میں کہا۔

”اے اور تینا سکون رہیں گے آپ؟ آپ کو ہاں سے محبت کی پڑی ہے ان کے احترام کی فکر ہے مگر بیٹی کی کچھ فکر نہیں! وہ آپ کے سامنے بیٹھی بن رہی ہیں اور گہری چال چل رہی ہیں۔ یہ تمام کھیل ان کی کار چایا ہوا ہے۔“ سخاوت بیگم نے کھل کر الزام لگایا۔ خواجہ صاحب نے دستاویزات منجھل کر ایک طرف رکھ دیئے۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“ کیا اماں جان نے فاطمہ کو ان نوجوان سے اس طور غلطی میں ملنے کا کھیل چلایا تھا؟ کیا یہ ان کا منصوبہ تھا؟“ خواجہ صاحب نے نرم سکون انداز میں پوچھا۔ سخاوت بیگم نے نفی میں ہلایا۔

”تھیں آئیں ہوا خواجہ صاحب آپ کی اماں تو بے تصور ثابت ہو گئیں آپ کی آنکھوں پر تو پتی بندھی ہے کچھ دکھائی ہی کہیں دیتا ہے آپ کو؟ بے کار میں آپ سے بات کر ڈالی۔ دماغ میں خلل واقع ہوا ہے ہمارے۔ فراموش کرو دیجیے۔“ سخاوت بیگم نے غصے سے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ خواجہ صاحب خاموشی سے ان کو دیکھ کر رہ گئے۔ بالائی منزل پر کھڑی اماں جان بہت دیر سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ ان کے کانوں نے سب سنا تھا مگر اس کے باوجود وہ بہت اطمینان سے مسکرا رہی تھیں۔



ختر نیک سے یہی غلطی ہوئی۔۔۔۔۔ اب دیکھتی ہوں کیسے بڑے خواب دیکھتی ہیں محترمہ اور کیسے سیاسی لیڈر بنتی ہیں۔ تاج بیگم نے زمانے کو پرہیز کیا ہے، ایسی سیاست کو تو میں جنگلی سے مسل دوں سکتا ہوں کونیں ہیں مگر پھر بھی اینٹ سے اینٹ بجا سکتی ہوں۔“ تاج بیگم مسکرائیں۔



نواب زادہ بہت افسردہ سے دکھائی دے رہے تھے جب جنت بی بی ان سے ملاقات کا انہیں۔  
 ”آپ کی معاملے میں اچھے دکھائی دیتے ہیں چھوٹے نواب کیا ہم جان سکتے ہیں کہ مدعا کیا ہے؟“ جنت بی بی نے دریافت کیا۔ ان کا برم اچھ ہمدردی سے زیادہ غماز پر تھا مگر نواب زادہ نے سرنگی میں ہلادیا۔  
 ”معاذہ ایسا دیکھیں کہ آپ ہم سے اس تعلق کوئی بات کرنا نہیں چاہتے؟“ جنت بی بی نے ان کو جانچنے کی کوشش کی۔ نواب زادہ نے سرنگی میں ہلادیا۔

”ہم پریشان نہیں ہیں جنت۔۔۔۔۔ آپ یہاں کسی خاص معاملے پر بات کرنے آئی تھیں، اچانک ملاقات کا خیال کیونکر آیا؟“ جنت اب حضور کے قریبی دوست کی بیٹی تھیں سو ان کو بچپن سے جانتی تھیں۔ ان کا آنا جانا اس گھر میں اپنے بچپن سے تھا۔ جنت نے جب نواب زادہ کو تعلیم کی غرض سے بیرون ملک جارہے تھے تب جنت بی بی نے بھی بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور انوار الحق چونکہ امرائیں شمار ہوتے تھے سو ان کے لیے اس میں کوئی دقت نہ تھی کہ وہ بیٹی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کو رد کر دیتے۔ سو انہوں نے قانون کی اعلیٰ تعلیم انگلستان میں حاصل کی اور چھوٹے نواب کی مہربانی میں کی تھی اور ہندوستان واپس لوٹ کر مسلم لیگ میں شمولیت بھی انہی کی تقلید میں کی تھی۔ ان کے درمیان جو تعلق تھا بی بی انال کوئی نام نہ نہ رکھتا تھا مگر یہ بات واضح تھی کہ وہ تعلق خاص حوالہ رکھتا تھا اور نواب صاحب کے قریبی دوست بھی ان دونوں بچوں کے درمیان رشتہ جوڑنے کی خواہش کا اظہار کی بار بار کر چکے تھے۔

”نہیں ایسی کوئی خاص بات نہیں“ نہیں جانے کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ آپ چھٹا انھن کا شکار ہیں اگرچہ کچھ دنوں سے آپ سے ملنا بھی ممکن نہیں ہوا مگر ہم اس دوران شب بیداری کا شکار رہے۔“ جنت بی بی بولیں تو نواب زادہ وقار الحق مسکرا دیے۔

”محترمہ یہ کیا بات کہہ دی آپ نے ہماری انجھنوں کا آپ کی شب بیداری سے کیا تعلق۔ ہائے دی دے کیا آپ کسی انجھن کا شکار رہی ہیں؟“ وقار نے پوچھا جنت نے مسکراتے ہوئے سر ہلادیا۔

”ایسا ضرور کی کہیں کہ ہم کسی انجھن کا شکار ہوں؟“ انہی سوچ رہی تھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی انجھنوں کے باعث نیند ہماری آنکھوں سے دور بھاگ گئی ہو۔“ جنت نے مسکراتے ہوئے کہا وقار نے ان کی سمت دیکھا اور مسکرا دیے۔

”ذہین و شیرازے محبت ہونا بھی باعث نقصان بن سکتا ہے کئی راز ان کے ہاتھ لگ سکتے ہیں۔“ وقار مسکرائے جنت نگاہ جھکا گئی ان کے چہرے پر حیا کے رنگ واضح دکھائی دے رہے تھے۔ وقار ان کے چہرے کو بغور دیکھنے لگے پھر آہستگی سے بولے۔

”ہم نے غور نہیں کیا جنت آپ کی دراز چٹوں کا قصہ آپ کے رخساروں پر بہت بھلا لگتا ہے شاید ہم اس عمل کو دیکھنے کے لیے ایک عزم قائم کر سکتے ہیں۔“ سچ پوچھتے تو اس سے کل ہم نے بھی غور ہی نہیں کیا کہ آپ کی مسکراہٹ کیسی دلکش دیکھتی ہے یا آپ کی پٹلوں کی یہ ریش اسنے اندر کیا سرا رکھتی ہے۔“ وقار مدھم لہجے میں گویا ہوئے اور جنت جھینپ کر نگاہ پھیریں پھر قدرے توقف سے گویا ہوئیں۔

”کیا آپ اپنے ابا حضور کے باعث پریشان ہیں؟“ اباماں جان سے تذکرہ کر رہے تھے کہ کوئی نکاح کا معاملہ زیر غور



اباماں جان کا رویہ سخاوت بیگم کی سمجھ سے بالاتر تھا وہ بظاہر مٹھنی بنی ہوئی تھیں، کوئی مخالفت براہ راست مول لیتے ہوئے بھی وہ عداوت رکھنے میں اپنا ناطی نہیں رکھتی تھیں۔ ابھی بھی وہ جو کر رہی تھیں سو کر رہی تھیں مگر وہ خود کو خیر خواہ جتاری تھیں۔  
 ”مرض کے لیے بھی کڑی دوا کھانا پڑتی ہے سخاوت بیگم کو بکھوس فاطمہ بی بی کی پرہیزی کے خلاف نہیں تم سب نے دیکھا کہ چھوٹے نواب جوں کے توں پرہیز آ رہے ہیں اور فاطمہ بی بی کی پرہیزی میں کوئی غفلت واقع نہیں ہوئی۔ فاطمہ اس گھر کی بچی ہے ہم بھی چاہتے ہیں کہ وہ کسی قابل نہیں آؤ کوئی مٹھنی خاتون کا روشن ہو گا ناں مگر کیا کریں کہ جو بھی راستگی یا ناہنجاری میں ہوا وہ خاندان کی عزت کوئی میں لانے کی لیے کافی ہے چلو ہاں باہم فاطمہ بی بی کی پاک دینی پر اعتبار رکھی نہیں مگر کس کس کا منہ بند کریں گے کس کس کو یقین دلائیں گے کہ فاطمہ بی بی تصور ہے؟ سو بہتر یہی ہے کہ جو ہو رہا ہے اسے ہو جائے دیں۔ اگر عزت سے معاملہ بیٹ سکتا ہے تو اس سے اچھی بات ہو نہیں سکتی۔“ اباماں جان نے سمجھایا تو سخاوت کا خون اٹھنے لگا۔

”اباماں جان فاطمہ کن ہیں ان پر ایسے الزامات لگاؤ اور ان کی حرمت پر شک کرنا آخر حاکم اقدام ہے نہیں اپنی بیٹی پر بھروسہ ہے اور اس سے ہاں برابر فرق نہیں پڑتا کہ دنیا کیا کہتی ہے۔ بھارت میں جائے ایسا ہمارا۔“ ہمیں گھر پہنچا اپنی صاحب زادی کی آزمائش کو آگ میں جھونکنا ہے کیا؟ فاطمہ کا دامن پاک تھا اور رہے گا۔۔۔۔۔ ان کی تربیت امہ نے کی ہے وہ ایسا کوئی گرا ہوا کا نام نہیں کر سکتیں۔۔۔۔۔ کسی سے ملاقات کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ خلوت میں وہی ہوا جس کی قیاس آرائیاں کی جارہی ہیں۔“ سخاوت بیگم پر دم دکھائی دیں۔ تاج بیگم نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں مزید بولنے سے باز رکھا۔

”وہ جھوٹا جنت بی بی کی ڈالو جو ہوا سو ہوا۔۔۔۔۔ اب بولتے کا کوئی منہ بند کر سکتا ہے کیا؟“ بیانے کہہ گئے ہیں مارتے کا ہاتھ روکا جا سکتا ہے بولتے کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی۔ کس کس کا منہ بند کریں گی آپ؟ خلوت جلوت کی بات جانے دیں ایسے معاملات زیر بحث آنے سے فاطمہ پر گوارا ثابت نہیں ہو جائیں گی۔ گھر سے قدم نکالنا ان کی غلطی بہر حال تھی اور اب جن لوگوں نے انہیں کسی سے ملاقات کرتے دیکھا وہ تو منہ جوڑ کر باتیں کریں گے ناں اب کوئی کسی کے دل میں گھس کر تھوڑا نہ بیٹھا ہوا ہے کہ نیت کی خبر ہو جائے تو ایسا ہی ہے بھیا۔۔۔۔۔ وقار حق کے نڈانے ایک طرف ہوتے ہیں اور دنیا کے دونوں طرف۔ عزت چلی جائے تو واپس نہیں آتی۔ اپنی پارسائی ثابت کرنے کا ارادہ ترک کر دینا چاہیے کیونکہ آپ ایسی مضامین سے بے قصور ثابت نہیں کر سکتیں کیونکہ ہر دامن کے سچے کا ڈھک اپنا ہے بغیر بحث طویل ہو جائے گی سیدھی بات یہ ہے کہ جو ہوا سو ہوا اس واقعے سے کچھ باہر نہیں نکلے گا فاطمہ بی بی کی بے گناہی ثابت نہ ہوگی جو پوچکا ہے اس کا ازالہ کچھ نہیں بہتر یہی ہوگا کہ جو رشتہ مل رہا ہے نکاح کروایا جائے۔“ اباماں جان دور کی کوڑی لڑیں جیسے سخاوت بیگم ان کو دیکھ رہی تھیں وہ اباماں جان سے الگ نہیں جاتی تھیں مگر اپنی رشتہ کا معاملہ سمجھا بھی نہیں کی تھیں۔ اباماں جان نے بہت مہارت سے جاں بچھا یا تھا جان بوجھ کر ایسی صورت حال پیدا کی تھی کہ رشتہ کرتے ہی بنے۔ دوسرے محفل میں اباماں جان محل کرانی پونی سے مخالفت کرتی دکھائی دے رہی تھیں مگر دوسری طرف ہمدردی بھی جتاری تھیں۔ یہ مگر یہ سیاست تھی اور ایسی سیاست کے لیے کسی درس گاہ کی سند کی ضرورت نہیں پڑتی، گھر بلو عورتیں جو سیاست کرتی ہیں وہ کامیاب چلانے والے دماغ بھی نہیں کر سکتے۔ سخاوت بیگم ساس کا عزت جاتی تھیں سو چپکے سے منہ لپیٹ کر اٹھ گئیں۔ اباماں جان مسکراتے ہوئے حقے کے کش لینے لگی تھیں۔

”تاج بیگم سے کوئی نہیں ٹکرا سکتا سخاوت بی بی کیا نے کہہ گئے ہیں؟“ سمندر میں رہ کر مگر مجھ سے ہیر نہیں لیتے اور تہااری



ہے۔ ہم سنا تو نہیں چاہتے تھے مگر بات کانوں میں پڑ گئی تو ہم پوچھنے پر آمادہ ہو گئے۔ معذرت چاہتے ہیں مگر جو تعلق دلوں میں باہم ہے اگر وہ کوئی معنی رکھتا ہے تو ہم آپ کے سبھی معاملات کے متعلق بات کر سکتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ ہم تجسس ہیں بلکہ اس لیے کہ ہمیں آپ کی فکر ہے کیا واقعی ایسا کوئی تذکرہ اس گھر میں موضوع بحث آیا ہے؟ ہمیں حیرت ہوئی کیونکہ آپ کی اماں حضور کی وفات کے بعد پتیا جان نے بھی اس متعلق نہیں سوجا۔ جنت بولیں تو وقار لب بھیج گئے۔ ان کی پیشانی کی رگیں تن گئیں۔ وہ جیسے شدید ذہنی تشوش کا شکار دکھائی دیے تھے۔

”کیا ہوا تھا راجی؟ کیا واقعی ایسا ہے کہ پتیا جان دوسرا نکاح کرنے کے خواہش مند ہیں؟“ جنت کے کہا وردی راجی نے ان کی طرف سے چہرہ پھیر لیا تھا۔

”جنت ہم اس معاملے پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتے۔ کیا ہم کوئی اور بات کر سکتے ہیں؟“ وقار مروت سے لپٹے لہجے میں گویا ہونے اور ان کا انداز سرد تھا وہ دم لہجے میں بولیں۔

”معذرت چاہتے ہیں، عمل ہوئے بہر حال ہم مسلم لیگ کے ایک طے کے حلقے بات کرنے کے لئے آئے تھے اگر آپ کے پاس وقت ہو تو ہفت روزوں کے معاملات سمجھ کر بیٹھیں گے۔ جنت کہہ کر مروت سے وہاں سے نکل گئیں۔ وقار اتنی الجھن میں تھے کہ انہوں نے پلیٹ کر جنت بی بی کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ شدید حیرت میں مبتلا تھے کہ ہاں حضور نے اگر کوئی فیصلہ لے لیا ہے تو اس کی خبر ان کو کیوں نہیں ہونے دی۔



فاطمہ نے دادی جان کے کمرے کا دروازہ بجایا تھا۔

”کون ہے؟ اندر آ جاؤ۔“ دادی جان اخذ کیے بیٹھی تھیں کہ وہاں کوئی ملازمہ ہے کیونکہ یہ وقت ان کے کام کا تھا اور ان کی ملازمہ خاص کے علاوہ ان کے کمرے میں اس دوران کوئی نہیں آ سکتا تھا۔

فاطمہ کے ہاتھ کپکپا رہے تھے مگر وہ جیسے ہمت نہیں ہارنا چاہتی تھیں تو خود کو سنبھالی کھڑی تھیں سوہمت کر کے قدم کھلے دروازے کے اندر رکھ دیے تھے۔ دادی جان نے گردن اٹھا کر دیکھا اور فاطمہ بی بی کو سامنے کھڑا دیکھ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

”کیا معاملہ ہے فاطمہ بی بی خیریت..... آج آپ نے حاضری دینا ضروری کیوں خیال کر لیا؟“ تاج بیگم کا لہجہ زہر خند تھا مگر فاطمہ جواباً کچھ نہیں بولیں۔ خشک لبوں پر زبان پھیری صبح ہیگم چاندیہ تھیں اتنا تو وہ جان گئی تھیں کہ فاطمہ بی بی کسی خاص وجہ کو لے کر ان کے حضور حاضر ہوئی ہیں۔

”بولیے کیا مدعا ہے..... پڑھائی کے معاملے کو لے کر کوئی مشکل آن پڑی ہے؟ ہم آپ کے استاد کے کان تک نہیں گئے یا سرے سے استاد ہی بدل دیں گے۔ تاج بیگم کی بات چلتی ہے کیسے ممکن ہے کہ ہم کسی سے آپ کو پڑھانے کی درخواست کریں اور وہ انکار کرے؟“ وہ مسکرائیں فاطمہ کچھ مدت پانی خاموشی سے کھڑی رہیں۔ تاج بیگم نے بغور ان کو سر تا پا دیکھا۔

”بڑی قابل فخر بچی ہیں آپ فاطمہ بی بی آپ ضرور اس خاندان کا نام بہت روشن کرنے والے ادارہ کھتی ہیں مگر یہ اگے بات ہے کہ وہ عوام خواجہ خاندان کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں۔ بڑی داد دینا پڑے گی آپ کی ہمت کی..... اب بھی سرتن کر کھڑی ہیں آپ..... بہر حال پڑھائی کا حال کیا ہے اور حوالے کہاں تک پہنچے یہ تو معاملات ابھی کھلے نہیں مگر خاندان پر انگلیاں اٹھانے والوں نے بتا دیا ہے کہ آپ سے یہ کارنامہ کرنے کا ہنر رکھتی ہیں۔ انہوں نے طنز کی حد تک کر دی گئی۔ فاطمہ سر جھکا گئی تھیں۔ پھر زنی سے گویا ہوئیں۔

نسانہانی عظمت و وقار کی آڑ میں حبذ بات کو محسوس کرتی داستان

خاص موضوع اور خاص وقت میں جنم لینے والی ناقابل فراموش داستان



مسا مرقہ قسری شام سے کچی دیکش و دل موہ لینے والی تحسیر

جنت حبیبہ آنچل کے صفحات پر سب لوگ مشرور ہوئے والا ناول

جنت حبیبہ آنچل کے صفحات پر سب لوگ مشرور ہوئے والا ناول

جنت حبیبہ آنچل کے صفحات پر سب لوگ مشرور ہوئے والا ناول

جنت حبیبہ آنچل کے صفحات پر سب لوگ مشرور ہوئے والا ناول



”معدرت چاہتے ہیں داوی جان! ہم خاندان کے وقار کے منافی کچھ روٹھیں رکھ سکتے، ہم سے ایک غلطی ضرور ہوئی ہے مگر ہم سنبھل گئے ہیں۔ ہم درخواست کرتے ہیں آپ اس معاملے کو رفع دفع کر دیجیے۔ ہم پڑھائی کے اس عمل کو متروک کرنے کو تیار ہیں ہم مخالفت کے اس عمل کو مزید نہیں جمیل سکتے۔ ہم اہل جان کی نگاہ میں مجرم بن رہے ہیں۔ ہم تھک گئے ہیں اور ہمت نہیں۔ آپ سے معافی کی درخواست کرتے ہیں ہم دوبارہ اس پڑھائی کے متعلق سوچیں گے بھی نہیں۔ وعدہ کرتے ہیں مگر برائے کرم آپ ان معاملات کو نہیں روک دیجیے۔“ فاطمہ کی آنکھیں لبریز تھیں آنسو چپ چاپ بہہ رہے تھے۔ تاج بیگم جان کی ہمت بخور دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔

”یہ کیا الزام تراشیاں ہیں فاطمہ؟ ہم آپ کی داوی جان ہیں ہم آپ کی مخالفت کریں گے آپ ایسا سوچ بھی کیونکر سکتی ہیں..... بلکہ ہم وہ واحد فرد ہیں جو آپ کی حمایت میں کھڑے کھائی دے رہے ہیں بھلا ہم آپ کی پڑھائی کا سلسلہ کیونکر روکنا چاہیں گے؟ کیا چھوٹے نواب کو ہم نے اجازت نہیں دی کہ وہ آپ کو پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھیں؟ اگر ہمارے دل میں کوئی بات ہوئی تو ہم اس پڑھائی کے سلسلے کو روک دیتے مگر ہم نے ایسا نہیں ہونے دیا آپ ہماری نیت پر شک کر رہی ہیں اور ایسا باعث حیرت ہے فاطمہ کی بی بی۔ داوی جان نے شکوہ کرنا کہ فاطمہ بی بی میرے کچھ کہہ سکتی یا نہیں وہ چند ٹائیدوں تک خاموشی سے کھڑی رہیں پھر آگے بڑھ کر تاج بیگم کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ سرور برف سے فخر ہاتھ تاج بیگم کو جیسے آپ کی امید نہیں تھی کہ فاطمہ اس قدر ہمت پائیگی کہ وہ حیرت سے فاطمہ کو دیکھتی رہیں مگر ان کی آنکھوں میں سرشاری کی کیفیت بہت واضح دکھائی دے رہی تھی۔ سخاوت بیگم جو وہاں سے زور پکڑیں تھیں ایک دم دروازے کے اندر جھانکنا تو تھک گئیں۔ فاطمہ اپنی داوی جان کے قدموں پر سر رکھنا زور وقار دور رہی تھیں۔

”ہمیں معاف کر دیجیے داوی جان۔ ہم شرمندہ ہیں بہت تھک گئے ہیں فوٹ گئے ہیں بہت بڑی گستاخی کر ڈالی ہم نے، ہم فراموش کر گئے تھے کہ خواب ہماری زندگی کا حصہ نہیں، ہمیں معاف کر دیجیے۔“ فاطمہ بے ہمت دکھائی دے رہی تھیں۔ تاج بیگم جو سرور سی فاطمہ کی طرف دیکھ رہی تھیں ایک دم ان کی نگاہ ڈائیز پر کھڑی شدید حیرت میں مبتلا سخاوت بیگم پر بڑی اور انہوں نے فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور نرمی سے کہا ہوئی۔

”جھلی ہوئی ہے کیا عقل کھاس پرانے مٹی ہے؟ ہمارے خاندان کی بچیاں ایسے پاؤں نہیں پکڑیں اور معافی کس بات کی؟“ جیسے قصور دار ہی نہیں، جانے کسے کوشش کر کے انکھوں میں کیلا نے من کا جاپا ہوئی تھیں اور جھک کر انہوں نے فاطمہ پر چہرہ اٹھایا، مٹی کی حالت بیگم کے بڑھاپا میں اور ماں جان کو سونے ہوئے تھا۔

”اماں جان کیسا دل سناپ کا..... کسی ماں ہیں آپ؟ ایک بیٹی کو اس درجہ تکلیف دیے کہ کیا وصف ہے؟ کچھ اندکا خوف کیجیے۔“ سخاوت بیگم نے آگے بڑھ کر بیٹی کو اٹھا کر کھڑا کیا اور پیشکشیں نظروں سے تاج بیگم کو دیکھا فاطمہ نے بے ہمت سا وجود ماں کے کندھے پر ڈال دیا۔

”اماں جان اللہ کی لاشیں بچاؤ وازے ایسا خرد ٹھیک نہیں؟ آپ فرعون بن رہی ہیں ایک بیٹی کی زندگی کی ذرا اگر غلطی سے آپ کے ہاتھ آگئی تو آپ سب رو کر کھنے کی حق دار نہیں..... کچھ خیال کیجیے اس دنیا میں قیام عارضی ہے آخرت کی فکر کیجیے کیامت دکھائی میں اپنے رب کو..... وہاں باز پرس ہوئی تو آپ کو کوئی بچا نہیں سکے گا۔“ سخاوت بیگم نے کہہ کر بیٹی کو سہارا دیتے ہوئے آگے بڑھایا اور فاطمہ کو لے کر کمرے سے نکل گئیں۔ تاج بیگم نے سینچے سخاوت بیگم کو دیکھتی رہی تھیں۔



وقار مند داخل ہوئے اور زمان الحق کو دیکھا۔ دوسرے جھکائے انہماک سے کتاب پڑھ رہے تھے۔ وقار کو براہ راست کچھ



# لہری لہری لہری

نوبت حسین ضیاء

www.pakurdulibrary.com  
http://pakfunpace.blogspot.com



دریافت کرنا مناسب نہ لگے۔ تبھی وہ خاموشی سے رک کر ان کی جانب دیکھنے لگے۔ نواب صاحب بیٹے کی آمد سے واقف ہوئے اور ان کی جانب متوجہ ہوئے بناوے۔

”کیسے صاحب زادے؟ خیریت سے تشریف لائے ہیں؟“ وقار چوٹے مگر ذری طور پر کچھ کہے بغیر آگے بڑھائے اور نواب صاحب کے سامنے آن کرے۔

”ابا حضور ہم اجلاس کے سلسلے میں لکھنؤ جانا چاہ رہے تھے۔“ انہوں نے اصل مدسے پر بات کیے تاکہ سرسری معاملہ ان کے سامنے نہ آسکے۔

”کب جانا ہے آپ؟“ نواب صاحب نے دریافت کیا۔ بیٹے کے چہرے پر کئی الجھنوں کا آثار دکھائی دیتے تھے مگر انہوں نے براہ راست پوچھنا ضروری نہیں خیال کیا۔

”ابا جان! گلے جفتے جانا متوقع ہے۔ بہر حال جانے سے پہلے آپ کو مطلع کروں گے۔“ وقار الحق نے کہا تو نواب صاحب نے سر ہلایا۔ شاید وہ بہت خطرے کے قار مر مریات کریں مگر وہ طے کرے۔

”کیسے نواب صاحب آج کیسے یاد کر لیا؟“ دادی جان نے نواب صاحب کو اپنے سامنے دیکھ کر دریافت کیا۔ نواب صاحب دو دو ک بات کرنے کے عادی تھے سو گئی لپٹی رکھے بنا کہا۔

”ہم نے فیصلہ کر لیا ہے اماں جان! اسی باعث آپ کے حضور حاضر ہوئے ہیں۔ دراصل فیصلہ مشکل تو نہیں تھا مگر چونکہ آپ سے ہماری زندگی پوشیدہ نہیں سواپ سمجھ سکتی ہیں کہ ہم نے کس باعث وقت لیا۔“ وہ عجیب ایک ٹھہراؤ اپنے لہجے میں رکھتے تھے۔ تاج بیگم مسکرا دیں۔

”کحل کر بات کیجیے نواب صاحب آپ تو دلیر انسان ہیں آپ سے ایسی گئی لپٹی کی امید کوئی نہیں رکھتا یہاں۔“ تاج بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ نواب صاحب نے سر ہلایا۔ کچھ دیر خاموش رہے پھر گویا ہوسے۔

”ہم قاطعہ بی بی سے نکاح پر راضی ہیں آپ کی یہ شرط بھی قبول ہے اماں جان..... اب مزید حکم کیجیے۔“ اماں جان ہنس دیں۔

”کیا بات کرتے ہو میاں! ابھی شرائط رکھی ہی کہاں ہیں! کبھی تمہارا جس مزاج بے سمت گھوڑے کی طرح دوڑتا دکھائی دیتا ہے خیر.....“ تاج بیگم نے بات غیر منطقی انداز میں ختم کی۔ نواب صاحب نے لب بھج کر ان کو دیکھا۔

”سواپ کیا کہتی ہیں آپ اماں جان؟ شرائط کی بات ایک طرف رکھ دیجئے ہر طرح کی شرائط ماننے کو تیار ہیں ہم..... اس معاملے میں کوئی دورائے نہیں۔“ نواب صاحب نے یقین دلا یا۔ اماں جان مسکرا دیں۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)





عید الفطر کا جائز نظر آ گیا تھا۔ ہر طرف شور کے ساتھ گھبراہٹ مچ گئی اور چہل چلن میں تیزی آ گئی تھی۔ بازاروں میں بلا کی رونق تھی۔ دکان داروں کی جائیدادیں ہی چاندی تھیں۔ سناٹا بھی بیٹوں پر لوگ خریداری کر رہے تھے۔ کسی ہاؤس نامی دو سو گز کے ڈبل اسٹوری گھر میں عید کی روایتیں عروں پر تھیں۔ بڑھ چڑھ کر عید کی آمد کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ کیوں نہ ہو عید کے دوسرے دن کسی ہاؤس کی رہائشی محسن الدین کی بیٹی ارشد کی شادی تھی۔ عید کی شام ارشد کی بہن ہاؤس کی شادی کی چھٹی تھی۔ ارشد کی شادی خاص اہم تھی۔ جب کہ ارشد کی والدہ خوشیہ بیگم بھی بیٹی کی شادی کو لے کر خاصی پریشان اور غمگین تھیں۔ گھر کی چھٹی شادی اور وہ بھی جس طرح سے یہ شادی ہو رہی تھی۔ خوشیہ بیگم کے لیے بھی تکلیف دہ تھا۔ محسن الدین مطمئن تھے ان کو اپنے فیصلے پر کوئی دھکا اور نہ ہی وہ کسی قسم کے دھمکوں اور اندیشوں کا شکار تھے اس بات سے بے خبر تھی کہ تھیں کہ ان کا یہ فیصلہ ان کی بیٹی کے لیے کتنا تکلیف دہ ہے مگر۔۔۔ ان کا فیصلہ اس اور جتنی ہی ہوتا تھا۔ جس میں ترمیم یا سوچ بچار کی کوئی گنجائش نہ ہوئی۔

”آپا۔۔۔ ارشد نے کمرے کے دروازے پر رک کر آواز لگائی۔

”کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔۔ ہاں اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو؟ باہر آؤ امی جا رہی ہیں۔“ ارشد نے کمرے کی لائٹ جلاتے ہوئے کہا۔ ارشد نے سر اٹھا کر ارشد کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی واضح تھی اور چہرے پر کرب بھی نمایاں تھا۔

”آپا پلیز۔۔۔ کم از کم اب یہ سب بند کرو۔ اللہ کے لیے کیوں ناخن روگ لگائے بیٹھی ہو۔۔۔ ایسے بے عقل شخص کے لیے جو شاید موقع کی تلاش میں تھا۔ تم سے بھگدیا ہونے کے لیے۔ اتنا بڑا دامہ رچا ہوا۔ اتنی بڑی چال چلی اور خاموشی سے تمہاری ہمتا سے نکل گیا۔“

”ارشد تم بھی ایسی باتیں کرو گی تمہارے اندھ بھی یہی منہ سوچ لینے کی بجائے تم ہی انہی کے کام فرماؤں۔ برقیوں کرنے مگر جو شخص مہرو تھے ہیں سن گھڑت اور جھوٹی کہانیاں ہیں۔ مجھے سلی دینے اور خود کو سارے زمانے کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ڈرامہ وہ نہیں ارشد۔۔۔ ذرا دلو تو یہ ہے۔۔۔ کہانیاں تو یہاں بن رہی ہیں میرے گھر میں۔۔۔ میں جانتی ہوں ارشد کہ شریز بیٹھے بیٹھے بھول سکتا وہ مجھ سے بچا کرتا ہے۔

اپنی جان سے زیادہ مجھے چاہتا ہے وہ مجھ سے۔ بے وفائی کرے گا یہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی۔ پلیز ارشد یا اب سے کہہ دو کچھ دن اور انتظار کر لیں۔ تمہارا سادقت تمہارا ساموچ اور دے دینا میری بہن۔۔۔ یا اب سے کہہ دو ہاں۔۔۔ مجھ پر رحم کریں۔“ ارشد ارشد کا ہاتھ تمام کمرے میں گھس کر گئی۔

”آپا۔۔۔ بچوں جیسی باتیں مت کرو خود کو اور ہم سب کو آواز میں مت ڈالو۔ جو حقیقت ہے اس کو قبول کر لو اور یوں خود کو اتنا کمزور مت کرو کہ میں بھی کمزور پڑ جاؤں۔“ ارشد اس کی حالت دیکھ کر تڑپ گئی اور اس کے کانڈھے تمام کمرے کی جذبات سے لبریز لہجے میں کہا۔ ارشد بے بسی سے ہونٹ کاٹ کر رو رہی اور تمام تر ہمتیں جمع کر کے خود کو آنے والے حالات کے لیے تیار کرنے لگی۔

محسن الدین اور عاتقہ کی بیٹی تھی۔ محسن الدین بڑے اور عاتقہ چھوٹی تھیں۔ والدین حیات نہیں تھے۔ محسن الدین نے بہن کو بلا پر حلالا دکھایا اور اس کی شادی کر دی۔ مالی لحاظ سے مستحکم نہ تھے مگر غریب بھی نہ تھے۔ عاتقہ کے شوہر مصفاحت ایک فنی میں جاب کرتے تھے۔ چھوڑا سا ذاتی مکان اور ایک عدد بچہ ہاں ان کی گلی کا کائنات تھی۔ شریف اور نیک تھے۔ محسن الدین بھی سرکاری ملازم تھے۔ بہن کی شادی سے فارغ ہو کر انہوں نے بھی عاتقہ کے سسرال میں ہی خوشیہ بیگم کو پسند کر لیا۔ خوشیہ بیگم کی پہلی بھی سفید پوش تھی۔ اس لیے دونوں صاحب سے سادگی سے شادی کی رسموات ادا کر دی گئیں اور شادی ہوئی۔ خوشیہ بیگم نے گھر اور محسن الدین کا بہت خیال رکھا۔ اللہ پاک نے دو بیٹیاں اور محسن اور ارشد اور ایک بیٹا روئے دے کر ان کی گھرانہ بھی مکمل کر دیا۔

اگر عاتقہ کے ہاں وہ بیٹے شریز اور عاتقہ تھے۔ شریز بڑا اور طالب چھوٹا تھا۔ عاتقہ کا سسرال بھی گھر کے قریب ہی تھا۔ اس لیے آتا جاتا بھی لگا رہتا۔ ارشد اور ارشد نے آگے کھینچ کر تو اپنے اندر مرد مال باپ کے علاوہ پھر پورے پھر پورے دونوں بیٹوں کو ہی دیکھا ساتھ کھینچتے تو تے بیچ بڑے ہو گئے۔ خوشیہ بیگم اور عاتقہ میں بھی رفاقتی بندھن چالی گولی منقبت اور رفاقتی جڑوں آپس میں بہت پیار و محبت سے بڑھیں۔ شریز ایم کام کر رہا تھا۔ عاتقہ کی لائسنس کی لاسٹ ریٹریٹ تھا۔ ارشد نے بھی انکس کا انتخاب کیا تھا اور وہ انٹر میں بھی ارشد میٹرک میں اور روئے آنسوؤں کلاس میں۔ محسن الدین بچوں کی پڑھائی کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ اسی وجہ سے بچے دل لگا کر پڑھتے اور ہر کلاس میں

نمایاں پوزیشن لے کرتے۔ یونی ہنٹے کھینچتے لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کی سنگت میں بیچے بڑے ہو گئے اور ایک ایک دوسرے کے لیے دلوں میں کب اور کیسے نرم اور کوئل جذبات پروش پانے لگے شاید اس بات کا اور اک ہوتا بھی نہیں کہ جب ارشد کو کسی شادی کی تقریب میں خاتون نے اپنے بیٹے کے لیے پسند کر لیا اور جب خوشیہ بیگم سے اس سلسلے میں بات کی تو حسب عادت خوشیہ بیگم نے سب سے پہلے عاتقہ کو یہ خبر دی۔ ایک ماں ہونے کے معاملے اس بات کو سن کر ان کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔ تب انہیں احساس ہوا کہ بیٹی بڑی ہو گئی ہے۔ آئین میں کوئی چیز یوں کی مانند چھوٹی کوئی اور لڑکی ہوئی بیٹیاں کہ بڑی لڑکی ہیں۔ یہ بیٹیاں ہیں۔ ایک ایک حسب کوئی رشتہ آتا ہے جب ماں کو احساس ہوتا ہے کہ ان کی بیٹی کتنی چھوٹی بڑی ہو گئی ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ ان کو رخصت کر دیں۔ یہی حال خوشیہ بیگم کا بھی تھا۔ جب خاتون نے کسی کے ذریعے خوشیہ بیگم کی سیر لے کر ان کو ارشد کے حوالے سے کہا کہ میں اپنے بیٹے کے کمرے کے سلسلے میں آپ کے گھر آنا چاہتی ہوں تو خوشیہ بیگم زبردستی انہیں۔

شام کا وقت تھا۔ آج کل شریز کے ایگزامز ہو رہے تھے۔ وہ حسب معمول گھر میں بیٹھ کر پڑھائی کر رہا تھا۔ اس نے اپنی جاب کی بھی بات کر رکھی تھی۔ ایگزامز کے فوراً بعد اس کی جاب بھی لگنے کی امید تھی۔ مصفاحت صاحب بھی اس وقت آفس سے آئے تھے۔ طالب بھی پاس بیٹھا اسٹڈی کر رہا تھا۔ عاتقہ جائے لے آئیں۔ بیچ جائے پینے کے ساتھ پڑھ رہے تھے اور میاں بیوی آپس میں باتیں کرتے تھے۔ جب ہی عاتقہ کا موبائل بجنے لگا۔ اسکرین پر حال دکھا دیکھ کر گال پر ہنس گئی۔

”اسلام علیکم بھائی۔۔۔ دے دو ابھی بات ہے۔ کی جی میں ضرور آؤں گی۔ دس بجے بھی آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔ اتنی فکر کرنے والی کون کی بات ہے۔ بیٹیاں ہیں تو بڑے بڑے ناں۔ جیس میں دل کو مصفاحت کے ساتھ چکر لگاؤں گی آپ بیٹیاں مت سنیں۔ جی اللہ اللہ اب ٹھیک ہیں۔ جی اللہ اللہ“ عاتقہ کی بات پر سب لوگ سن کی طرف متوجہ تھے۔ بات سمجھنے لگی تھی۔

”کیا ہوا۔۔۔ خیریت تو ہے کیوں پریشان ہیں خوشیہ بھائی؟“ مصفاحت صاحب نے کالی بند ہونے کے بعد عاتقہ سے پوچھا تو عاتقہ نے زور سے قہقہہ لگایا۔

”عجب ہیں بھائی بھی بھلا اس میں پریشان ہونے کی کیا

بات ہے؟“

”گھر کے بھی ہوا کیا؟“ مصفاحت صاحب نے کہا تو عاتقہ بیگم نے ہنستے ہوئے بتایا۔

”بھائی بیٹوں کو لے کر کسی شادی میں گئی تھیں وہاں پر کسی خاتون نے ہماری ارشد کو اپنے بیٹے کے لیے پسند کر لیا ہے اور وہ ارشد کا پوزیشن لے کر گھر آنا چاہ رہی ہیں اور ہماری بھائی صاحبہ پریشان ہو رہی ہیں۔“ عاتقہ کی بات سن کر ہوئی تو شریز پڑھتے ہوئے بری طرح چونکا۔ اس خبر سے نہ جانے کیوں اسے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی بلکہ عجیب سی ٹھنڈک تھی۔ اس نے سر جھٹک کر دوبارہ دھیان پڑھائی کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔

”کوئی بیٹیاں ہیں۔ مجھ کو نیک اور بیگم کی سادگی ظاہر ہے آج کل شریز اور سادگی کا فقدان ہے تو خاندانی لوگ پہلے دیکھتے ہیں۔ اللہ پاک سب اچھا کرے اور بچیوں کے نصیب اچھے کرے۔ رات کو چلتے ہیں آپ کی بھانجی کے یہاں۔“

مصفاحت صاحب نے پہلے دعا یہ الفاظ کہے پھر مسکراتے ہوئے عاتقہ کی جانب جھٹک کر بولے تو عاتقہ سر ہلا کر نہ گئیں۔

”کیا ہوا بھائی خیریت تو ہے؟“ طالب جو خاموشی سے شریز کی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ آخر پوچھ بیٹھا۔

”کچھ نہیں یار۔“ شریز نے گڑبڑا کر کہا اور دھیان پڑھائی پر لگانے کی کام کو مکمل کرنے لگا۔ لیکن دل پر بیسے کوئی بوجھان پڑا تھا۔

مغرب کی آواز ہوئی تو مصفاحت صاحب نماز پڑھنے کے لیے مسجد روانہ ہو گئے۔ شریز اور طالب نے بھی کتابیں سپرد لیں اور عاتقہ بھی نماز کی لوائیں کے لیے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ نماز مغرب سے فارغ ہو کر عاتقہ بیگم بچن کی طرف آئیں تاکہ رات کے کھانے کی تیاری کر سکیں۔ آنا تسلی میں نکال کر گوندھنے لگیں۔ تب ہی شریز آ گیا۔

”تمہیں جانے کی طلب ہوئی ہوگی؟“ غیر متوقع شریز کو بچن میں دیکھ کر عاتقہ نے آگوندھتے ہوئے سر اٹھا کر شریز کی طرف دیکھا۔

”جی نہیں میں ایسے ہی آ گیا تھا۔ دیکھو تو لیں کیا کر رہی ہیں۔“ وہ مسکرایا۔

”اچھا۔۔۔“ عاتقہ بھی مسکرائیں۔

”سناؤ تو کیا ہوا ہے روٹیاں کھالوں تاکہ جلدی کھانے سے فارغ ہو کر پھر بھائی جان کے گھر چلا جائیں۔ میں پورے تیار ہوں۔



جی۔ عاقل نے آگوندہ کر سہانہ پر رکھتے ہوئے کہا۔  
 ”کوچھوڑا رکھ لیں کی بات تھی ہے جب ارش پڑا ہوئی تھی  
 اور آج۔۔۔ ماشاء اللہ اس کے لیے پرنسز آنا شروع ہو گئے تھے  
 بے بیٹیاں کتنی جلدی بڑی ہو جاتی ہیں۔ بس اللہ پاک بچیوں  
 کے نصیب اچھے کرے وہ جہاں رہیں شاد آباد اور خوش و خرم  
 رہیں۔ آجین شہر آئیں۔“ بات ختم کر کے عاقل نے سر اٹھایا تو  
 شمریز کو بھری سوچ میں پڑے۔  
 ”کیا ہوا شمریز؟“ انہوں نے پوچھا۔

”اُمی جی ایک بات کہوں۔“ اس نے پوچھا اس کے چہرے  
 پر الجھن نمایاں تھی۔  
 ”ہاں۔۔۔ ہاں کوئی بات ہے سب خبریت ہے ناں؟“  
 عاقل جلد پریشان ہو جاتی تھیں۔  
 ”جی ای جی سب خبریت ہے۔۔۔ میں یہ کچھ ہاتھاکہ۔۔۔  
 کیا ابھی ارش کے پرنسز کے حوالے سے ساموں مای تھوڑا  
 ویٹ نہیں کر سکتے؟“

”مطلب؟“ عاقل نے الجھی نظروں سے بیٹے کی طرف  
 دیکھا۔  
 ”مطلب یہ ہے کہ وہ۔۔۔ وہ ابھی بڑھ رہی ہے۔۔۔ تو میرا  
 خیال تھا کہ اسے ابھی اس چکر میں ڈالنے سے اس کا جھیاں  
 بڑھانی کی طرف سے ہٹ سکتا ہے اور۔۔۔“ عاقل نے بغور شمریز  
 کے چہرے کی طرف دیکھ کر وہ سن گئیں۔ بیٹے کا الجھاؤ دیر اور انداز  
 ان سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

”تو ابھی شادی تھوڑی ہو رہی ہے۔۔۔ ابھی تو یہ دیکھنا ہوگا  
 کہ کیسے لوگ ہیں کون ہیں سمجھ میں آتے ہیں یا نہیں۔۔۔ یہ سب  
 مسائل ہوتے ہیں ایسے تھوڑی کرشتیاں اور بے ہوگیہ شادی  
 کے حوالے سے بہت سوچ بچار اور دیکھ بھال سے کام لینا پڑتا  
 ہے ابھی تو ابتدا ہے کچھ کھاتے پیتے پاتا ہے۔“ عاقل نے سلی  
 جھرسا انداز میں سمجھایا۔

”اچھا۔۔۔ شمریز نے سر ہلایا۔  
 ”اگر۔۔۔ ایسی بات ہے تو۔۔۔ پھر۔۔۔ ارش کا پرنسز  
 ہمارے گھر سے بھی تو جاسکتا ہے۔“  
 ”ہائیں۔۔۔“ عاقل نے آنکھیں پھاڑ کر شمریز کی طرف  
 دیکھا۔ ”کیا مطلب۔۔۔؟“

”مطلب یہ ای جی کہ اگر میرا پرنسز مل جائے تو۔۔۔ مجھے لگتا  
 ہے ای جی کہیں۔۔۔ شاید۔۔۔ ارش کو پسند کرتا ہوں۔ ابھی تک تو

اس بات پر توجہ دینی نہیں تھی۔۔۔ شاید۔۔۔ اس کی شادی کے حوالے  
 سے خبر سن کر۔۔۔ مجھے اسی لیے اچھا نہیں لگا۔ صاف لفظوں میں  
 یہ کہ میں ارش سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور جانتا ہوں کہ ابھی اس  
 قابل نہیں ہوں۔۔۔ مگر بقول آپ کے رشتہ طے ہو سکتا ہے۔ تو  
 رشتہ طے کر لیں اگر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔۔۔ شادی ان  
 شہر و شہر و حمام سے اور اس وقت کریں گا کہ جب خود کو اس  
 قابل کر لوں اور۔۔۔ آپ کی رہنمائی کی ہماری شادی کے حوالے  
 سے جتنی خواہشات ہیں وہ پوری پوری کر سکیں۔“

”مطلب ہوئے۔۔۔ مطلب یہ کہ میرا بچہ ابھی بڑا ہو گیا ہے  
 میں تو بچی کے لیے سوچ رہی تھی اور یہ بچوں کی کسر ابھی بھی تو  
 بڑا ہو گیا ہے ابھی یہ بہت اچھی بات کی تم نے۔“ ثابت  
 کر دیا کہ ابھی وہ بچے ہو گئے ہیں۔ شمریز کے منہ سے اتنے اچھے  
 انداز میں اتنی بڑے بات اور سہرا انداز نے عاقل کو واقعی امیر نہیں  
 کر دیا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بیٹے کی بلائیں لیں۔ شمریز  
 جھینپ گیا۔ واقعی اس طرف تو عاقل کا خواہ بھی دھیان نہیں گیا  
 تھا۔ ان کو ویسے بھی بھائی بھادج اور اپنی جھینپیاں عزیز تھیں۔  
 طالب کی بات تو بچپن میں ہی فصاحت نے اپنے بھائی کے گھر  
 طے کر رکھی تھی لیکن۔۔۔ شمریز۔۔۔ شمریز تھا اور یہ تو ابھی بات  
 تھی۔ رشتہ مزید محکم اور پائیدار ہو جاتا۔۔۔ مگر وہ سر ہلے سے  
 ایک ایک لڑکی، بہو بن جاتی، عاقل کے لیے یہ تو بڑی اچھی اور  
 مثبت تعلقات کی نشانی تھی۔ تب بھی فصاحت صاحب اور  
 طالب بھی آگئے۔

”اگر۔۔۔ ہمیں خیر تو ہے آج ماشاء اللہ ہاں بیٹے کا موڈ تو بہت  
 خوشگوار لگ رہا ہے۔ کیا کوئی لازمی نکل آئی ہے جو دلوں اسے  
 سرور نظر آ رہے ہیں۔“ فصاحت صاحب نے جھک کے  
 سسرانے چہرے اور شمریز کے گلے ہوئے چہرے کی حرکات  
 دیکھتے ہوئے سوال کیا اور وہ سنیں۔ اسٹول پر بیٹھ

”ہاں ابھی بات ہی پچھو ابھی ہے نیچے۔۔۔ نیچے  
 چہرے ہیں۔“ عاقل نے فرنگ سے نکال کر بائیں کی پلٹ نکالی  
 اور ایک گلاب جاسن صابن کی طرف دے رہا تھا۔  
 ”اگر۔۔۔ ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔“ فصاحت صاحب  
 نے گلاب جاسن منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

”اگر۔۔۔ ہمیں ای جی۔۔۔ سنسن نہ پھیلائیں جلدی سے  
 خوش خبری شیئر کریں۔“ طالب نے بھی پلٹ سے گلاب جاسن  
 اٹھاتے ہوئے کہا۔

”فصاحت ایک بات تو نہ آپ کئے کہن میں آئی نہ میرے  
 کہ کیوں نہ ارش کو ہم اپنی بہو بنائیں اور ابھی ابھی اس بات کا  
 احساس آپ کے بیٹے نے دایا ہے مجھے۔۔۔ ارش کو ہم شمریز  
 کے لیے مانگ لیتے ہیں۔“  
 ”اگر۔۔۔ وہ ابھی۔۔۔ سچ میں۔۔۔ بات ہے گھر کا بچہ گھر  
 کی بچی۔۔۔ ہمارا جھیاں اس طرف گیا ہی نہیں۔“

”تو کیا ہوا ابھی۔۔۔ بھائی کا دل غلو جھری کا تھا ناں۔۔۔  
 وہ تو شاید سوچ کی تلاش میں تھے اور اب سچ ثابت دیکھ کر انہوں  
 نے حیرت چھوٹا۔۔۔ بھائی تم سے بڑے جالاک ہو تم۔ یہ بات  
 مجھ سے بھی چھپا کر رکھی ویسے سچ بچہ تہاڑی بات میں ص ہے۔  
 جہاں کا جی جہاں کا۔“ طالب نے شرارت سے کہہ کر شمریز کو  
 گلے لگا لیا۔ شمریز ان سب کی باتوں پر صرف مسکرا رہا۔ وہ ابھی  
 طرح جانتا تھا کہ اس رہنے پر ہی کو اعتراض ہو ہی نہیں سکتا اور  
 پکھیرا بعد ہی عاقل فصاحت اور طالب شمریز کا پرنسز ملے  
 کر شمس الدین کے گھر پہنچ گئے۔

”اگر۔۔۔ وہ ابھی اتنے نام نہاد تھے تو۔۔۔ کھانا لگ رہا  
 ہے اور آج ہماری ارش میں جی نے برائی پکائی ہے۔“ شمس الدین  
 ہاں، بھولی اور کچھ خوش ہو گئے۔  
 ”کھانا تو ہم کھا کر آتے ہیں بھائی جان ہاں کچھ ضرور لیں  
 گے ارش کے ہاتھ کی برائی۔“ فصاحت صاحب نے خوشی  
 سے کہہ کر خوشگوار موڈ میں کھانا کھا لیا۔ کھانا کھانے کے بعد ارش  
 چائے لے آئی۔ ارش طالب اور شمس دوسرے کمرے میں  
 چائے پینے کے جب کہ بزرگ افراد لاؤنج میں بیٹھ گئے تھے۔

”ہاں۔۔۔ ابھی اب تناؤ کہ مسئلہ کیا ہے اور بھائی آپ اتنی  
 پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔ پرنسز کا کنک۔“ چائے کے دوران  
 عاقل نے بھائی کو مخاطب کیا۔  
 ”سچ میں عاقل۔۔۔ میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے جب ان  
 محترم نے مجھے کہا کہ آپ کی بیٹی کو بہونا چاہتے ہیں۔“ غوثیہ

”جیسے بات کا غائب کیا۔  
 ”اگر۔۔۔ بھائی۔۔۔ آپ ماشاء اللہ بیٹیوں والی ہیں اس کے  
 لیے تو واقعی صبر پر تیار رہنا چاہیے ماشاء اللہ انہیں بچیاں ہیں یہ  
 سلسلہ تو چتر رہے گا۔“ فصاحت صاحب کی بات پر غوثیہ بیگم  
 نے اٹھاتے سر ہلایا۔

”جی سمجھا رہا ہوں محترمہ کو نہیں پریشان ہوئے چارہاں ہیں  
 شام سے کہ کیسے ہوگا۔ تیار یا نہیں ہوں گی۔ اے ابھی کون

ساکل شادی کرنی ہے ہمیں مگر۔۔۔ یہ تو خود بخود فہم مند ہوئی  
 چارہاں ہیں۔“ شمس الدین نے کہا۔ تو عاقل نے جھک کر ہنس گئیں۔  
 ”مجھیں ہم بھائی کی فکر پانٹ لیتے ہیں۔ ان کی ذمے  
 داریاں بھی اور ان کے کام بھی۔“ عاقل نے جھک کر شمس الدین  
 اور غوثیہ بیگم کے آنکس دیکھا۔

”ہاں۔۔۔ ابھی۔۔۔ ظاہری بات ہے کہ یہ تہاڑی ذمہ داری بھی  
 جی سے بڑھ کر ہے جی انتہائی کام کر کے جتنا ہم کریں گے تاخیر کو  
 یہ تہاڑی بھی تو بچیاں ہیں۔“ غوثیہ بیگم نے تنہا کی طرف دیکھتے  
 ہوئے بڑے دھن سے کہا۔  
 ”وہی تو کہہ رہی ہوں بھائی کسا آپ کی ذمہ داری اپنی بنانا  
 چاہتی ہوں تو سب تو دلوں بچیاں میری اپنی ہیں مجھے عزیز ہیں اور  
 میرا بس چلتا تو دونوں بچیوں کو ہاتھ لگتی مریا ممکن ہے اس  
 لیے ارش کا آپ لوگوں سے مانگنے کی ہوں۔ میرے شمریز کے  
 لیے ارش کا ہاتھ لگتی ہوں۔“

”یہ۔۔۔ کیا؟“ شمس الدین کے ساتھ ساتھ غوثیہ بیگم بھی  
 اچھل پڑیں اور خوشی اور حیرت سے تندرستی کی طرف دیکھا۔  
 ”ہاں۔۔۔ دیکھیں تو سمجھیں یہ نہیں کیوں اب تک ہمیں بھی  
 یہ خیال نہ آیا لیکن اب ارش کے پرنسز کی بات یہ تو خیال آیا  
 کہ گھر کی بیٹی گھر میں ہی کیوں نہ رہے۔۔۔ ویسے بھی مجھے یہ  
 بچیاں بیٹیوں کی طرح عزیز ہیں۔۔۔ ارش کو ہمیشہ کے لیے  
 میری بیٹی بناؤں۔“ عاقل کی بات پر شمس الدین اور غوثیہ کے  
 ساتھ ساتھ کمرے میں آئی ارش جی خوشی سے بے قابو ہو گئی۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔۔۔ فصاحت عاقل ہمیں خوشی  
 ہوئی اگر ہماری بیٹی تہاڑے گھر جائے تو ہمارے لیے بھی بہت  
 خوشی کی بات ہے۔ شمس الدین نے جھک کر کہا۔  
 ”جی جی جی جی جی جی۔“ شمس الدین نے کہا۔  
 ”بھئی ہمارا شمریز تو راضی ہے اور آپ کو کوئی اعتراض نہیں  
 ہے۔ پھر پو۔“ ارش نے بے ساختہ ان کی بات کاٹ کر کہا

”کہہ دے۔۔۔ جی جی جی جی جی جی۔“ شمس الدین نے کہا۔  
 ”کوئی بات ہے جی جی جی جی جی جی۔“ شمس الدین نے کہا۔  
 ”اگر۔۔۔ بھائی۔۔۔“ شمس الدین نے کہا۔  
 ”اگر۔۔۔ بھائی۔۔۔“ شمس الدین نے کہا۔

”اگر۔۔۔ بھائی۔۔۔“ شمس الدین نے کہا۔  
 ”اگر۔۔۔ بھائی۔۔۔“ شمس الدین نے کہا۔  
 ”اگر۔۔۔ بھائی۔۔۔“ شمس الدین نے کہا۔  
 ”اگر۔۔۔ بھائی۔۔۔“ شمس الدین نے کہا۔



”کیا ہو گیا بھی... کیا چچا جان کا پرشون ہو گیا؟“ ارشد نے پوچھا۔  
 ”ہیلے تم مٹھائی تو لاؤ فریج سے...“ طالب نے بھی آگے بڑھ کر شریک میں ارشد سے کہا تو ارشد کو کچھ نہ سمجھتے ہوئے فریج سے سوئی کا حلوہ لے آئی اور باری باری سب کو کھلا یا سب اسے معنی خیز انداز میں کھاتے تھے۔  
 ”یہ لو اب یہ بیٹھا میرے ہاتھ سے تم کھاؤ“ ارشد نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پیٹ لودھج لے لیا اور اس کا منہ میٹھا کر دیا۔  
 ”آپ سب کو بہت بہت مبارک ہو“ طالب نے با آواز بلند کہا۔  
 ”کرے بھی... کیا کسویں میل...“ ارشد نے جواب دیا۔  
 ”ہاں ہوا کیا ہے کہیں تمہاری منگنی منگنی تو نہیں ہو رہی...؟“ ارشد نے تھوڑا سا جھنجھلا کر کہا۔  
 ”نہیں جناب... طالب کی نہیں بلکہ شاید آپ کی ہو جائے جمدی اور پتہ ہے کون کر رہا ہے منگنی آپ کے سے...؟“ طالب نے تھوڑا جھک کر شریک میں کہا۔  
 ”ہاں...“ ارشد بولی۔  
 ”شریز سے؟“ ارشد نے دوسری جانب سے جھک کر ارشد کے کان کے پاس کر دوسے کہا۔  
 ”ہاں...“ ارشد کا منہ کھلا رہ گیا... اور سب کی طرف حیرانگی سے دیکھنے لگی۔  
 ”تمہیں امتزاض تو نہیں ہے ہاں گزرا...؟ ہمارے فیصلے سے اگر تمہیں امتزاض ہے تو تم منع کر سکتی ہو ہر روز بھی نہیں کریں گے...“  
 ”نہیں چھو پو... مجھے امتزاض نہیں...“ عاقلہ کی بات منسل ہوئے سے پہلے وہ بے ساختگی اور معصومیت سے بولی تب اسے احساس ہوا کہ اس نے رضامندی میں ہر روز بے ہمہری دکھائی ہے کیونکہ اس کے فیصلے کے ساتھ ہی سب کا قبضہ بکھر جاتا اور وہ بری طرح جیسپ کر سکتے ہیں۔  
 ”بہت خوشگوار سوڈا میں غوثیہ پیئم کے دل کا بوجھ مکمل طور پر ہلکا کر کے عاقلہ اور فصاحت صاحب گھر واپس لوٹے۔“ ارشد کے لیے یہ بہت خوب صورت دن تھا۔ اسے شریز اچھا لگتا تھا۔ محسن الدین اور غوثیہ پیئم بھی بہت خوش تھے۔  
 وہ رات کو ستر پڑ کر لٹیٹی تو شریز کی کال آئی۔

”کیا ہمارے اسکرین پر کیا نا نامہ کچھ کر شریز کی تھی۔ دل مجب انداز سے دھڑکا تھا۔ چند منٹوں میں ہی اس کی دل کی حالت یکسر تبدیل ہو چکی تھی۔  
 ”اسلام علیکم“  
 ”والیکم سلام“  
 ”کیس ہو؟ کیا ہو رہا ہے؟“  
 ”الھمد للہ ٹھیک ہوں سوئے کے لیے بیٹی تھی“ گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔  
 ”مطلب یہ کہ تمہیں خینڈ آ رہی ہے... خینڈ اڑی نہیں تمہاری؟“ شریز نے شوخ لہجے میں سوال کیا۔  
 ”خینڈ نہیں اڑی ہے شریز جہاں دوستوں سے خندہ خندہ بات کر رہی ہوں... الھمد للہ... ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں...“ ارشد کے جواب نے اسے اچھا جواب کر دیا۔  
 ”بہت بہت شریک مجھ سے منسوب ہو کر قمر قتی رہائیس فیمل کر رہی ہو“ شریز نے جھٹکے ہوئے کہا۔  
 ”ویسے ایک بات بتاؤ بیچ“ شریز نے کہا۔  
 ”کی پوچھیں...“  
 ”یہ اطلاع تمہارے لیے شاید تو ہوگی ناں...؟ تم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کیا ہو سکتا ہے... ہمارے درمیان کبھی ایسی بات ہوئی ہی نہیں...“ شریز نے کہا۔  
 ”جی جرات تو بہت ہوئی بھی لیکن...“  
 ”نہیں خوشی زیادہ ہوئی بھی ناں...؟“ شریز نے بات کاٹ کر شوخی سے کہا۔  
 ”ہاں بالکل...“ عاقلہ نے سنا کر ارشد کی طرف دیکھا۔  
 ”وہاں سو سوینٹ...“ ارشد... میں بھی بہت بہت خوش ہوں۔“  
 ”ویسے آپ کو یہ خیال آیا کیسے؟“ ارشد نے پوچھا۔  
 ”ہاں ایک جاگہ تمہارے پر پوزل کے خواب کے سہاویں نے بات کی تو مجھے احساس ہوا شاید میں یہ بدداشت نہیں کر پاؤں گا کہ تم کی ادنیٰ ہو جاؤ... میری خاموشی بہت بھی شاید کہ میں بے چین ہو گیا اور اس کے کوئی تم کو اپنے نام سے منسوب کرنا میں نے ذرا سوچے پشترانی جی سے اپنا موقف بیان کیا۔  
 جی تو دوبارہ کھائے بیٹھی محسن اور لائی بھی بہت خوش ہوئے یہ سن کر اور وہ لوگ فوراً ہی تمہارے گھر آ گئے۔ اس پسیدہ یقین کے ساتھ کہ انکار کی کوئی صورت ہی نہیں اور محمد اللہ کا یقین اور پسیدہ

قائم رہی۔“ شریز نے تفصیل بتائی۔  
 ”اور سنو لڑکی؟“ کچھ دیر بعد شریز نے ایک دم سیریس لہجے میں کہا۔ ”شادی کی جلدی ہرگز مت کرنا کہیں شہر چلاؤ کہ مجھے لے جاؤ مجھے لے جاؤ کیونکہ مجھے بہت سارا پیار کھانا ہے۔“  
 شریز کی بات پر وہ بے اختیار ہنس دی۔  
 ”بھئی بالکل جلدی نہیں کروں گی لیکن... بہت دیر بھی برداشت نہیں کروں گی مجھے قاعدہ ہو سکی کہی گئی ہے۔“ اپنی بات کو خوب صورت انداز میں گوش گزار کر دیا تو شریز دھڑ سے ہنسنے لگا۔  
 ”اوکے ہاں آپ جیسے کہیں۔“  
 شریز نے سیریل کا کرز جانی کرنے کا ایک ایسے کے فرار بعد جواب بھی لکھنے والی تھی۔ دونوں بچپن سے ایک ساتھ رہے تھے۔ اس لیے کوئی پابندی درمیان میں نہ تھی۔ ویسے بھی شریز مصروف رہتا اس لیے کم ہی آتا۔ کالز اور پیسج پر لپٹے میں رہتا۔ ارشد نے بھی کر بچو نہیں کر لیا۔ شریز بھی جاب پر لگ گیا لیکن بقول اس کے یہ جاب اتنی اچھی نہیں تھی۔ گھر بھی وہ نہایت محنت دیتی اور جانفشانی سے اپنا کام کرتا اس کے پاس اس سے خوش تھے۔  
 ”جی جی جی جی تھے۔ ارشد کے لیے بھی پر پوزل آ گیا تب محسن الدین اور غوثیہ پیئم نے سوچا کہ پہلے ارشد کی شادی سے فارغ ہو جائیں پھر ارشد کا رشتہ طے کریں گے ورنہ لوگ رشتہ طے ہوجانے کے بعد شادی کی جلدی ہی دیتے ہیں اور فی الحال ایک شادی کرنا بھی مشکل تھا۔ یہی سوچ کر عاقلہ اور فصاحت کو بلوائے کا خیال تھا کہ شادی کی چرچ طے کر دی جائے۔  
 ”اور کارڈاں تھا شریز اور کارڈاں کی چکر لگاتا تھا۔ ارشد سارا ہنستہ اتوار ہی شام کا انتظار کرتی تھی۔ اس روز بھی شام کو ارشد نے فیروز کی اور سفید پرغز کاٹن کا سوٹ پہنا کر جڈا رنگ کا دوپٹہ اوڑھے تینے بالوں میں اچھی لگ رہی تھی۔ سب لوگ محسن میں بیٹھے تھے۔ ارشد نے چائے کے ساتھ پکڑے تین کن وال اور شریز کا ہنسنے والے دل کا حلوہ میٹھا تھا۔ شریز آ گیا۔ ایک بیچر اور ریڈی شرت میں گھر اچھا لگتا تھا۔  
 ”ارے چنا... ائی او لار کو بھی لے آتے کچھ بات کرنی تھی۔“ غوثیہ پیئم نے کہا۔  
 ”جی مٹائی... ائی کہہ رہی تھیں نے کہ ایک دو دن میں چکر لگائیں گی۔ میں تو ایک خبر دینے آیا ہوں۔“ شریز نے کرسی پر

بیٹھے ہوئے کہا۔  
 ”آپ سے اجازت بھی لینا چاہوں گا کیونکہ ای نے کہا تھا کہ اب آپ کی اجازت بھی ضروری ہے۔“ شریز نے سعادت مندی سے سر جھکائے ہوئے کہا۔  
 ”کیا مطلب؟“ محسن الدین نے پوچھا۔  
 ”دراصل ماموں جان... بہت اچھا چائس مل رہا ہے۔ ہرے دوست کے تو اسے ایک سال کا ترپ بنے دینی کا تو میں چاہ رہا ہوں کہ ایک چکر لگ کر آ جاؤ۔“  
 ”ارے مگر ہم تو شادی کی پلاننگ کر رہے تھے۔“ غوثیہ پیئم نے سنا کر بولیں۔  
 ”ہاں ایک سال کی بات ہے ناں...“  
 شادی ہو جانے کی اور پھر محسن ارشد کو بھی بلوائیں گے۔ شریز کی بات پر ارشد کا دل کچھ سا گھبرا گیا۔ اسے باہر جانا بالکل پسند نہیں تھا اور ایک سال کی دوری؟ وہ تو ہفتہ بہ مشکل برداشت کر لیتی تھی۔ محسن الدین گہری سوچ میں تھے جیسے کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے ہوں۔  
 ”ماموں جان... میں نے ہمیشہ سے چاہا ہے کہ اپنی پہلی کو اچھا گھر اور اچھی زندگی دے سکوں۔ تمام عمر لاپٹی نے دن رات محنت کر کے میں اس مقام پر پہنچا ہوں۔ اب ہمارا کام ہے کہ ان کو سرائش دیں اس کے لیے کوئی شے تو کر سکتے ہیں ناں... یہاں تو کر سارے زندگی اس کو دہر دہر چاروالے حالات رہیں گے۔ ان شاء اللہ وہاں جا کر بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ طالب کی پر حال بھی ختم ہو رہی ہے اس کے لیے بھی چائس بن جائے گا۔ اب صرف ای لپا جی اور صاحب ہی نہیں بلکہ آپ لوگ بھی میری فیملی کا حصہ ہیں اور... میں آپ سب کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔“ محسن الدین نے بات میں سب مل کر کہے۔ انہیں شریز کی بات سے اتفاق تھا کہ وہ کچھ کرنا چاہتا تھا تو مومن رہنا چاہیے۔  
 ”کون سا شریز لگتی جا رہی تھیں۔“  
 ”نہیں شریز کوئی ضرورت نہیں کہیں جانے کی...“  
 ”مجھے ہے یہ بدداشت نہیں ہوگا۔“  
 ”اکیلے میں ارشد نے سخت مخالفت انداز میں عرض کی۔  
 ”ارے یار... تمہارے ذہن کی بات ہے ہم روز بات کریں گے۔“  
 ”دو دن کون سا بہت دور ہے اب تو اتنی آسانیوں ہوگی ہیں راپٹوں میں دل چھوڑنا نہ کرو۔“ شریز کو کہہ کر اور دوست سارا خرچ بھی خود کر رہا ہے کہ بعد میں واپس دے دینا آج کل کے دور میں کوئی کمی کے لیے اتنا کچھ کہیں کرے۔ اس لیے







کمرے سے نکل گئیں۔ یہ کیسا طوفان آگیا تھا۔ ایک طرف شمریز کی غیر موجودگی ساتھ ہی شمس الدین کے بے تکی شرط۔ عجیب منطق بھی شمس الدین کی..... اورش کا ردود کر برا حال تھا۔ اس نے ایسا سوچا بھی نہ تھا۔ طالب کیسے مان لیتا اسے بچپن سے ہی معلوم تھا کہ اس کے لیے لہو کا انتخاب کیا جا چکا ہے۔ وہ اورش کو بھائی کے روپ میں دیکھتا تھا۔ ویسے ہی چھیڑ چھاڑ اور نفی مذاق کرتا..... اس کے لیے بہت بڑا دھچکا تھا..... سن..... وہ دن تک وہ ماں کی حالت دیکھتا رہا..... بھائی اور بھادر کے لیے جان دینے والی عاطفہ کی طبیعت بہت خراب تھی جب سے شمس الدین کے گھر سے آئی تھیں لی بی بی امی تھا۔ دور دور کا قصص انگڑھ بن چکی تھیں بلاخر طالب نے دل پر پھر رکھ کر ماموں کا فیصلہ ماننے کی حاشی بھری..... اسے بددھشتی یاد پڑ رہی تھی۔ اس نے نہ جانے کیا کہہ کر ریحہ سے بات کی۔ اس نے اسے اجازت دے دی کہ نکاح صاحب اس بات کے حق میں نہیں تھے مگر ترم کی حالت اور طالب کی رضا مندی کے بعد انہوں نے بھی دل پر پھر رکھ کر یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ فطرتاً نرم مزاج اور فصاحت پسند تھے۔ بھائی کے سامنے مجبور یاں بیان کیں۔ نہ جانے کیا کیا باتیں ہوئیں اور ایک بار پھر عاطفہ ترم شمس الدین کے گھر پر موجود تھیں۔

”بھائی جان..... ہمیں آپ کی شرط منظور ہے لیکن..... آپ سے جدائی یا قطع تعلق ہونا منظور نہیں..... میں نصاحت اور طالب نے فیصلہ کیا ہے کہ دانش ہمارے گھر کی بیوی بنے گی..... سوچا تھا کہ میرے شمریز کی دلہن بنے مگر..... قدرت کو یہ تعلق منظور نہ تھا۔ آپ شادی کی تیاریاں کریں ان شاء اللہ عید کے فوراً بعد ہم اورش کو یہاں کر لے جائیں گے۔“

”نہیں..... نہیں..... چھو پو“ اورش نے تڑپ کر پھر بولا۔

”بازو تھام لیا.....“ یہ کیسے ممکن ہے..... اس کے لہجے میں کرب نمایاں تھا اس کے آسواں کے جذبات کی گواہی دے رہے تھے۔

”اورش..... تم اندر کمرے میں جاؤ.....“ شمس الدین کی گرج واد آواز پر اورش کے بے بسی سے باپ کی طرف دیکھا اور کمرے سے نکل گئی۔

”امی جی پلیز..... بابا کو سمجھا لیں..... یہ کون سی منطق ہے کون سا حل ہے جو انہوں نے نکالا ہے۔ یہ مجھ سے محبت نہیں دشمنی ہے امی۔“ وہ ماں کے سامنے ہلک رہی تھی۔ مگر

شمس الدین اپنے فیصلے سے ایک لمحے کے لیے کوتاہی نہ نہ جانے ان کے ذہن میں یہ کیوں سما گیا تھا کہ شمریز نے یہ سب حال چلی ہے۔ وہ ڈرے باز لڑکا ہے..... ساری التجا میں دنا دھنا تاویلیں سب کچھ ہرے کے ہرے رو گئے اور شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اورش جو پہلے ہی شمریز کی جدائی سے نڈھال تھی اب اس وقت موجودہ صورت حال سے بالکل ہی بدحواس ہو گئی تھی۔ اس کے لیے یہ سب کچھ برداشت کرنا آسان نہ تھا..... شمس الدین کا فیصلہ اسے کہہ کر بے جواز لگا۔ ہاتھ مگر فیصلہ ہو چکا تھا اور اس فیصلے پر عمل دانا کی تیاریاں بھی شروع ہو چکی تھیں۔ اورش اورش کے دل کا حال جانتی تھی۔ وہ بھی اورش کے لیے روٹی تھی مگر آج سچا بہت اس کو بھی بابا کے فیصلے میں شبت پر لا نظر آنے کا یادہ اورش کو سنبھالنے کی خاطر خود کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اپنے بھی چھوٹا تھا مگر اسے باکی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوتا اسے شمریز بھائی پر غصہ آتا ایک دن کی جب اور شاموشی نے خاندان کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ کتنے دن لوٹ رہے تھے۔ بے جواز اور زبردستی کے کدھشتے ملے اور یہ تھے۔

رمضان المبارک شروع ہوا..... عبادات کا مہینہ اور دعاؤں کی قبولیت کا مقدس..... اورش کی پر دعا میں شمریز شمل ہوتا وہ تڑپ تڑپ کر شمریز کو پکارتی..... لفظ پاک کے آگے سر مجھو ہو کر ساری ساری رات روتی راتی..... اسے لگتا تھا کہ ہر فرد بے حس ہو گیا ہے کسی کو بھی اورش کی پروا نہیں ماہ مقدس دھیرے دھیرے انعام کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہر آنے والا دن اورش کے لیے تکلیف دہ ہوتا۔ صبح کے بعد..... یہ تصور ہی اس کے لیے سہانہ رہتا کہ وہ شمریز کی بجائے طالب کی ہونے والی ہے۔ مگر بھی دل چاہتا کچھ کھا کر ہمیشہ کے لیے اپنی فیند سوچا ہے نہ وہ دے نہ دیکھ اور پر غداں سہہ سکے لیکن..... وہ مجبور تھی اس کی حرکت کر کے اپنی فیند کو مزید پریشانی میں ڈالنے کا سوچ کر اسے پھر جبری آئی..... وہ صرف اور صرف اللہ پاک سے رزگرا کر اپنی بھلائی کے لیے دعا میں اپنی شمریز کی سلاقی اور لوش آنے کی دعا نہیں ہر وقت اس کے لبوں پر چلتی رہتیں۔

ایک دہائی عشق کی دہائی تھی جہاں پیار کے دم کی بستے تھے جب ملتے تھے ہنستے تھے

اور پیار کے سینے بنتے تھے جب چاندنی راتیں آتی تھیں جھیلوں میں پریاں گئی تھیں جب رات بہرنگی آتی تھی وہ پیار کے لہجے گاتے تھے ایک دوسرے کے گھر گھر ساری دنیا جھل جاتے تھے وہاں کڑواہٹ بنتے تھے اور پیار کی کلیاں جھٹکتے تھے پھر زور کی لہری اندھی آتی ہے ان کے گھر گھر کے وہاں دو بے حس و غیر کے لب تھیں میں پریاں گائی تھیں نہ بھی کوئی سکا تا ہے وہ دونوں سا بھی پھڑکے

سینان کے سب بیتا جڑ گئے جوا نکھیں ہر دم میں تھیں ان آنکھوں میں دکھ بستے ہیں دل دور کر رہا تھا ہے یہ پیار کی باتیں جھوٹی ہیں افرار کی باتیں جھوٹی ہیں ایک پیرن جی نہ پائے گی دکھ کس کو کھائے گی

(شاعرہ بانزہت جبین ضیاء)

شب قدر آگئی..... رکتوں رکتوں کو اورشوں اور دعا کر کے والی رات..... اس رات کے تقدس سے اس کی عطا سے ہر مسلمان فیض یاب ہونے کے لیے رب کے حضور سجدہ پڑ ہو کر اپنی اپنی حاجات کی تکمیل کی گزارش کرتے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے جھڑکتی رات ہے جس میں طاق راتوں میں شب قدر تلاش مہنت کی جستار ہے۔ رب نے رب کے قرب سے قریب تر کر دیتی ہے۔ عطا کا دواہ حل جاتا ہے۔ بس مانگنے والے لب اورا تھے ہوئے ہاتھ چاہیں..... رب تعالیٰ سے بندے کا تعلق..... اس کی خواہشات اس کی حسرتیں تمنائیں دعا کیں..... سب کچھ..... پوری ہوتی ہیں..... دلوں کی تڑپ بڑھ جاتی ہے اور صرف دل سے مافی

دعا کیں روئیں ہوتیں..... جب انسان اپنے رب کے آگے سر سجدہ ہو جاتا ہے تو اس کا براہ راست تعلق رب سے ہو جاتا ہے۔ طلب کی حاجت کے کرگزر گزرا کر وہ کر وہ اپنے گناہوں کی معافی کا طالب ہوتا ہے۔ اپنی دعاؤں کی قبولیت کا منتہی ہوتا ہے۔ سبکی حال اس وقت اورش کا تھا۔ وہ جائے نماز پر سجدے میں بڑی گڑگڑاہٹ کی تھی..... تڑپ رہی تھی۔ روزہ کر کر باک رہی تھی۔ اپنی حاجت پوری ہونے کی دعا میں اسے ہوش و خرد سے بیکار کئے ہوئے تھیں۔

دو دن قدرے سکون سے گزرے..... اورش نے خود کو اپنے والے حالات کے لیے تیار کر لیا تھا لیکن عید الفطر کا چاند نظر آتا تو بے چینیاں بڑھ گئیں سکون عارت ہو گیا ایک بار پھر دل بے تاب تڑپ اٹھتا۔ انھوں میں جھٹکتے آسواں ہوں پر غرا آتی۔ بے قرار یاں شروع پڑ گئیں..... کچھ دیر بعد حافظہ کے گھر سے عیدنی آنے والی گئی۔ اورش اسے بلانے کی اور وہ تڑپ رہی تھی اورش کمرے سے جا چکی تھی۔

عید آئی ہے تم بھی آ جاؤ کچھ باتیں یاد دلانی ہیں کچھ قصے چھیں سنانے ہیں کچھ یادیں پھر دہرائی ہیں وہ پگھٹ اٹھی ویسا ہے اور کچھ روز آتے ہیں جوا نکھیں ہنستی روتی تھیں ان آنکھوں میں اب پانی ہے پھر چاند نیلی ہیں اتر رہے اور یاد تھماری آتی ہے پھر عید کدھما بھی ہے پر میرے سنگ و پیاں ہے میری نظر کی ہے رستے پر اور دلوں تمہاری کتنی ہے تم آؤ تو عید مناؤں میں مجھ کو بھی عید منانی ہے میری سولہ کلانی تک اٹھتے میرا روپ پھر مسند چائے تھیں مجھ کو نکس پیمانے ہیں ہاتھوں میں کھیں سجال ہیں

(شاعرہ زہرت جبین ضیاء)

اجانک ہی ذرا رنگ دم کی طرف سے آتے بے غم شہر پر اورش چوکی..... گھبرا کر باہر کی جانب بھاگی..... حافظہ وغیرہ آگئے تھے کسی یہ کیا تھا۔ وہ تیزی سے ذرا رنگ دم کی طرف دوڑی..... میں سامنے..... بابا سے گلے ملتا ہوا..... اورش نے آنکھیں مسکیں..... خود کو جاکتا ہوا حسوں کرنے کے لیے بے ساختہ ہلکی چھٹکیں..... شمریز..... وہ تو شمریز تھا۔ ہاں شمریز..... اورش یقین اور بے یقینی کی کیفیت بھی تھی۔ لگتا تھا کوئی خواب دیکھ رہی ہو..... تب ہی عاطفہ کی نظر اس پر پڑی۔



# جنوں کے شوق؟

سید راشد رفیق غور

میرے قلم سے لکھی گئی نغمہری زبان سے ادا ہوئی  
جو نظر سے کہنے کی بات ہے کسی حروف میں نہ سمائے گی  
کوئی پھول چٹا ہے کس طرح، کوئی دھول ہوتا ہے کس طرح  
یہ وقت کس بات سے تجھے زندگی بتائے گی



”ارمش“ عاقلہ دوزکر اس کے پاس آئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ سوچے سمجھے کی کوشش کر لے۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندر اس اچھا گیا اور۔۔۔ وہ گرتی چلی گئی۔ گرتے ہوئے بند ہوئی آنکھوں سے اپنے اوپر جھکے ہوئے اور اسے سنبھالنے ہوئے شمریز کو دیکھ کر ہنسی گئی۔

”آف ٹی افنٹ میں تھے آپ۔۔۔ تیار۔۔۔ ہم تو اسے ہمارے تھے مگر پھر بھی ایک ایک کو عذاب تھا ہمارے لیے۔۔۔ اور آپ؟“ اے ساختہ دوتے ہوئے وہ شمریز سے پتہ لگا۔

”ہاں۔۔۔ میں۔۔۔ سب نہیں دوتا۔۔۔ شمریز! کدو باک و رب نے کرم کیا اور میں بروقت پہنچ گیا۔ دیکھو ہماری لگن جی جی تب ہی تو اللہ پاک نے ہمیں پھر سے ملوایا آج چاند رات ہے اور اس چاند رات کی خوشیوں کو دوبا لاکر نے ہم پھر سے ایک ساتھ ہیں شمریز! جتنا استہکام رہا تھا۔۔۔ وہ بھی اللہ پاک کا لکھا لکھ شکر ادا کر رہی تھی کہ ایک بار پھر سے خوشیاں ان کے آئین میں آرائی تھیں۔ کچھ دیر پہلے تک جو چاند رات ارمش کو دکھا اور انیت سے دو چار کر رہی تھی اب اچانک ہی خوشگوار گنتے لگی تھی۔ شمس الدین کچھ شرمندہ لگ رہے تھے۔

دلوں کے میل اور کدو میں دھل چکی تھیں۔ ایک بار پھر شمس باؤس میں خوشیوں پھر سے جگمگے جاگ اٹھے تھے۔ شادی کے تصور سے شمس کے گالوں پر شرم و حیا چمک رہی تھی وہ شمریز کی واہانہ لگا ہوں کی زد میں تھی۔ جب کہ طالب کے دل سے منوں بوجھ چکا ہو چکا تھا۔ ارمش طالب اور رونق مل کر بھٹکے ذہن رہے تھے۔ بزرگ ڈرائنگ روم میں آئینہ کا کچھ نکل طے کر رہے تھے۔ جب کہ ارمش اور شمریز اس رات کو زندگی کی یادگار رات بناتے ہوئے مستقبل کی جانچ کر رہے تھے۔ ارمش کو آج کی چاند رات زندگی کی سب سے حسین چاند رات لگ رہی تھی۔ جس میں اس کو شمریز کی واہانہ کی صورت میں زندگی کی امید اور بے تحاشہ خوشیاں مل گئی تھیں۔ لگتا تھا اس کے ساتھ ساتھ ساری کائنات مسکرا رہی ہو۔



”ارمش۔۔۔“ عاقلہ دوزکر اس کے پاس آئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ سوچے سمجھے کی کوشش کر لے۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندر اس اچھا گیا اور۔۔۔ وہ گرتی چلی گئی۔ گرتے ہوئے بند ہوئی آنکھوں سے اپنے اوپر جھکے ہوئے اور اسے سنبھالنے ہوئے شمریز کو دیکھ کر ہنسی گئی۔

”آف ٹی افنٹ میں تھے آپ۔۔۔ تیار۔۔۔ ہم تو اسے ہمارے تھے مگر پھر بھی ایک ایک کو عذاب تھا ہمارے لیے۔۔۔ اور آپ؟“ اے ساختہ دوتے ہوئے وہ شمریز سے پتہ لگا۔

”ہاں۔۔۔ میں۔۔۔ سب نہیں دوتا۔۔۔ شمریز! کدو باک و رب نے کرم کیا اور میں بروقت پہنچ گیا۔ دیکھو ہماری لگن جی جی تب ہی تو اللہ پاک نے ہمیں پھر سے ملوایا آج چاند رات ہے اور اس چاند رات کی خوشیوں کو دوبا لاکر نے ہم پھر سے ایک ساتھ ہیں شمریز! جتنا استہکام رہا تھا۔۔۔ وہ بھی اللہ پاک کا لکھا لکھ شکر ادا کر رہی تھی کہ ایک بار پھر سے خوشیاں ان کے آئین میں آرائی تھیں۔ کچھ دیر پہلے تک جو چاند رات ارمش کو دکھا اور انیت سے دو چار کر رہی تھی اب اچانک ہی خوشگوار گنتے لگی تھی۔ شمس الدین کچھ شرمندہ لگ رہے تھے۔

دلوں کے میل اور کدو میں دھل چکی تھیں۔ ایک بار پھر شمس باؤس میں خوشیوں پھر سے جگمگے جاگ اٹھے تھے۔ شادی کے تصور سے شمس کے گالوں پر شرم و حیا چمک رہی تھی وہ شمریز کی واہانہ لگا ہوں کی زد میں تھی۔ جب کہ طالب کے دل سے منوں بوجھ چکا ہو چکا تھا۔ ارمش طالب اور رونق مل کر بھٹکے ذہن رہے تھے۔ بزرگ ڈرائنگ روم میں آئینہ کا کچھ نکل طے کر رہے تھے۔ جب کہ ارمش اور شمریز اس رات کو زندگی کی یادگار رات بناتے ہوئے مستقبل کی جانچ کر رہے تھے۔ ارمش کو آج کی چاند رات زندگی کی سب سے حسین چاند رات لگ رہی تھی۔ جس میں اس کو شمریز کی واہانہ کی صورت میں زندگی کی امید اور بے تحاشہ خوشیاں مل گئی تھیں۔ لگتا تھا اس کے ساتھ ساتھ ساری کائنات مسکرا رہی ہو۔

”آئی انکم ویری سو ری۔۔۔ ارمش تم جی کہتی تھیں مجھے سبیں رہتا تھا تم لوگوں کے ساتھ تم لوگوں کے پاس میں نے غلطی کی کہ یہاں سے گیا اور اپنے ساتھ ساتھ تم سب لوگوں کو لے کر عرصہ وہی لذت کا شہر کیا۔۔۔ دراصل وہ میرا دوست انتہائی کہینہ نکلا وہ آگھر تھا اسے میری کمزوری کا علم تھا۔ اس نے میرے ساتھ چینگ کی اور میرے بیک میں ہیرن چھپا کر چینگ میں وہاں جاتے ہی پڑا گیا۔ میں تو بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ دن رات وہاں رہتا تھا تم لوگوں کو یاد کر کے ایک ایک لمحہ سولی پر لٹکا رہتا تھا کوئی میری بات سمجھنے سننے کو تیار نہ تھا۔ وہ تو ایک دن ایک پاکستانی آفیسر وہاں آیا اور میں نے اسے تمام احوال سنایا۔ انہوں نے اپنی تمام کوششیں کیں اور پھر بھی اس تمام کارروائی میں سوا سال کا وقت لگ گیا۔ میں نے ایک ایک پل بہت عذاب میں گزارا ہے بہت بڑا ہوں بہت دوبا ہوں۔۔۔ اللہ پاک کو مجھ پر



## گزشتہ قسط کا خلاصہ

لاہور سے آئے مہمان اہلن، شایان، ذوبیہ اور فرح آؤنگک کا پروگرام بنانے شہرینہ کو بھی زبردستی ساتھ لے جاتے ہیں شہرینہ سب سے تعلق ایک جگہ جا لٹری ہوتی ہے اہلن اس کی اس حرکت کا بغور جائزہ لیتے ہیں تب ہی شہرینہ کا بھائی (شایان) شایان سے شہرینہ کے طے کی بات کرتے ہیں لیکن اہلن وہاں جانے سے منع کرتا شہرینہ کو غصہ والا جاتا ہے اور وہ اس سہرٹ میں جانے پر ہنسنے لگتا ہے تب ہی شایان واپس گھر چلنے کی بات کرتا ہے راستے میں شہرینہ کے سوا کسی اور سے ملنے کا فیصلہ نہیں کرتی بلکہ وہ جس سے ملے گی اس سے بات کرتی اہلن کو اس سے روکا جاتا ہے۔ دوسرے دن شہرینہ کو اپنے گروپ کے ساتھ سوئٹنگ پر پیش کر جانا ہوتا ہے تب وہ غصہ سے جھنجھلائی زمین سے پک کرنے کا کہتی ہے تب اہلن فائدہ بیگم سے شہرینہ کو کانا ڈراپ کرنے کی اجازت لیتا اسے مزید غصہ والا جاتا ہے دوسری بھی صورت اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوتی ہے تب وہ اہلن پر غصہ کرتی ساتھ ہی اپنی ناپسندیدگی کا بھی اظہار کرتی ہے جس پر اہلن اس کا ہاتھ پکڑ کر سب کے سامنے سے لے جاتا ہے شہرینہ تھلا کر رو جاتی ہے۔ شہرینہ نے کالج میں ابھی تک کسی کو اپنے نکاح کے حوالے سے نہیں بتایا ہوتا ہے تب کالج میں فریجس اس سے لاہور سے آئے مہمانوں کا پوچھتی اس کی دوستوں پر نکاح والی بات بھی ظاہر کر دیتی ہے جس پر صبا اور حوریدہ (کالج فیلو) حیرت کا اظہار کرتی اسے نکاح کی تصویر دکھانے کا کہتی ہیں شہرینہ اہلن کی تصویر انہیں نہیں دکھائی صبا اور حوریدہ اس کے ساتھ اہلن سے ملنے گھر آ جاتی ہیں شہرینہ ان کی وجہ سے سوئٹنگ پر پیش نہیں جاسکتی تھی فائدہ بیگم حسب پروگرام مہمان صاحب کے ذریعہ کے پاس کسی انویٹیشن پر جا چکی ہوتی ہیں جبکہ اہلن بھی ابھی گھر نہیں ہوتا ہے تب شہرینہ انہیں ماماں بھی سے طوفانی ہے فرح بھی ان سے مل کر خوش ہوتی ہیں۔ اہلن گھر آتا ہے تو ملازمینہ فرح کو ماماں کے کمرے میں بلاتا ہے صبا اور حوریدہ بھی اہلن سے ملنے کو یہ تاب ہو جاتی ہیں تب شہرینہ انہیں ماماں بی کے

کمرے میں لاتی ہے۔ صبا اور حوریدہ ماماں بی سے اجازت لے کر اپنے گھر رخصت ہو جاتی ہیں۔ فرح شہرینہ سے شاپنگ پر چلنے کا کہتی ہے لیکن وہ اکیلے جانے پر رضی نہیں ہوتی ہے فرح اس سے اہلن کے حوالے سے بات کرتی ہے عثمان صاحب سے ماماں بھی اہلن اور شہرینہ کی مصیبت کی بات کرتی ہیں جبکہ عثمان صاحب اس کی پر حال کی وجہ سے دکھ کر دیتے ہیں اہلن کو کہہ دیتا ہے کہ شہرینہ کی زندگی اس رشتے میں بگاڑ پیدا نہ کرے لیکن عثمان صاحب اس بات کی گارنٹی لیتے ہیں۔ فرح شہرینہ، ذوبیہ اور شایان چاروں شاپنگ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور وہیں ماماں میں اہلن سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔

## اب آگے پڑھیے

اہلن کے الفاظ فائدہ کے دل میں عجیب سا تاثر چھوڑ گئے تھے۔  
”انسان جو بھی کرتا ہے وہ اچھے کے لیے کرتا ہے لیکن اگر علم ہو جائے کہ اس کے فیصلے کیا نتائج لے کر آئیں گے تو شاید وہ بھی غلط فیصلے نہ کرے اور سب سے بڑا الیہ یہ ہے کہ انسان کبھی بھی اپنے فیصلوں کو غلط نہیں سمجھتا۔“ وہ کھڑا ہوا۔  
”اب ضروری کام ہے وہ دیکھ لوں۔“ وہ کہہ کر چلا گیا اور فائدہ کم مسمی اپنی جگہ بیٹھ کر بیٹھی۔ ان کے ارد گرد ان کا مامی گھوم رہا تھا جس میں پچھن کر ان کی ساری زندگی عجیب سے انداز میں ابھی ہوئی تھی ان کا مامی ان کی ساری خوشیاں اٹھ گیا تھا۔

فائدہ اور ذوبہ دو بیٹھیں ہی تھیں۔ ماماں باپ کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ ماماں بی وسیع حاسدیں والے ایک شخص جو ان دونوں بیٹیوں کی طرف سے خالصتہً خالی تھیں انہوں نے ان دونوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھائی تھی ماماں باپ کی بے بعد بگڑے وفات کے بعد وہ ان دونوں کو ساتھ ہی لے آئی تھیں۔ دونوں تعلیم میں اچھی تھیں انہوں نے جہاں تک ممکن ہو کارڈوں بہنوں کی تعلیم کا خاص

خیال رکھا تھا۔ فائدہ ابھی گریجویشن ہی کر پائی تھیں جب ماماں بی نے ان کی شادی اپنے بڑے بیٹے سے کرادی تھی جبکہ فائدہ صرف چھ مہینے بلکہ اپنی تعلیم حاصل کرنے کا شوق بھی تھا ماماں بی نے فائدہ کے لیے بھی تعلیم حاصل کرنے میں رکاوٹ نہ آنے دی تھی۔ فائدہ لاہور کے کسی تعلیمی ادارے میں داخل نہیں لینا چاہتی تھی ماماں بی نے اس کی خواہش کے مطابق اسلام آباد میں اس کا داخلہ کر دیا تھا اور پھر اس کی رہائش کا انتظام بھی ہاتھ میں ہو گیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔

اپنی تعلیم حاصل کرنا اس کا خواب تھا۔ ان دنوں عثمان اپنی تعلیم حاصل کرنے باہر گیا ہوا تھا۔ بابا صاحب کچھ سالوں سے سیاست میں بہت زیادہ انوکھے ان کا ارادہ اپنی اولاد کو بھی سیاست میں لانے کا تھا۔ عثمان فاروق کا انٹرنٹ مکمل طور پر پرنس کی طرف تھا لیکن عثمان بابا صاحب کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی جبکہ فائدہ شدت سے عثمان کے پاکستان آنے کی منتظر تھی۔ ماماں بی نے واضح الفاظ میں سارے خاندان میں کہہ دیا تھا کہ وہ عثمان فاروق کی شادی صرف اور صرف فائدہ سے کریں گی۔ ہاتھ میں قیام کے دوران فائدہ کی دوستی باغاڑے ہوئی تھی۔ فائدہ اسے کچھ کرنا کی دیر تک بہت مدد ملی۔ اتنا مکمل حسن اس نے اپنی زندگی میں آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو حسن کا پرتو تھی۔

اماں راز راز رہنے والی لڑکی تھی۔ وہ ماماں میں فائدہ کی بڑھ چھٹی تھی۔ وہ اپنے بارے میں کم ہی بات کر سکتی تھی۔ فائدہ اسے بہت اہمیت دیتی تھی فائدہ کی کوشش سے وہ کچھ عرصہ بعد اس کے ساتھ مکمل مل گئی تھی۔ دونوں کی خوب دوستی ہوئی تھی۔ فائدہ کو یہ جان کر جی لپٹی ہوئی تھی کہ ماہہ را کی شادی اسلام آباد میں ہی رہائش پذیر ہو گئی لیکن اس کے باوجود وہ اپنی ماماں سے ملنے نہیں جاتی تھی اور نہ ہی کوئی اس سے ملنے کا تھا۔

ہاتھ میں ایگزیز کے بعد سب ہی لڑکیاں اپنے اپنے گھر رہی تھیں جبکہ ماہہ را ابھی بھی وہیں تھی وہ بڑے سکون انداز میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

”تم نہیں جا رہی ہو کیا؟“ فائدہ کو اشتیاق فاروق لینے کے لیے آنے والے تھے وہ ایک تیار کر رہی تھی۔  
”نہیں۔۔۔۔۔“ اس معاملے میں وہ ایک دم دھوک ہو جاتی تھی۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟“ فائدہ نے جیسے طے کر لیا تھا کہ اس کے

دندانے کی وجہ جان کر ہی رہے گی۔  
”ماماں اس معاملے میں کی بار کہہ چکی ہوں کہ میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔“ وہ کتاب سے نکلا ہوا ہٹائے بغیر بولی تھی۔ فائدہ کو اس کا رویہ بہت عجیب سا لگا تھا۔

”لیکن کوئی وجہ بھی تو ہو؟“ وہ خاموش رہی تھی فائدہ نے اسے غور دیکھا اور پھر ایک مگر اس اس لیا۔ پتا نہیں کیوں وہ اپنی ریز رو رہی تھی اس سے دوستی کرنا بھی فائدہ کی ہی کوشش سے ممکن ہوا تھا اور نہ شاید وہ اس سے دوستی بھی نہ کرتی۔

”اچھا یہ بتاؤ میں چلی جاؤں تو کیا کرو گی؟“ وہ بیگ کی زپ بند کر کے اس کے پاس ہی بستر کے کنارے آ بیٹھی تھی۔

”وہی جو ہمیشہ سے کرتی آئی ہوں۔۔۔۔۔ بکس پڑھوں گی کہیں گھر سے چلی جاؤں گی یا پھر کچھ پلوں۔“ فائدہ نے کچھ

پل سوچا تھا اور پھر اس کا چہرہ ایک دم چمکنے لگا تھا۔  
”ایسا کرتے ہیں اس بات تم میرے ساتھ میرے گھوڑوں چلو۔۔۔۔۔ اشتیاق بھائی آ رہے ہیں ایک دو دن ہم ان کی طرف

لاہور ہیں گے پھر گاؤں چلے جائیں گے۔“  
”تمہارے ساتھ۔۔۔۔۔ تمہارے گاؤں۔۔۔۔۔؟“ وہ حیران ہوئی تھی۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ماماں لی فائدہ اپنی سب ہی سے تمہارا اس قدر ذکر کیا ہے میں نے۔۔۔۔۔ سب ہی تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔“

”میں یار۔۔۔۔۔ اس طرح میں بھلا کیسے چلی جاؤں۔“  
”کیوں اس میں کیا قحاحت ہے۔۔۔۔۔ لاسٹ ٹائم تم

گھر سے پھرنے چلی گئی تھیں وہاں بھی جا کر تم اکیلی ہو گی میرے ساتھ چلو وہاں جا کر تم بہت اچھے کرو گی۔“  
”اچھا میں کچھ سوچ کر جواب دوں گی۔“



”کل صبح اشتقاق بھائی آجائیں گے .... رات بھر میں سوچ لوں“ اس نے اثبات میں سر ہلاتا تھا۔

وہ تمام تیاری کر کے سوچنے لگی اور باہر آئے ہسٹریٹھنی رہی۔ اس کے سونے کے بعد وہ گارڈ روم میں نکل کر بیٹھ گئی۔ اس کی زندگی بھی عجیب سی تھی۔ اس کی زندگی کے ابتدائی سالوں کے بعد کی باقی ساری زندگی مختلف سٹیشن میں گزری تھی۔ اس کی زندگی بہت سارے لوگوں کے لیے گائیڈ تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے بارے میں بہت سے لوگوں میں بہت ساری کہانیاں مشہور ہو چکی تھیں۔ وہ کسی سے بھی کچھ نہیں کہتی تھی۔ یہ قصہ سن کر ساری ساری دنیا میں وہ سب خاموش رہتی تھی۔ لیکن وہ سب کی اس کی دوستی سے نہ ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی لڑکی روم شیئر بھی نہ کرتی تھی۔ لڑکیاں اس سے دور بھاگتی تھیں۔ یونیورسٹی میں اس کی خوب مصروفی اور بڑی روپیہ بہت کی وجہ سے بہت سارے لڑکے اس کی طرف بڑھتے تھے لیکن اس کے متعلق شہید ہونے والی باتوں کو سن کر وہ خود بخود ہچکچہ بہت جانتے تھے نہ کبھی اس نے کسی کی پذیرائی کی اور نہ ہی کبھی کسی کو انکار کیا تھا۔ بس وہ نظر انداز کرنے اور خاموش رہنے کی پالیسی پر عمل پیرا رہی تھی۔ ان سب میں واحد فائدہ یہ تھی جو اس کے ساتھ مل کر تھی جو اس کی بڑی شہرت یا اس کے متعلق مشہور کی جانے والی باتوں کو سننے کے باوجود اس سے کچھ نہیں کہتی تھی ہاں اس کے خاندان کے بارے میں جاننے کے لیے پیٹاب ضرور دیتی تھی لیکن باہر کی خاموشی پر ناراض ہونے کی بجائے وہ کوئی اور بات شروع کر دیتی تھی۔

ساری رات اس کی عجیب سی کشش میں گزری تھی۔ اگلی صبح اس نے مجھے دیکھا۔ اس نے کہا کہ اس کی لڑکیاں اس کی باتوں سے بات نہیں کرتی۔

”فائدہ جانتی ہے میں اس کے ساتھ اس کے گاؤں چلی جاؤں۔“ اس کی ماں اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی تھی۔

”میری طبیعت آج کل بہت خراب ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم یہاں کبھی آؤ۔“ حسن آرا بہت بدلاؤ ہو چکی ہے۔ میں نے جو تم بھجوائی تھی وہ سنبھال کر استعمال کرنا۔

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

آپ دیکھیں کہ کسی بھی خط میں صحت ہو

حسن آرا مجھ پر بہت زیادہ نگاہ رکھنے لگی ہے وہ ایک ایک پیسے کا حساب لگاتی ہے۔

”تو میں کیا کروں؟ میرا خیال تھا فائدہ چلی جائے گی تو میں کچھ دنوں کے لیے آپ سے ملنے آؤں گی۔“

”یہ غلطی مت کرو۔ حسن آرا نے ایک بہت بڑی آسماں چھائی ہوئی ہے اس کا منہ نہیں چلا کدو چھیں ایک دن میں ہی اس کے ساتھ چلا کر آئے ہیں جس جہیز میں زندگی گزارتی تھی گزراں میں نہیں چاہتی کہ میرے بعد میرے بچے کا خزانہ تم جھٹو۔“

”میں کچھ لگتی ہوں ان لوگوں سے بھگت چاک کر۔“

”میں بھی کچھ لگتی ہوں۔“

”تم فائدہ کے ساتھ اس کے گھر چلی جاؤ۔“ چھپیاں گزرا کر آؤ جب واپس آؤ گی تو میں خود سننے آ جاؤں گی تم پریشان مت ہونا۔“

”جی ٹھیک ہے۔“ اس نے بے وقار جیتے آسو خود ہی صاف کر لیے تھے اور پھر اس نے فائدہ کو ساتھ چنے کا عندیہ دے دیا تھا۔

فائدہ بہت خوش تھی۔ اس کی دوست اس کے ساتھ اس کے گھر جا رہی تھی وہ بہت خوش ہو کر اس کے ساتھ مل کر بیٹھ کر رہی تھی۔

وہ فائدہ کے ساتھ اس کی ماں کی تھی۔ اشتقاق بھائی کے ساتھ وہ ان کے لاہور والے گھر آئے تھے۔ فائدہ بہت خوش اسلوبی سے ملی تھیں۔ ان کے دو بیٹے تھے شہباز اور شامان۔ فائدہ آتی کو بھی وہاں بہت اچھی لگی تھی۔ خاص طور پر اور سنجیدہ مزاج۔ وہ فائدہ کے ساتھ ہی اس کے روم میں چھتری لگی تھی۔ وہ لوگ کھانا کھانے کے بعد اپنے اپنے روم میں چلے گئے تھے۔ فائدہ نے فائدہ کو اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔

”یہ لڑکی کون ہے؟“

”آپ کو بتایا تو ہے میری روم میٹ ہے۔“ میری

”تم ایک اور نام لیتی ہو مہمان کا کٹر وہ کون ہے؟“

”اس میں کوئی شک نہیں۔“ وہ ہر کو کچھ کر انداز لگا چکی تھی۔

”تم ایک اور نام لیتی ہو مہمان کا کٹر وہ کون ہے؟“

”اس میں کوئی شک نہیں۔“ وہ ہر کو کچھ کر انداز لگا چکی تھی۔



”عثمان.....“ فالتفت مسکری بھتی۔

”اماں بی کے دوسرے بیٹے جن اشفاق بھائی کے چھوٹے بھائی..... وہ تعلیم کی غرض سے امریکہ گئے ہوئے ہیں۔“ وہ دونوں کچھ دیر بور بائیں کرتی رہی تھیں۔ فائقہ نے اس سے غائزو کی باتوں کا ذکر نہیں کیا تھا..... وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا دل خراب ہو۔ دونوں وہاں پانچ چھ دن رہی تھیں اور فائقہ اور اس کی بہن کی فیملی کے ساتھ مختلف جگہوں پر گھومنے بھی گئی تھی اور پھر گاؤں سے ڈرامیور لینے آیا تو وہ اس کے ساتھ گاؤں آ گئی تھی۔ اماں بی بھی بہت خوش اخلاقی سے ملی تھیں۔ اس نے اماں بی کے حالات کے جوابات میں خود سے ہی کہہ دیا تھا۔

”باب کا انتقال ہو چکا ہے ماں رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہے۔ مادہ راجاب کر کے اپنی تعلیم کا خرچ پورا کر رہی ہے۔ اچھے خاندان کی لڑکی ہے بڑی مشکل سے اس کے ساتھ آنے پر آمادہ ہوئی ہے۔“ جو کہانیاں اس نے سن رہی تھیں ان میں سے ایک کہہ رہی تھی۔

”ماشاء اللہ لگ بھگ کسی سہلچے ہوئے خاندان کی رقی ہے۔ اللہ ہمت دے بچی کو درناج کے دور میں کون کسی کا ساتھ دیتا ہے۔“

”جی، بہت اچھی ہے ماما! انہاں بی نے سر ہلایا تھا۔  
اس نے ماہ آگرا کو بھی یہی کہہ دیا تھا! دونوں اس وقت  
حوصلے کے محسن میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔

”اب تم اپنے بارے میں کچھ بتائی تو بھوکھیں لیکن اب تک پوچھتے ہیں ناں میں نے اہل بی کو کہہ دیا ہے کہ تمہارے خاوند زندہ نہیں ہیں والدہ رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہیں اور تم جا ب کرتی بنو اب اہل بی کچھ تو پوچھیں تو پلیز میں بتاؤ ناں“ اور ماں آراؤ وہ ایک گھری سانس لے کر کہہ گئی تھی۔

”تھیک کیو..... لیکن یہ سچ ہے میرے والد زندہ نہیں ہیں اور والدہ بھی رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہیں ہائی رہ گئی جا ب کی بات اس ہاشل میں آنے سے پہلے تک میں واقعی جا ب کرتی تھی لیکن اب چھوڑ دی ہے۔“

”کیوں چھوڑ دی؟“

”بس تھی ایک مجبور،“ وہ چاہ کر بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ اس کی ماں کی شہرت اس کی جاب والی جگہ پر بھی پہنچ چکی تھی جس کی وجہ سے اسے جاب چھوڑنا پڑی تھی۔

”گفتنی عجیب سی بات ہے ناں، ہم دوست ہیں اور  
 تمہارے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی۔“

”کوئی عجیب بات نہیں جس میں... بعض اوقات ہم لوگ ساری زندگی کسی کے ساتھ گزرتے ہیں اور اسے جان نہیں پاتے۔“

”اُو کے میں تمہیں کبھی فوراً نہیں آروں گی لیکن اگر تمہیں مجھ پر اور میری روٹی پر اعتماد ہوگا تو تم ضرور مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گی۔“ ماہرہ کا شخص مسکراتی ہوئی۔

ان کو جو ملی آئے ابھی ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ عثمان کی کال آئی تھی عثمان نے جانتا تھا کہ وہ پاکستان آ رہا ہے۔ انہیں اب ایک دم خوش ہو گئی تھیں..... وہ نئے سرے سے عثمان کا کمرہ سجھرائی تھیں۔ ساری حویلی کی ترتیب بدل دی تھی۔ کئی ماہ بعد عثمان واپس آ رہا تھا۔

بابا صاحب بھی خوش تھے اور فائدہ دو تو گویا خوشی سے نہال تھی۔ رات کے کھانے کے بعد وہ ماہِ راکے ساتھ حویلی کے عقبی باغ میں گئی تھی۔

”بہت خوش ہو.....؟“ ملا آرا ٹوٹ کر رہی تھی کہ جب سے اس کی بی بی نے عثمان کی آمد کا بتایا تھا، فائدہ بہت خوش تھی۔ فائدہ نہیں کی تھی۔

”بہت چاہتی ہوں کہ ان کو“ دو مسکرا دیں۔ دو اکثر ماہ  
آرام کے سامنے ٹھہر گئے۔ چاہت کا اظہار کرتی رہی تھی۔

”بہت کا تو مجھے نہیں علم لیکن یہ سچ ہے کہ شجر کی دھانسیں  
ندم رکھنے ہی میں نے اپنے ساتھ اگر کسی کا نام نہ لے تو وہ  
یہی عثمان فاروقی ہیں۔ سوئے اٹھنے پہنچتے جائے، اگر مجھے  
کسی کا خیال آتا ہے تو وہ یہی عثمان فاروقی ہیں.....“ اور اسے  
محبت کرتا سمجھتے ہیں تو اباب میں عثمان سے محبت کرتی ہوں۔“ ماہ  
آرام مسکرا دی تھی۔ اس وقت اسے فائدہ بہت زیادہ حسین لگی  
تھی اور بہت زیادہ لکی بھی۔

”تمہارا خاندان تو میری توقع اور سوچ سے بھی بڑھ کر باہی ایشیئس رکھتا ہے۔ میں سمجھتی تھی تم کسی بہت اچھے خاندان سے ہو لیکن تم تو میری سوچ سے بھی بڑھ کر ہو۔“ ماہ آرا واقعی مرعوب خاصی خائفہ مسکرا دی تھی۔

”میرے نزدیک مرتبہ و امارت کی کوئی جگہ نہیں، اصل ولیو تو انسان کی ہوتی ہے اس کے اہل کردار اور عہدہ سوچ کی۔“ باقی سب بے معنی ہے۔“

”میں سوچ رہی ہوں کہ تمہارے مکتوب کے آنے سے پہلے میں داکٹر ہاسٹل چلی جاؤں۔“

”کوئی کچھ نہیں سوچتا..... تم میری دوست ہو ان سب کے لیے یہی کافی ہے۔“

”تھک بات بہت اچھی ہو۔“

اب جواب میں جھینک پوچھیں کہوں گی۔ ”وہ دونوں مہس دی تھیں۔ ماہِ احیاء حقیقتاً حویلی آنے کے بعد فائدہ کی بانی حیثیت سے آگاہ ہوئی تھی۔ چند دن گزرے تو عثمان فاروق کا آنے کا بھی پتہ نہ تھا۔

و جاہت و خوب صورتی کا شہکار تھا اور شخص اس کی شان  
فادوق سے براہ راست ملاقات نہ ہو سکتی تھی۔ وہ جس دن آیا  
تھا وہ دن تولیہ پورہ تھا اور جب حق پانچا تو ارات کا وقت تھا۔

وہ وقت کے گھر میں تھی۔ ذرا وقت میں کچھ خطا کرتے تھے لیکن  
میں رشتہ تھی۔ ماہر اکاؤنٹس کی بے چینی لطف دے رہی تھی۔  
"اچھرمیں تیرے رشتہ ہو دوسری طرف شاید اسے تمہاری

پڑھائی نہ ہو۔“ اس نے مردوں کے ایسے ایسے روپ دیکھ رکھے تھے کہ وہ مرد حضرات سے متعلق کوئی حقیقت پسند ہو سکتی تھی۔

اگلی ہی مزاج اور طبیعت رکھتا تھا لیکن ان سب کی کمزوری کیا تھی وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی اس کی ماں اس کی ڈھال بنی رہی تھی لیکن اس کی ماں نے اسے ہمیشہ مرادی حقیقت سے باخبر رکھا تھا۔

”نہ ہو لیکن مجھے تو پورا ہے ناں۔“ اماں آ کر کے جواب میں فائقہ نے کہا تھا۔

ہوگا۔ وہ کہہ کر ٹبل سر تکستان چلی گئی۔  
 فائدہ اسے کمرے میں چھوڑ کر باہر آگئی تھی۔ کوئی ایک  
 گھنٹے بعد عثمان کی آمد ہوئی تھی یا صاحب دروازے پہلے اسے  
 لینے گئے تھے اور اب وہاں پہنچ گئی۔  
 فائدہ ماں لبا کے پاس آگئی تھی۔ جیسے ہی عثمان اندر آیا

اگر آپ اس سے لپٹ کر تھیں۔ سلام دعا جناباں و مکا لے .....  
 وقتاً بوقت کھانوں میں نمی پئے جیسے مٹی کی مٹی تھی۔ عثمان کی شخصیت  
 اور وجہ است تو اور زیادہ کھنجر چمکی تھی۔ خوب صورت مرزا قد  
 کاٹھنہ اوپر سے بول چال کا اعجاز وہ تو مسموٹ رہے تھے۔ عثمان  
 سے مٹی بات چیت ہوئی تھی۔

فائزہ کے مشاغل اور تعلیم وغیرہ جیسے سوالات کے بعد وہ  
اباں بی اور بابا صاحب کے ساتھ ملکر جو گیا تھا اور فقہ و ایک  
حرف صوفی پر بیٹھ کر گفتگو کی تاہم عیسیٰ فاروق کو کبھی رہی

تھی۔ رات گئے محفلِ برخواست ہوئی تو اہلِ بی نور بابا صاحبِ مونسؒ کے لیے چلے گئے تھے۔ عثمانؒ بھی اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے تو یہاں آرا گہری



ٹپٹے وہ اپنی زندگی اور اپنی ماں کی بے بسی کے متعلق سوچتی کر جیتی اپنی سوچوں میں گمنامی کی کہ سب دھیالی میں سامنے سے آتے جا گئے ڈریس میں بیس عثمان فاروق سے گھرا تے لکرا تے ہنسی تھی۔

”اب.....؟“ وہ فائقہ کے پاس عثمان فاروق کی تصویر دیکھ چکی تھی لیکن اسے سامنے سے سر داناہ جاہت و خوب صورتی کے پیکر کو دیکھ کر وہ دھجک رہ گئی تھی۔ اس قدر مکمل حسن..... اس قدر مردانہ شخصیت کا وقار۔

”عثمان فاروق کہتے ہیں مجھے اور آپ؟“ وہ فوراً سنھل چکا تھا اور ماہ راہی ہوئی تھی۔ وہ جو صورت بنی اسے دلچسپی رہی تھی ایک دم سنھل گئی۔

”ماہ راہ.....“ وہ دھجکتے ہوئی تھی۔

”ماہ راہ..... سواری میں بیٹھا ناؤں۔“ اسنے رکھ رکھاؤ والی ملازمہ تو تھی نہیں تو رشیدہ دار بھی نہ تھی۔

”میں فائقہ کی دوست ہوں۔“ اس نے کہا تو دوسرا ہٹا گیا۔

”اوہ آئی سی.....“ اس بی نے ذکر تو کیا تھا کہ فائقہ اپنی کسی دوست کے ساتھ آئی ہوئی ہے۔ ٹاس ٹو میٹ یو۔“ جواباً ماہ راہ صرف مسکرائی تھی۔

”کیا کرتی ہیں آپ.....؟“ عثمان فاروق نے اسے لغو دیکھا۔

یہ نہیں تھا کہ اس نے ایسا حسن نہیں دیکھا تھا لیکن ماہ راہ کے جوہر میں جو رکھ رکھاؤ تھا وہ کم ہی کہیں دیکھنے میں آتا تھا۔

”میں فائقہ کی یونیورسٹی ٹیوٹر اور دو مہینے ہوں۔“ وہ دھجکتے ہوئی تھی۔

”یوہ.....“

”ہیکس کوڑی.....“ وہ تیار وہ اس کے سامنے نہیں غمہ سکی تھی نور انور کی طرف چلی گئی اور عثمان فاروق باہر کی طرف نکل گیا تھا۔

فائقہ اور ماہ راہ کو کافی بہت پسند تھی۔ فائقہ کی فرمائش پر ماہ راہ کافی ہنسی تھی جب عثمان کی کچن میں آدھ ہوئی تھی۔

”یوہ لڑ پڑ کیا ہو رہا ہے؟“ یہ عثمان فاروق سے ماہ راہ کا دوسرا سامنا تھا۔

”کچھ خاص نہیں..... ماہ راہ کافی بہت اچھی بناتی ہے تو اس سے کافی ہنسی ہوتی ہے۔“

”ٹاس..... پھر تو میں بھی ایک گف بچاں گا۔“ اس نے براہ راست ماہ راہ کو دیکھا تو فوراً ہی بدل گئی۔

”اماں لی کہاں ہیں؟“ وہ کچھ دیر پہلے سوکر اٹھا تھا۔

فریش ہونے کے بعد اسے اماں کی کہیں بھی دکھائی نہ دیں تو ملازمین کے بتانے پر وہ فائقہ سے پوچھنا دھڑک گیا تھا۔

”وہ تو آپ کے بھنے چچی کی طرف گئی ہیں ان کی سیئر ہوئے ہاں کل شب بیٹا ہوا تھا ان کی مبارک باد دیے گئی ہیں۔“ فائقہ نے بتایا تھا۔

”تمہاری یہ دوست بات چیت نہیں کرتیں کیا؟“ عثمان فاروق نے اسے مسلسل خاموشی سے کافی چھینٹنے دیکھا تو پوچھا۔ فائقہ ہنس دی تھی جبکہ ماہ راہ بول چال کی گئی۔

”بیا وجہ الفاظ کا ذخیرہ ہم لوگ استعمال نہیں کرتے جناب۔“

”پھر تو تم لوگ بڑے باکمال ہو۔“ وہ مسکرایا۔

ایک نظر پھر ان کی طرف پہنچے مڑے اپنے کام میں مگن لڑکی کو دیکھا۔ سرخ جوتے میں جھجکا تاجرہ عثمان فاروق پھر ٹھکا تھا۔ اس لڑکی میں اسے پھر ایک لمحے کو بڑی عجیب سی کشش محسوس ہوئی تھی۔

”آپ بڑے لیے کیا لائے ہیں؟“ فائقہ نے کہا تو عثمان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

”اپنے منہ سے گڈٹ جانتے ہوئے شرم تو نہیں آئے گی۔“

”اس میں شرم کی؟“ اس بی نے کہا تھا میں نے کتے کو ابھی طرح یاد دلا دیں کہ بھٹک گیا کیا چاہیے؟“

”لایا ہوں لایا سب کچھ لایا ہوں..... ذرا یہ ملنے ملانے سے فارغ ہوں پھر وہ سب بھی دے دوں گا۔“ وہ مسکرا کر کمرہ رہا تھا۔ ماہ راہ رانے کن اکیوں سے اسے دیکھا۔

وہ اچھی خاصی پڑھتا لڑکی تھی لیکن اس شخص کے سامنے

اسے اپنے الفاظ کو نگہ بہرے گھٹنے گھٹے تھے۔ اس نے کافی بنا کر ایک گف فائقہ کو یاد دوسرا عثمان فاروق کی طرف بڑھایا تھا۔

”بھٹکس.....“ گف لیتے بکاسا ہاتھ بچھ ہوا تھا۔

ماہ راہ نے سرعت سے ہاتھ ہٹا دیا تھا جبکہ عثمان فاروق حیران ہوا تھا۔ فائقہ نے نوٹ نہیں کیا تھا۔

”میں کمرے میں چارہ ہی ہوں۔“ وہ اپنا گف کے کر فائقہ کو کہہ کر تیزی سے پان سے لگی تھی۔

”تمہاری اس دوست کو ایک گرو انڈر کس ہے؟“ کافی کا سب سے اس کا انداز بے سوچ تھا۔

”نمبری رہا ہیٹ ہے بائیں میں۔“

”کہاں سے ہے؟“

”اسلام آباد سے ہی ہے۔“

”غیرت ہے پھر بھی بائیں میں رہ رہی ہے؟“ وہ حیران ہوا تھا۔

”ان کے کچھ فیملی انشور ہیں اسی وجہ سے.....“ اس نے ہانچا ہوا تھا عثمان فاروق خاموش رہا تھا۔

”اب کیا ارادہ ہے آپ کا آگے کے لیے؟“ اس نے جان بوجھ کر بات بدل دی تھی۔

”لی الحال تو میں اپنا آفس سٹیکلش کروں گا..... اس کے بعد اگر باکی رضامندی ہوئی تو ان کا سیاست میں ساتھ دوں گا۔“ وہ سنھل سے بنا ہوا تھا۔

اس نے اسے دیکھا تھا۔

”کون ہے؟“ ان کی ایک چچا زاد نے بھی فائزہ سے پوچھا تھا۔

عثمان کی وطن والہی پر بابا صاحب نے ایک بڑے پیمانے پر محبت کا اہتمام کیا تھا ان کے حلقہ احباب کی ایک سٹیج اسٹےجی جو دھڑکی۔ اندرونی طور پر اماں بی نے بھی خاندان کے تمام لوگوں کے لیے ایک تقریب منعقد کر رکھی تھی۔ فائزہ بھی لاہور سے آئی ہوئی تھیں۔ ان کے دونوں بیٹے خالد کے کردار کو محم رہے تھے۔ ماہ راہ نے مدد بھی ہوئی باتیں کرتے شیر انگن کو دیکھ کر کمر لہا تھا۔

”تمہارا یہ بھانجا مجھے بہت پسند آیا ہے.....“ دونوں

فائقہ کے کمرے میں تھیں۔ بچے بھی وہیں تھے۔

”یہ مجھے بھی بہت پسند ہے بلکہ اماں بی چاہتی ہیں کہ شیر انگن ان کے پاس ہی رہے لیکن یہ اسکل جاتا ہے تو لاہور میں رہتا ہے ورنہ چھٹیوں میں سارا وقت اس کا گاہکوں میں گزرتا ہے۔“ اس نے انگن کے گاہک پر پیار کرتے کہا تو انگن معصوم سا ہنسا کر کہیں بیٹھ گیا تھا۔ ماہ راہ کو اسے دیکھ کر مزید ناگہانی تو شیر انگن کو برا لگا تھا۔

”خالد بیانی کچھ پر ہنستی ہیں۔“

”نہیں بیانی تو آپ کی تعریف کر رہی تھیں۔“ اس نے سنھل تو اس نے عجیبی سے دونوں کو دیکھا۔ ماہ راہ کو دیکھا۔

”میں اماں بی کے پاس جا رہا ہوں چلو شریان۔“ وہ شریان کی اچھی تمام کروہاں سے نکل گیا تھا۔

”ہمیزنگ بار.....“ وہ بیانی ڈھن لڑکا ہے۔“

”آخر بھانجا کس کے ہے؟“ فائقہ نے کار کھڑے کیے۔

”جیلاؤ باہر چلتے ہیں اماں بی نے دوبارہ پوچھا ہوا ہے۔“ دونوں تیار تھیں۔

فائقہ نے اسے اپنا نیا ڈریس دیا تھا پٹک کھر کے ہلکی کڑھائی والے سوٹ میں ماہ راہ مانتاب کی طرح ڈک رہی تھی۔ فائقہ بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ دونوں بڑے کمرے میں پہنچیں تو فائزہ نے فائقہ کے ساتھ کھڑی ماہ راہ کو بخیر دیکھا تھا۔

”کون ہے؟“ ان کی ایک چچا زاد نے بھی فائزہ سے پوچھا تھا۔

”فائقہ کی دوست ہے۔“

”بہت خوب صورت لڑکی ہے۔“ وہ بڑی سستی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ فائقہ بہت حسین لڑکی تھی لیکن وہ آرا کے سامنے وہ ماند پڑ رہی تھی۔ اسی دوران عثمان بھی کام سے اندھا آیا تھا۔ وہ ان دونوں کے پاس رک گیا تھا فائزہ کے ماتھے کے تیر بد لئے گئے تھے۔

عثمان نے شاید ماہ راہ سے کچھ کہا تھا وہ بڑل ہو رہی تھی اور پھر اس نے عثمان سے کوئی بات کی گئی عثمان ٹھکھلا کر ہنسا



تھانور پھر فائدہ نے کچھ کہا تو وہ کندھے اچکا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ فائزہ کو یہ سب اچھا نہیں لگا تھا۔ بچانے کیوں نہیں فائدہ کی بد دوست اچھی نہیں لگتی تھی۔ وہ موقع ملنے پر فائدہ کے پاس آئی تھی۔ "اوارا کسی رشید وارلڈ کی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔"

”یہ تمہاری دوست واپس نہیں آئی۔“ انہوں نے چھوٹے  
 بچے کو چھٹا تھا۔  
 ”جب میں واپس جاؤں گی تو میرے ساتھ ہی جائے

”جی!.....“ وہ کہہ کر تیزی سے وہاں سے اُعدہ کی طرف چل دی تھیں۔ دو فائدہ کے پاس آئی تو وہ سُٹھائی ہوئی تھیں۔

”سیری امی سخت بیمار ہیں مگر آج جی جی وہاں سے جاؤں گی۔“

خاموش ہوئی تھی کچھ توقف کے بعد اس نے ہاں میں سر ہلا دیا تھا۔ اماں بی نے اسے کافی سارے تحائف دیے تھے وہ لینے میں متاثر بھی لیکن اماں بی اور فاطمہ کے اصرار پر اسے قبول



دنیوں اسلام آباد میں تھے۔ جانے پہچانے رستے دیکھ کر وہ ایک دم حائل ہوئی تھی۔ وہ اس سے ہاتھ ملانے کا نام شروع میں ہی پوچھ چکا تھا۔ کچھ پر بعد دو لوگ ہاتھ ملانے کے سامنے تھے۔

”آپ نے مجھے یہاں ڈراپ کیا بہت بہت شکر ہے۔“

میں اندر چلی جاتی ہوں۔ ”نبھانے وہاں اماں کے ساتھ کون کون ہوگا؟ کسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے۔ اس کی ذات کا نبھانے کیسے تھا؟ وہ کتنی فادری تھی؟ سامنے اپنی ذات کی بے توقیری ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ عثمان فاروق نہیں گیت سے ہی واپس چلا جائے۔“

”چلیں میں ساتھ ہی چلتا ہوں اسی بہانے آپ کی مدد کی عیادت بھی ہو جائے گی۔“

”نہیں آپ کو مسئلہ ہوگا۔“ اس نے بہانے سے منع کرنا چاہا تھا۔

”جہاں میں نے اتنا سفر طے کیا ہے وہیں عیادت کے لیے جاتے مجھے قطعی تکلیف نہیں ہوگی۔“ وہ اپنی جگہ مہر تھا۔

”چلیں آئیں چلتے ہیں۔ علم تو ہوگا تاں کس نام سے ایڈمٹ ہیں اور کس طرف؟“ حویلی سے نکلنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر کال کر کے خال سے ساری معلومات لے لی تھیں۔

مرتا کیا نہ کرتا؟ کے صدق وہ عثمان فاروق کے ہمراہ اندر آئی تھی یہ کوئی درمیانے درجے کا پرائیویٹ ہسپتال تھا۔ ریسپشن سے معلومات لے کر وہ مطلوبہ کمرے کی طرف آئی تھی۔

”دیکھیں وہاں میرے رشتہ دار بھی ہوں گے چاہیں وہ کس طرح کاری ایکشن دیں۔ میں صورت حال دیکھوں تو پھر آپ کو کمرے میں لے جاؤں گی۔“ دھری منزل پر کمرہ تھا۔ میری حیران چڑھنے اس نے کہا تو عثمان فاروق رکا۔

”یعنی مجھے دیکھ کر وہ کچھ غلط سمجھ سکتے ہیں؟“ اس نے واضح الفاظ میں پوچھا تھا۔

”کچھ بھی سمجھ میں۔“

”اگر آپ مل لیں۔ پھر جو صورت حال ہوئی بتا دیجیے گا۔“

میں ادھر ہی دھت کرتا ہوں۔ ”بڑھریوں کے ساتھ ہی کر رہا تھا وہ اسے وہیں چھوڑ کر خود کمرے کی طرف بڑھی تھی عثمان نے اسے جاتے دیکھا تھا وہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں چند لوگ جمع تھے۔ اسے دیکھ کر فوراً جو کچھ ایک کام والی ملازمہ تھی ایک حسن آرا کے ماتحت کام کرنے والی لڑکی۔

”نہا“ مٹی ماہ آگئی۔ لڑکی ماہ آرا کو دیکھ کر فوراً چپکی تھی لیکن ماہ آرا کے نظر انداز کرتے اپنی ماں کی طرف بڑھی تھی جہاں تکھیں بند کیے ملتی ہوئی تھی۔

”بڑے وقت پر آئی ہے تو۔“ ڈاکٹر کہتا ہے اب تیری ماں کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے ایک دور کی مہمان ہے اس لیے اس لڑکی نے کیا تو اس نے پریشان نگاہوں سے ماں کو دیکھا تھا۔

”اماں۔“ اس نے ماں کا کندھا ہلایا تو اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔ مٹی کو سامنے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر پیدا ہوا تھا۔

”کیوں آئی تو یہاں۔“ وہ بھی سی آواز میں بولی تھی۔

”چاہی جا۔ حسن آرا کو علم ہو گیا تاں تو وہ تجھے قید کر لے گی۔ بھوکے شہر کی طرح وہ تجھے دھوڑ رہی ہے۔“ وہ آہستہ سے کہہ رہی تھی۔

”آپ کی اس قدر خراب طبیعت کا سن کر میں بھلا کیسے کہہ سکتی تھی۔ حسن آرا کچھ بھی کرے میں آپ کو اس قدر تکلیف میں مبتلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔“

”ابھی ابھی میری بات مان لے چلی جا۔ حسن آرا رات کا گئے گی اس سے پہلے یہاں سے نکل جا۔“

”میں نہیں ڈرتی اس سے جو اس کے خوف میں اپنی ماں کو موت سے بچانے کے لیے تنہا چھوڑ دوں۔“ وہ دہری تھی۔

”سینکے آئے تو؟“

”فائدہ کے کزن کے ساتھ۔“

”میری بات مان اسی کے ساتھ واپس چلی جا۔ نہیں تو بہت برا ہوگا۔“ یہ دیکھ کر میرے جڑے ہوئے ہاتھوں کو ساری زندگی تہہ باری خاطر یہ چشم فریاد ہے میں نے اب اس مقام پر

آ کر میری محنت ضائع مت کر۔۔۔۔۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ کر چلی جاؤ یہاں سے۔۔۔۔۔ ماہ آرا ماں کے ہاتھوں پر سر رکھ کر روئی تھی۔

”بڑی بد نصیب ہوں میں جو تجھے اپنی طرف سے کوئی سکھ نہیں دے سکی لیکن بس اپنی ایک خواہش ہے کہ تم عزت کی زندگی گزارو جس۔۔۔۔۔ وہ مٹی کا سر چھپا رہی تھیں۔ ماہ آرا خاموشی سے سسکی رہی کچھ دیر تک وہاں کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔

اماں اسے بار بار سمجھا رہی تھیں کہ وہ یہاں سے چلی جائے پھر اسے اماں کی بات ماننا ہی پڑی تھی۔ وہ اماں سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے جانے لگی تو وہیں موجود دونوں خواتین نے اس کا رستہ روک لیا تھا۔

”آتی جلدی جا رہی ہو۔ حسن آرا تو تمہیں تلاش کرتے ہوئے نبھانے کہاں کہاں سے کھونچ چکی ہے اور تم ہو کر ملتی ہی نہیں ہو۔۔۔۔۔ رات کو آئے کی علم ہوا کہ تم آتی تھیں تو ہمیں بھول کر رکھ دو گی۔۔۔۔۔ ہم تو تمہیں اب نہیں جانے دین گی۔“ لڑکی نے کہا تو ماہ آرا نے خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”میں اپنی ماں کی خبر گیری کا لٹی تھی۔“

”چلو اس بہانے علم تو ہوا کہ تم زندہ ہو گی۔۔۔۔۔ ویسے آئی کس کے ساتھ ہو اور ہوتی کہاں ہو؟“

”ابنے کام سے کچھ۔۔۔۔۔ میں تو لوگوں کی غلام نہیں ہوں جو لوگوں کی انوکھی خبر اور سیرا سے کو تو۔“ وہ لڑکی کو دھکا دے کر تیزی سے کمرے سے نفی تھی لیکن باہر کمرے کے دروازے کے پاس کھڑے عثمان فاروق کو پوچھ کر اپنی جگہ رستہ ہوئی تھی۔ ملازمہ اور مالک بھی فوراً باہر چلی گئیں۔ سامنے کسٹنڈر کچھ کر رہی تھیں۔

”آپ باہر نہیں آئیں تو میں نے سوچا خود چل کر آپ کی والدہ کی عیادت کر لوں۔“ وہ ماہ آرا کو کھدہ ہاتھ لڑکی معنی خیز انداز میں مسکراتی تھی۔

”ارے ماہ آرا تم تو بڑی چھپی رستم لگی ہو۔ بڑی موٹی آسمانی پھنساہی ہے تو نے تو۔۔۔۔۔ ویسے ہے کون یہ۔۔۔۔۔“

انداز بڑا عامیانه تھا اور الفاظ اس سے بھی زیادہ ناگوار۔ عثمان فاروق نے نہایت ناگواری سے دونوں کو دیکھا تھا ماہ آرا تو مزید شرمندہ ہو گئی تھی۔

”آپ یہاں سے چلیں وہ ٹھیک ہیں۔“ وہ فوراً یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔

”ایسے کیسے چلی جاؤ گی۔ حسن آرا نے شہر کا سب سے امیر بندہ حیرے لیے پھنسا لیا ہے۔۔۔۔۔ وہ تو ہماری یونیاں نوچ دے گی اگر نہیں ہم نے جانے دیا تو۔۔۔۔۔“ وہ لڑکی پھر کہہ رہی تھی۔ عثمان فاروق نے نہایت حیرانی سے ان کو دیکھا۔

”چلیں جلدی ہے۔“ وہ فوراً آگے بڑھی تھی لیکن لڑکی نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”آرام سے اندر بیٹھ۔ میں ہسپتال کے فون سے حسن آرا کو کال کر لیتی ہوں وہ ابھی پہنچ جائے گی۔“ اس نے زبردستی اسے اندر کی طرف گھسیٹنا چاہا تھا۔ ماہ آرا دہائس ہو گئی تھی۔

”پلیز عثمان میری مدد کریں۔“ اس نے کہا تو عثمان فاروق نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔

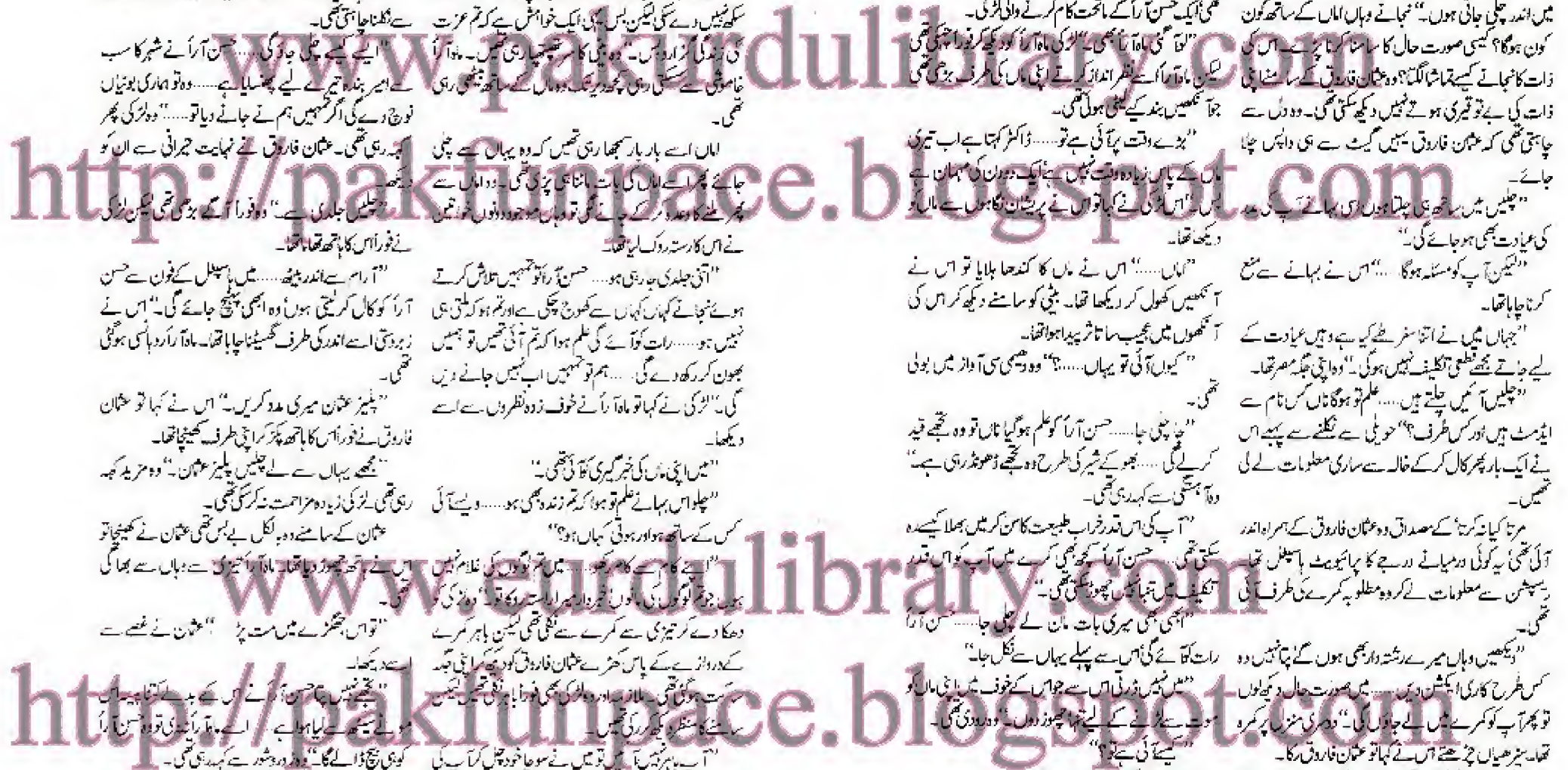
”مجھے یہاں سے لے چلیں پلیز عثمان۔“ وہ مزید کہہ رہی تھی لڑکی زیادہ مزاحمت نہ کر سکی تھی۔

عثمان کے سامنے وہ لکل بے بس تھی عثمان نے کھینچا تو اس نے تھک چھوڑ دیا تھا۔ ماہ آرا کچھ تھکی سے وہاں سے بھاگی تھی۔

”تو اس جھجڑے میں مت پڑ۔“ عثمان نے غصے سے استدعا کیا۔

”مجھے نہیں چاہیے۔“ اس نے اس کے بدلے اتنا ہیہ اس کے سامنے کھینچ لیا ہے۔ اسے ماہ آرا نے تو اس آرا کو بیچ ڈالے گا۔ وہ دھڑ دھڑ سے کہہ رہی تھی۔

عثمان کو اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ لڑکی کا لب و لہجہ اس کے الفاظ و اطوار۔۔۔۔۔ وہ کس قسم کی لڑکی تھی سب کچھ واضح تھا۔ وہ اس لڑکی سے کچھ خیر تیزی سے واپس چلا تھا۔ میری حیران آکر کر نیچا یا تو وہ نکلی دکھائی نہ دی۔ وہ باہر





آیا تو وہ ایک طرف روڑ کے کنارے کھڑی تھی۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آیا تھا۔  
 ”آؤ میں تمہیں ڈراپ کروں۔“ وہ دہری تھی۔  
 ”نہیں میں چلی جاؤں گی۔“  
 ”کہاں؟“

”ہاٹل۔۔۔“ عثمان کے سامنے از حد غر مند تھی سر اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔  
 ”چلو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔“ اس نے دھم دھم کر کہا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس کے ساتھ ہوئی تھی۔  
 ”یہ لوگ بولتے تھے۔“ کچھ دیر بعد عثمان نے پوچھا تو وہ بخوشی خاموش رہی تھی۔  
 ”آپ کا تعلق کن لوگوں سے ہے؟“ وہ پوچھ رہا تھا اور ماہ آرا ایک دم دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رودی تھی۔

وہ جس حقیقت کو ساری دنیا سے چھپاتی آرہی تھی وہ آج آخر کار لوگوں پر آشکار ہونا شروع ہو چکی تھی۔ اس کی ذات بے مول ہو چکی تھی۔ کتنی مشکل سے وہ اپنا مقام بناتی تھی اور وہ سب بے معنی ہو گیا تھا۔  
 ”آپ پلیز روٹیں مت۔۔۔ دیکھیں مجھے کسی بھی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔ میں تو ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔“ جواباً وہ رودی رہی تھی۔ کچھ دیر بعد عثمان اسے ایک چھوٹے سے ریستورنٹ میں لے آیا تھا۔

”آئیں جائے پلاٹا ہوں۔۔۔ پھر آپ کو آپ کے ہاٹل ڈراپ کروں گا۔“ گاڑی روک کر اس نے کہا تو ماہ آرا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔  
 ”میں کوئی ایسی دکان نہیں ہوں۔۔۔ آپ نے جو دیکھا جو سنا وہ جو بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری ماں یا میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔۔۔ میں نفرت کر لی ہوں ان لوگوں سے اور ایک عزت کی زندگی گزارنا چاہتی ہوں اور بس۔“ وہ اندر جانے کی بجائے کہہ رہی تھی۔ عثمان فاروق کی نظر میں گہرا۔ اس کی عزت نفس پر یہ ایک گہری چوٹ تھی۔

”کیا آپ مجھے تفصیلاً بتانا چاہیں گی ہو سکتا ہے میں اس معاملے میں آپ کی مدد کر سکوں۔“ اس نے کہا تو ماہ آرا نے اسے دیکھا تھا۔ کتنی آکھوں میں بچانے لگی کیا بات تھی کہ عثمان فاروق کی ٹاپیے تک اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ جواباً ماہ آرا نے اسے وہ سب کہہ دیا تھا جو اس کی زندگی کی سب سے تنگ حقیقت تھی۔

”اس سب میں بھلا آپ کا کیا قصور۔۔۔ ٹھیک ہے۔ حالات آپ کو اس مقام پر لے آئے تھے لیکن آپ کی والدہ نے آپ کو معاشرے میں ایک باعزت مقام دینے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔۔۔ میں جانتا ہوں انسان کی اصل وجہ اس کا اپنی اخلاقی کردار ہے۔۔۔ اس کا خاندانی حسب و نسب اور سرائے۔۔۔“ اس نے کہا تو ماہ آرا کو لگا کہ جیسے اس کے اندر ایک سکون سا اثر گیا ہو۔ اس نے پہلی بار کسی کے سامنے اپنا آپ آشکار کیا تھا اور شکر تھا کہ اس شخص نے اس کی حقیقت جان کر اسے ذلیل نہیں کیا تھا۔

”پہلیں آئیں جائے پیتے ہیں اور پھر میں آپ کو ڈراپ کروں گا۔“ اس نے پھر کہا اور اس بار ماہ آرا انکار نہ کر سکی اور وہ اس کے ساتھ اندر آ گئی تھی۔ اس دن دونوں نے بہت ساری باتیں کی تھیں۔

عثمان فاروق کا اسے اہمیت دینا ماہ آرا کو لگا کہ اسے گویا نئی زندگی مل گئی ہو اور پھر اس کے بعد اس کی زندگی میں ایک نیا باب شروع ہوا تھا۔

”عثمان فاروق کے نام کا ایک عذاب۔۔۔“ اس نے اس کی ذمہ داری دینا بدل دی تھی بلکہ فائدہ کی زندگی میں بھی بہت سے اثرات مرتب کیے تھے۔

دونوں اکثر ہنسنے لگے تھے اس کی ماں صحت یاب ہو کر واپس چلی گئی تھی۔ وہ اکثر عثمان سے کسی نہ کسی کام سے ملتی رہتی تھی۔ چھٹیاں ختم ہوئیں اور نئی کلاسز کا آغاز ہوا تو فائدہ بھی واپس آ گئی تھی۔ فائدہ کی محبت تو وہ کسی کی ہو سکتی تھی لیکن ماہ آرا اب اکثر اس کے ساتھ اپنی ذات کا موازنہ نہ کرتی تھی۔ وہ فائدہ سے کسی بھی طور کم نہ تھی لیکن اس کی زندگی میں جو

محرومیاں تھیں وہ فائدہ کی زندگی میں نہ تھیں۔ سب سے بڑھ کر عثمان فاروق جیسا انسان فائدہ کی چاہت تھا۔

وہ اکثر تیار اٹھنے لگی تھی۔ جون جون عثمان سے میل ملاقات کا سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا ویسے ویسے ہی اس کے دل میں فائدہ سے متعلق عجیب سا حسد پیدا ہونے لگا تھا۔ اسے عثمان فاروق اپنے تمام مسائل کا حل اٹھانے لگا تھا۔ کوئی بھی بات نہ بولی وہ عثمان فاروق کے کسی اور عثمان فاروق اس کا مسئلہ منوں میں حل کر رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ فائدہ عثمان فاروق کو کیا سمجھتی ہے لیکن ماہ آرا کو اپنی تمام محرومیوں اور مسائل کا حاصل عثمان فاروق ہی دکھانی دینے لگا تھا۔

وہ بے شک حسن آرا تھیں لڑکیوں کی سی زندگی نہیں گزار پاتی تھیں نہ ان جیسے انداز تھے اور نہ ہی اطوار۔۔۔ اس کی شروع سے ہی اولین ترجیح عزت نفس کا تحفظ اور اس گندے لودھ ماحول سے بچنا تھا لیکن اس نے زندگی کا اولین حصہ ان لوگوں میں گزارا تھا وہ بخوبی جانتی تھی کہ مرد کی کمزوری کیا ہے اور کسی بھی مرد کو ان کے ہاں کی عورتیں کس طرح اپنی طرف راغب کرتی ہیں۔ عثمان فاروق کوئی فرشتہ نہ تھا جو بیکٹا نہیں۔ ماہ آرا کا عزت کی زندگی پانے کا خواب ایسا بھٹیلا تھا جو اس نے استعمال کیا اور عثمان فاروق اس کی باتوں میں گھیا تھا اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ کچھ ماہ کے عرصے میں ہی دونوں کے تعلقات حس موز پر آ گئے تھے عثمان فاروق اسے بہت دور آوازا سے اپنی تمام تر محرومیوں کا خیال دہندہ سمجھتی تھی۔

دونوں کی محبت اپنے اپنے مقام پر خاموشی کی طرح رواں دواں تھی۔ ایسے میں وقت تیزی سے بدلنا تھا۔ ایک گز گزر ہوئے تو فائدہ واپس چلی گئی اور ماہ آرا وہ کسی کی محبت میں ہاٹل میں شغف ہو گئی تھی۔ اس کی ماں اسے ایک معقول رقم بھجوا رہی تھیں اب اس کی بہت ساری ضروریات عثمان فاروق کے طویل چل چلی ہو رہی تھیں جو بھی تھا وہ عثمان فاروق کے ساتھ ساری عمر گزارنے کے خواب ضرور دیکھتی تھی۔

انہی دنوں جو ملی میں اماں بی نے عثمان فاروق اور فائدہ

کی شادی کی بات پھیرتی تو عثمان فاروق مجھے سے اکھڑ گیا تھا۔

”میں فائدہ سے کبھی بھی شادی نہیں کروں گا۔“ صاف انکار کر رہا تھا۔ اماں بی نے لاکھ بھلیا لیکن لاٹے لہندی بیٹے کی غنڈہ ٹوٹی تھی۔

”اگر فائدہ سے شادی نہیں کر لی تو پھر کس سے کرو گے؟“ ابھی تک انکار باں بیٹے کے درمیان ہی تھا ایک دن بھگت کر اماں بی نے پوچھنی لیا تھا۔

”ماہ آرا۔۔۔“ وہ بولک اندر تھا۔  
 ”کون سا؟“  
 ”کافی پوسٹلن کی سولی میں رہنے والی فائدہ کی دوست۔ وہ بڑی اماں بی کے دھن کے کسی گوشے میں بھی نہ تھی۔

”فائدہ کی دوست۔“ اماں بی تو حیرت سے ہنسنے لگی تھیں۔

ایک عام سی لڑکی کے لیے وہ ان کی عزیز از جان بھانجی کو چھوڑ رہا تھا۔ وہ عام سی لڑکی جس کی اضافی خولی صرف اس کا باپ کا حسین ہونا تھا۔ وہ حیران تھیں کہ وہ عام سی لڑکی بھلا کب عثمان فاروق کی زندگی میں داخل ہوئی تھی اور انہیں خبر تک نہ ہو سکی تھی۔

”ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔“

”تو ٹھیک ہے آپ میری شادی کا خواب دیکھنا بھول جائیں اگر ماہ آرا انہیں پوچھ کوئی بھی نہیں۔“ اس کا انداز اہل تھا۔ وہ خطر سے بہت گیا تھا۔

اماں بی نے شوہر اور بیٹے سے بات کی تھی دونوں نے عثمان کو بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن سب بے سود تھا۔ اماں بی پریشان اور بے قرار رہنے لگی تھیں انہوں نے ہر کوشش کر لی تھی لیکن عثمان فائدہ سے شادی پر ماہ آرا ہی نہ ہو سکا تھا۔ فائدہ شروع میں عثمان کے سرور سے اس کا مزاج بھی تھی لیکن جون جون وقت گزرتا گیا تو اس پر یہ عقدہ چھلنے لگا کہ عثمان فاروقی اس کو پسند نہیں کرتا۔ یہ لائق شخص لا پرواہی کے سبب نہ تھی بلکہ اس کی اور وجہ سے تھی اور جب اماں بی اور عثمان فاروق کے درمیان کی رسد کشی بڑھنے لگی تو بات اس تک



بھی پہنچ گئی تھی۔

وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ یہ جان کر اس کے دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا لیکن وہ لڑکی اس کی عزیز از جان دوست ماہرہ کو بھی اس بات سے وہ ابھی بھی بے خبر تھی۔

ایک دن عثمان فاروق اس کے پاس آیا تھا اپنی پسند کا پتا کر دل کی بات کرنے جب اس نے ماہرہ کا کانٹا ملایا تو فائدہ کو لگا کر گویا تڑپیں طرسمان ٹھوسے لگے ہیں۔

وہ تم صدمہ تھی۔ عثمان فاروق کسی اور کو نہیں اس کی پیاری دوست ماہرہ کو پسند کرتا تھا۔ فائدہ بوجھ جاتی آئی ہوئی تھی۔ اس نے یہ بات ان کو بتائی تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

”تمہیں تو میں شروع سے ہی سمجھا آئی ہوں کہ اس دوست سے محتاط رہو کیونکہ اپنا اعتماد وہ آخر کار عثمان کو ہی لے لڑی۔“

”بوسکتا ہے یہ شخص عثمان کی ہی خواہش ہو ماہرہ رابے خبر ہو۔“

”اشفاق بتا رہے تھے لڑکی بھی آمادہ ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے ہیں ماہرہ کی مرضی سے سب ہو رہا ہے۔“ فائدہ بے یقین تھی۔ وہ بہت دن تک اسی بے یقینی میں رہی اور پھر ایک دن عثمان فاروقی سے سامنا ہوا تھا۔

اب اکثر ایسے ہوتا تھا کہ جب بھی کبھی عثمان سے سامنا ہوتا تو وہ رخ موڑ کر چلی جاتی تھی تب بھی وہ جانے لگی تھی لیکن عثمان کی پکار پر رک گئی تھی۔

”فائدہ رو۔۔۔ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“ اس نے کہا تھا۔

”لیکن مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔“ وہ پھر سے جانے لگی لیکن عثمان فاروق اس کے سامنے گیا تھا۔

”میں جانتا ہوں تم ہرٹ ہوئی ہو لیکن فائدہ کیا یہ بہتر نہیں کہ ساری عمر ایک ان چاہی زندگی گزارنے کی بجائے ہم اپنی مرضی اور خواہش کی زندگی گزار لیں۔ میں ماہرہ رابے محبت کرتا ہوں اور تم جانتی ہو میں کوئی تھرڈ کلا ہوں جو روز بروز لڑکیاں بدلتا پھروں۔۔۔ ماہرہ رابے تم سے تم

اچھی طرح جانتی ہو کہ وہ بھی عام لڑکی نہیں ہے۔۔۔ ہم دونوں بہت سنجیدہ ہیں تم پلیز اماں بی کو سمجھا دو وہ یہ ضد چھوڑیں وہ اگر میری بات نہیں مانتیں گی تو میں یہ حوصلہ تک چھوڑ دوں گا۔“

انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا۔ فائدہ نے بہت خاموشی سے سب سن لیا تھا۔ ”ماہرہ تو وہ بہت یقین کرتی تھی لیکن اس نے تو پچھ میں چھرا کھونا تھا۔ اس رات اماں بی کے پاس آئی تھی۔

”آپ عثمان فاروق کی بات مانتا کیوں نہیں کرتیں۔“ ”میں بھلا کیسے مان لوں ایسی لڑکی کے لیے جس کے خاندان کا کچھ جانتا نہیں۔۔۔ جن کی کوئی مالی حیثیت نہیں اور سب سے بڑی بات تمہاری جگہ میں کسی اور کو کیوں دے دوں۔ ذرا بروی کسی؟“ شروع سے عثمان آگاہ تھا کہ ہم اس کی شادی تم سے کریں گے۔“

”لیکن وقت ایک سائیں رہتا ہمیشہ۔“ ”ہمیں وہ لڑکی تمہاری دوست کی حیثیت سے تو پسند آتی تھی لیکن ہم اسے بہن نہیں بنا سکتے۔“ اماں بی اپنی جگہ اٹل تھیں۔

”پلیز آپ مان جائیں۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ لوگوں میں دوریاں پیدا ہوں اور میری وجہ سے کوئی اختلاف آ کر۔“ اماں بی رو رہی تھیں۔ انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا تھا۔ وہ اگلے دن خود سے عثمان فاروق کے پاس گئی تھیں۔

”میں تمہاری خواہش قبول ہے لیکن ہماری بھی ایک شرط ہوگی۔“ عثمان فاروق نے مان کو دیکھا۔

”ہمارے خاندان میں لڑکے ہوئی کے جوش میں اسٹری ایسی غلطیاں کر لیتے ہیں لیکن خاندان نہیں چھوڑتے تمہارے دادا کی دو بیویاں ہیں تمہارے چچا کی بھی دو بیویاں ہیں لیکن دونوں نے خاندانی حفظہ وراثت کا خیال رکھا تھا اور تم نے جس لڑکی کا انتخاب کیا ہے اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔۔۔“

”لیکن میں جانتا ہوں وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔“ ”ہوگی۔۔۔“ اماں بی کے انداز میں تا کواری تھی۔ ”لیکن ہماری شرط نہیں مانتا ہوگی۔“ ”کیسی شرط؟“

”تمہیں ماہرہ رابے سے پہلے فائدہ سے شادی کرنا ہوگی فائدہ ہی ہماری پہلی اور خاندانی بہن ہوگی اور تم اپنے دل کی خواہش پر اس لڑکی سے شادی کر کے اسے کہیں بھی رکھ سکتے ہو لیکن انی الحال تمہیں فائدہ سے شادی کرنا ہوگی۔“

”میں ایسا نہیں کر سکتا۔۔۔“ مکمل طور پر انکاری تھا۔ ”میں جی ہوئی زندگی نہیں گزار سکتا۔ میری زندگی میں صرف اور صرف ماہرہ رابہ کی ہونی اور بس۔“

”تو پھر ٹھیک ہے ہم تمہارے بابا صاحب کو کہہ دیتے ہیں اگر تم نے اس لڑکی کو اپنا پھر چارہ تم سے کوئی حلق نہیں ہوگا۔“ عثمان نے اب راتوں رات فائدہ کے بارے میں وہ عجیب سی کشمکش میں تھا۔ وہ ماہرہ رابے سے ملنے آیا تو ماہرہ رابے نے ساری صورت حال سن کر ایک گہرا سانس لیا تھا۔

وہ زمین و آسمان سے لافتن عثمان فاروق کے ساتھ زندگی گزار تو لیتی لیکن یہ زندگی بہت ساری محرومیوں پر مشتمل ہوتی اور وہ ایسی زندگی نہیں چاہتی تھی اس نے بہت سوچا اور پھر عثمان سے کہہ دیا تھا۔

”تم فائدہ سے پہلی شادی کر لو عثمان۔۔۔“ ”کیا کہہ رہی ہو ماہرہ رابے۔۔۔“

”میں جانتی ہوں فائدہ تم سے بہت محبت کرتی ہے بی بی ابھی تمہارا خاندان مجھے کبھی بھی قبول نہیں کرے گا۔۔۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے میں تمہاری محبت اور تمہارا نام چاہیے۔ تم شادی کر دو پلیز۔“ عثمان حیران ہوا تھا۔

اس کی نظروں میں ماہرہ رابہ کی عظمت اور بڑھتی تھی جو اپنی محبت فائدہ سے بانٹنے کو تیار تھی۔ وہ اسے سمجھ رہی تھی اور پھر اس نے اسے قائل کر لیا تھا۔ عثمان نے اماں بی کو کثرت جواب دے دیا تھا۔ اماں بی مطمئن نہیں۔ انہوں نے فائدہ سے بات کی تھی اس نے انکار کر دیا تھا۔

”مجھ اب عثمان سے شادی نہیں کرنی۔“ ”وہاں ماہرہ رابہ کو چھوڑ دے گا۔۔۔ میری اس سے بات ہوئی ہے وہ خود راضی ہے۔“ انہوں نے اسے قائل کرنا چاہا تھا وہ حیران ہوئی تھی۔

”ایسے کیسے چھوڑ دے گا ماہرہ رابہ کو۔۔۔“

”بس میں نے بہت سمجھایا تھا اس نے میری بات مان لی۔“ وہ حیران گئی اماں بی نے اسے سنایا تھا۔ دونوں کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ اماں بی نے دل کے سارے ارمان پورے کیے تھے۔

شادی کی رات فائدہ عثمان فاروق کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہی تھی عثمان یا تو اس قدر کسین دہن دیکھ کر ٹھٹھک گیا تھا۔

”میں نے اماں بی کو صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ کوئی راز دہی نہیں کرنا چاہتا لیکن ان کی غلطی کی وجہ سے شادی ہو وہ خوش ہیں لیکن میں خوش نہیں ہوں۔ تم سے شادی میری بیوی بنی کہ وہ اسی صورت ماہرہ رابے سے میری شادی کروانے پر آمادہ ہوئی تھیں۔“

الفاظ تھے کہ گھٹھا ہوا سیسہ۔ فائدہ تو ٹھٹھکی رہ گئی تھی۔ یہ کیوں تعریف نہ کوئی تو صیغہ اور بس چند الفاظ۔۔۔ اس کے احساسات خمد ہونے لگے تو وہ ہنسنے لگا وہ روم میں بند ہوئی تھی۔ وہ خوب روٹی کھاتی اور اگلی صبح اماں بی سے خوب لڑی تھی۔

”یہ میری ذات کی تو جین تھی آپ نے میرے ساتھ غلط بیانی کی مجھے عثمان فاروق سے شادی نہیں کرنی تھی۔ بہت غلط کیا آپ نے میرے ساتھ ساتھ اپنے بیٹے کے ساتھ بھی۔“ وہ روٹی روٹی لگی۔ اماں بی نے محبت سے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔ وہ ابھی خرم خود بخوش سو تکلیف دہ چندی۔

”میں نے بہت سوچا مجھ کو فیصلہ کیا ہے۔۔۔ اسی صورت میں اسے اس لڑکی سے شادی کے لیے روک سکتی تھی۔ عثمان کی زندگی بھر صرف اور صرف تمہارا حق ہے اور اب حق میں کسی کو روک بھلا کیسے دے دیتی۔“ وہ روٹی روٹی لگی۔ وہ اس صوفیہ کی طرف سے کہیں نہیں تھکی۔

بلکہ وہ تو ماہرہ رابہ کے لیے عثمان فاروق کے جذبات جاننے کے بعد اس کی زندگی میں کبھی شامل ہونے کے حق میں نہ تھی لیکن اماں بی کی وجہ سے وہ جو کہ کھا گئی تھی۔

عثمان کے ساتھ زندگی کی شروعات بہت تکلیف دہ تھی۔ عثمان فاروق کے دل و دماغ میں صرف اور صرف ماہرہ



آرا تھی فافقہ تو بس گھر والوں کی خواہش تھی اور فافقہ وہ ان چاہی زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ اس نے عثمان فاروق سے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

”وہ ماہ آرا سے جب چاہے شادی کر سکتا ہے اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

اماں بی بی کی خواہش تھی کہ وہ فافقہ کو لے کر نکلتی چلا جائے اس طرح دونوں کے درمیان تعلقات بحال ہو جائیں گے لیکن فافقہ کے دل سے ہر احساس مٹ گیا تھا۔ وہ عثمان فاروق کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے اسلام آباد آئی ہوئی تھی وہ سارا سارا دن ہونے کے کمرے میں تنہا رہتی اور عثمان باہر چلا جاتا تھا اور پھر ایک شام وہ واپس آتا تو کافی تھکا ہوا تھا۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟“ فافقہ نے پوچھا تو اس نے اسے دیکھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔“ وہ تھک چکی بند کر کے لیٹ گیا تھا۔

”ماہ آرا کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے آج۔۔۔۔۔“ کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تھا۔

”اوہ۔۔۔۔۔“ وہ ذاتی افسردہ ہوئی تھی۔

”کہاں ہے ماہ آرا؟“

”ہاسٹل میں رہ رہی ہے۔“

”اپنی ماں کی وفات پر نہیں گئی کیا وہ؟“

”نہیں۔۔۔۔۔“

”مجھے اس کے پاس لے چلیں گے کیا؟“

”کل تیار رہنا۔۔۔۔۔“ وہ کہہ کر کمرے بدل گیا تھا اور فافقہ کیم مچھلی رہی تھی۔

اگلی صبح وہ عثمان کے ساتھ اس ویکن ہاسٹل میں آئی تھی۔

ماہ آرا شہت سے بھر رہی تھی۔

”نہیں بالکل تنہا رہ گئی ہوں۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ فافقہ نے

ایک گہرا سانس لیا تھا۔ امتحانات کے بعد اب ملاقات ہو رہی تھی۔

فافقہ نے ہمیشہ اسے اپنی حقیقی اور مخلص دوست سمجھا تھا

لیکن یہ لڑکی۔۔۔۔۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ کچھ وقت

گزار کر وہ واپس ہوئی میں آگئی تھی۔ رات کو اس نے عثمان

آپ دیکھ کے کسی بھی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں

# نوائے افق

ہر ہفتہ ہر ماہ آپ کی دلیرانہ فراہم

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ (شہنشاہی رسالہ فافقہ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکی کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

میدل ایسٹ ایشیائی افریقہ اور یورپ کے لیے

5000 روپے

فرنیچر ساڈا، آرٹ میٹری آؤڈیو ویڈیو، بکس کے

فری بیس بیجی جا سکتی ہیں۔

مقامی الماروا

ایڈیٹر ایس ایم اے ایف نمبر

0316-0128216

میری کیش اکاؤنٹ نمبر

0300-8264242

ادارہ ناشر اور قلمی

0300-8264242

نئے فن گروپ آف پبلشر

کسٹمر سروس ڈیسک نمبر 0300-8264242

فون نمبر 922-3562077/1/2

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Info@aanchal.com.pk

فاروق سے کہا تھا۔

”ماہ آرا اب بالکل تنہا ہے مجھے کونفر نہیں لیکن اندازہ ضرور

ہے کہ آپ اس کے پاس سے بے خبر نہیں ہوں گے۔“ عثمان

فاروق نے سوالیہ نظروں سے فافقہ کو دیکھا تھا۔

”میرے مطلب سے ماہ آرا کی خاموشی حیرت دہشہ

ہے۔۔۔۔۔ لیکن لوگوں سے کتنی جلدی ہو رہی ہے۔“

”کیا جانتی ہو تم اس بارے میں؟“

”بہت کچھ سبب ہیں جو اس کے بارے میں مشہور تھا۔“

”وہ نہیں وہ عثمان کو بتا کر۔“

”لوگ کسی بھی چیز پر سنبھل گئے۔ وہ ماہ آرا کی کھلی ہوئی

”لیکن سیاست کہتے ہیں کہ۔۔۔۔۔ زبان ظلم کو تقار خدا

سمجھو۔“

”کیا کہنا جانتی ہو تم؟“ وہ ہنس دی۔

”ماہ آرا سے شادی کر لیں اماں بی اور باقی لوگوں کو ممانہ

میرا کام ہے۔ فی الحال ماہ آرا کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ

اس سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں تو وقت

گزرے گا تو سب کچھ تامل ہونے پر واپس آ جائے گا جب

تک اماں بی اور بابا صاحب بھی مان چکے ہوں گے۔“ وہ مخلص

دوست کی طرح مشغول دے رہی تھی۔ عثمان فاروق نے اسے

دیکھا۔

”اور تم کیا کر رہی؟“ فافقہ ہنس دی۔

”میری خود آتی تھی۔“

”اس لیے میں۔“

”میری چھوڑیں صاحب اپنے دل کی مانیں۔۔۔۔۔ میں

خوشی میں رہ رہی ہوں۔“ عثمان نے اسے بغور دیکھا تھا۔ کسی

بھی چیز کی کمی نہیں اس میں۔

”ماہ آرا کوئی میں شام نہ ہوتی تو وہ اس کو اپنا کام بہت

متمن بن رہا۔ وہ اس کی طرف آیا تھا۔ اس کا ہاتھ تھا تو فافقہ

نے لپک کر دیکھا تھا۔ ان دونوں کے درمیان بھی ایسا کوئی لمحہ

نہ تھا کہ عثمان نے شہسبی سے بھی فافقہ کا ہاتھ پکڑا ہوا۔

”مجھے اندازہ ہو رہا ہے تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔“

فافقہ نے کچھ سمجھ لیا تھا۔

”اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ماہ آرا کو آپ کے

ساتھ کی ضرورت ہے میں آپ کے دستے کی کبھی رکاوٹ

نہیں بنوں گی۔“ وہ کہہ کر بالکل کونی کا دروازہ کھول کر کمرے سے

نکل گئی تھی۔

دوسری رات فافقہ کی بالکونی میں گزری تھی۔ اگلے دن

عثمان چلا گیا تھا۔ وہ سارا دن لیٹا تھا۔ رات گئے تو ماہ

آرا سنبھل گئی۔

”میں نے اور ماہ آرا نے کورٹ میرج کر لی ہے آج۔“

اس نے کہا تو فافقہ کے چہرے کا رنگ زرد ہوا تھا ہونٹ

کھپکھپاتے تھے اور ہر سنبھل گئی تھی۔ وہ ماہ آرا کی کھلی ہوئی

تھی۔

”عثمان فاروق کا ساتھ مبارک ہو نہیں۔“ اس نے کہا

تھا۔

”وہ آرا کی بھلا فافقہ کے سامنے اٹھ نہ سکی تھی اور فافقہ

جانتی تھی کہ ماہ آرا اب بھی اس کے سامنے لگا ہوا تھا کہ بات

نہیں کر سکتی گی۔

”آپ میری سیٹ کنفرم کروا دیں مجھے واپس جانا ہے۔“

اس نے عثمان فاروق کو کہا تھا۔ عثمان نے سر ہل دیا تھا۔

کچھ ہی بعد وہ ماہ آرا کو لے کر واپس چلا گیا تھا اور فافقہ کی

ساری رات جاگنے لگی تھی۔ اگلے دن وہ واپس چلی گئی

تھی۔ اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ تامل رہی تھی ہر

ایک لمحہ تامل بہت کی تھی۔ وہ ایک پہاڑ جیسا پوچھ پچھنے پر

لاٹے نہیں رہی تھی۔ سارا دن بھی بہت سارے دن گزر گئے

تو عثمان فاروق حویلی آیا تھا۔

”میں امریکہ جا رہا ہوں۔“ اس نے اس بی اور بابا

صاحب کو بتایا تھا تو فافقہ نے بھی سنبھل کر دیکھا تھا۔

”کیوں؟“

”کچھ ماہ کے لیے جا رہا ہوں جلد واپس آ جاؤں گا۔“

”فافقہ بھی ساتھ جا رہی ہے؟“ انہوں نے پوچھا تو

عثمان نے ہنسی میں سر ہل دیا تھا۔ اماں بی نے دونوں کو دیکھا۔

دونوں کے درمیان حائل فافقہ کی توں تھی۔

”تو اسے بھی ساتھ لے جاؤ۔“ گھوم پھر گئی۔

”نہیں اماں بی۔۔۔۔۔ میں لڑ رہی ٹھیک ہوں۔“



# بٹوالہ

نادیہ احمد

اس نے بھیجے ہیں چاہت میں اپنے ہوئے	پھول	خوشبو	خدا	چوہاں	عید
کاش وہ آجائے جس کے ہیں منتظر	میرا	دل	مات	در	کھڑکیاں عید پر



میں بند رہتی تھی۔

وہ دونوں میاں بیوی کی زندگی میں دخل اندازی نہیں کرتی تھی۔ ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ اسے پتا چلا کہ ماؤ آرا ایک سپیکلٹ ہے اس نے ماؤ را کو مہاوک ماہوکی تھی۔ ماؤ را جو پہلے ہی عثمان فاروق کی آنکھوں کا ہار تھی اب ہاتھ کا پھالا گئی بن گئی تھی۔

فاکتہ نے فارغ رہنے کی بجائے وہاں کے انسٹیٹیوٹ میں داخلہ لے لیا تھا۔ وہ فٹنس ڈیراننگ کے کچھ کورسز کرنے لگی تھی اس کا وقت بہتے مسروف نرنے لگا تھا۔ اسے وہ آرا کا عثمان فاروق کے ہونے نہ ہونے سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں اب کمن براتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بڑی تیزی سے وقت گزرا تھا۔ ماؤ را کی طبیعت کافی خراب رہنے لگی تھی۔

عثمان فاروق نے فاکتہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ ماؤ را کا اس کی غیر موجودگی میں خیال رکھ لیا کرے ماؤ را ابھی مجبور تھی ایسے میں فاکتہ گھر کے اکثر معاملات دیکھ لیا کرتی تھی پور پھر ایک رات ماؤ را نے ایک پیاری سی بچی کو جنم دیا تھا بچی اتنی کیوت اور پیاری تھی کہ فاکتہ کو اسے دیکھ کر بے اختیار پیار آ گیا تھا۔

ماؤ را نے اپنی کانام ماوریح رکھا تھا۔ بچی کی ذمہ داری کافی حد تک فاکتہ نے اٹھائی تھی۔ بچی اس سے کافی مانوس ہو گئی تھی۔ ماؤ را کو کئی وقت کے ساتھ اٹھارہ ہو چکا تھا کہ فاکتہ ایک بے خبری لڑکی بنو اس کے اور عثمان فاروق کے درمیان بھی ابھی آنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ بس یہی سوچ کر وہ فاکتہ کے ساتھ داخل ہوئی تھی۔

”لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم عثمان کے ساتھ ہی جاؤ۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ ہی ہر جگہ رہا کرو۔۔۔۔۔ عثمان فاکتہ کے بھی پیور تیار کروا دیتا ہمارے ساتھ جائے گی۔“

”اتنی جلدی پیچیز ریڈی نہیں ہوں گے میں تو نیکسٹ ویک جا رہا ہوں۔“ اماں لی نے پیچیدگی سے منہ کوریکھا تھا۔ رات کو انہوں نے فاکتہ سے بات کی تھی۔

”عثمان امریکہ کیوں جا رہا ہے؟“

”یہ بات آپ عثمان سے ہی پوچھ لیں۔“

”نہیں دیکھ رہی ہوں کہ تم دونوں کا رشتہ بس ہوا ہے۔“

فاکتہ خاموش رہی تھی۔ نہ تصدیق نہ تردید کی تھی۔

”میں عثمان سے بات کرتی ہوں اس طرح زندگی نہیں گزرنے والی۔۔۔۔۔ شادی کی ہے تو اب بھجائے بھی۔“ وہ جب بھی خاموش رہی تھی۔ عثمان کچھ دن بعد امریکہ چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے اس سے منشا یا تھا۔

”ماؤ را ابھی ساتھ جا رہی ہے۔“ اس نے سرسری سا پوچھا تھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ وہ مسکرا دی۔

”گڈ لک۔“ وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی اور عثمان فاروق نے چند لمبے اسے جاستے ہوئے بغور دیکھا تھا اور پھر وہ اگلے دن چلا گیا تھا۔ اماں لی فاکتہ کو کچھ نہیں تولد دیکھ لگتا۔ فاکتہ نے کسی سے بھی عثمان کی ماؤ را سے شادی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس نے عثمان کو بھی منع کر دیا تھا۔

انہوں نے اشفاق سے کہہ کر فاکتہ کے کاندات تیار کروانے شروع کر دیے تھے۔ فاکتہ امریکہ جانے کو ضمانت نہ تھی لیکن اماں لی یا صاحب اور ماؤ را نے سب باندھے تھے اور پھر تین ماہ بعد وہی امریکہ آئی تھی۔ اماں لی نے عثمان کو دل کرا دی تھی وہ روتے روتے آئے تھا۔ وہاں میں کھن رکی بات چیت ہوتی تھی۔ وہ گھر آئی تو ماؤ را کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ چند روکس ہی وہ کیا است کیا ہو گئی تھی۔

وہ جو پہلے ہی خوب صورت تھی اب خوب صورتی کا شکار بن چکی تھی۔ اس نے نوٹ کیا تھا کہ ماؤ را کو فاکتہ کی آمد ابھی نہ گئی تھی۔ لیکن وہ خاموش رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے



حس علی الفلاح  
حس علی الفلاح

نفسا میں اذان کی گونجتی پُر کیف آواز قناری کی طرف بلاتی جاگتے والوں کے دلوں پر دستک دے رہی تھی۔ قریبی مسجد سے مؤذن صدائیں اُٹھتے تھے۔ لوگوں کی طرف سے مبارک مہینہ ہے تمہاری ہر سُنکی اور اجر کو ستر گناہ کر کے لوٹایا جائے گا پیچھے ست رہ جانا کہ زندگی بے ثبات و فانی ہے۔ کیا جاگلے سال تمہارے حصے پر متحرک ساعتیں آئیں گی؟ آئیں گی۔ بھولی بھلاؤ کہ راتوں اور برکتوں کا پائیزہ ماہ شروع ہوا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سحری کے بعد برتن دھو کر نوکری میں رکھتے اس نے جیسا تک کر لاؤنج میں گئی سحری پہ نگاہ کی۔ نماز کا وقت ختم ہونے والا تھا۔ گھر کے سب ہی لوگ سحری کے بعد نماز سے فارغ ہو کر واپس بستر میں جا چکے تھے۔ اس وقت کے برتن فرخندہ نے اس کے ذمہ لگائے تھے اور وہ سستی کی ماری سحری کے بعد لاؤنج کے صوفے پر چٹکیوں سے منہ پھینکی رہی۔ وہ تو فرخندہ کی چھڑا پے پکن میں بھاگی۔ تابندہ اپنے برتن دھو کر رکھ رہی تھی۔ سر پہ لپٹے دوپٹے سے اندازہ ہو رہا تھا نماز وہ پہلے ہی پڑھ چکی ہے۔ بجلی نے کھیا نے انداز میں ہستے تالی کو دیکھا۔ جوں جوں انہوں نے کھا جانے والی نگاہوں سے گھورا۔ سنک میں برتن زیادہ تو نہیں تھے لیکن اسے تو تھوڑا سا کام بھی وہاں جان لگتا تھا۔ بے بسی سے اپنے لیے ہاتھوں کو دیکھتے اس نے منہ ہی منہ سنک ہال کی بے چوکی پر بڑھاتے برتن دھو کر شروع کے اور اب برتن دھو کر سنک خشک کر کے نماز کا وقت نکل گیا تھا۔ بھانم بھاگ دو چکن سے نکل کر ہاتھ روم میں جا چکی اور وضو کر کے چائے نماز اٹھائے لاؤنج میں ہی آگئی۔ جلدی جلدی نماز پڑھ کے سلام پھیرا تو صوفے پر پہ سکون سے انداز میں ناٹک پہ ناٹک جمائے اسے بڑی محویت سے اپنی طرف دیکھتے دیکھ کر ایک مل کو تو حیران ہی رہ گئی۔ پھر

گھبرا کر اچھڑا اچھڑا دیکھا کہیں ماں یا مائی میں سے کوئی وہاں ناگھڑا اور اور پھر گھور کر دیکھتے اشارے سے پوچھا کہ ”وہ اس وقت یہاں کیا کر رہا ہے؟“ بچی نے اس کے گھورنے پہ مسکراتے کلائی کی طرف اشارہ کیا اور پھر سرگوشی کے انداز میں بتایا۔ ”آج سے اس کا آفس جلدی شروع ہو رہا ہے اور وہ بس حیار ہونے جا رہا ہے۔“ آنکھوں ہی آنکھوں میں اچھا کہتے اس نے غیر ارادی سے انداز میں سر کی چادر درست کی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے لیکن اب وہاں غشی کی طرف تھا کہ دیکھے بڑا بھی اندازہ تھا وہ اسی کو دیکھ رہا ہے۔ بے اختیار دعاؤں میں ہی اس کی دلی مشاغل ہو گیا اور اللہ سے اس کے چہرہ ساتھ کی دعا مانگی تھی۔ یہ اور بات کہ اپنی دعا میں اسے جلدی پوری ہوتی نظر نہیں آتی محض پر دل کو یقین تھا ایک یا ایک دن کوئی معجزہ ان دونوں کی راہ کی مشکلیں آسان کر دے گا۔ بس اسی گمان کے ساتھ وہ ہر بار دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی کہ کیا پتہ کون سا وقت قبولیت کا ہو۔ آج بھی اسی صدق کے ساتھ اس نے دعا مانگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بجلی اور بجلی دونوں تالا پچا کے بچے تھے۔ دونوں نے کاشا تا عظم میں آنکھ کھولی اور ایک ساتھ جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھا۔ اس وقت گھر میں اعظم صاحب کا حکم چلتا تھا تو حکومت جاہرہ بانو کی تھی۔ دونوں بیٹیوں کا نام اور سہیلی باپ کے سامنے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کی تو دونوں بچوں نے تابندہ اور فرخندہ کی ساس کے آگے ٹھکی بندھ جانی تھی پر زبان سے مجال سے جو بھی ایک غلط بھی نکلا ہو۔ پھر ایک ایک کر کے آگے پیچھے عظم صاحب اور جاہرہ بانو کا انتقال ہو گیا تو گھر پر دونوں بیٹیوں کی اجارہ داری قائم ہوئی۔ بیٹے تو ماں باپ کی بدولت ہمیشہ سے ایک دوسرے کے شکے تھے لیکن تابندہ اور فرخندہ کے مزاج مختلف تھے۔ فرخندہ کی خواہش تھی گھر میں دیورانی اپنی چھوٹی بہن کو پائندہ کو بنا کر لائیں لیکن جاہرہ بانو دو بیٹیوں کو دونوں بیٹیوں سے بیاہنے کے حق میں تھیں اس لیے اپنی مرضی سے فرخندہ کو

بیاہ لائیں۔ ایک تو اول روز سے دیورانی سے دل نامل رکھا کہ دل میں ارمان تھا اس کی جگہ اپنی سہیلی کو دیکھنے کا تو باقی کی کسر پوری کر دی دیورانی صاحبہ کی تنگ مزاجی نے۔ ساس کے سامنے تو بہت ناگھی پر جیٹھانی کی بات سننا تو جیسے اسے خراب لگتا تھا۔ اسی لیے گھر کے بڑوں کے آنکھیں موندتے دونوں نے ہی ایک گھر کا تھک کر ڈال دیا۔ کلیم اور سلیم کو ایک رہنا منظور تھا تو دوسری طرف بجلی اور بجلی بھی اس حق میں نہیں تھے۔ بیچن سے جوانی کا سفر کرتے دونوں کے جذبات دوڑتی تھے آگے نکل کر محبت کی پرحش داخل ہو رہے تھے۔ ان حالات میں تو خواہش تھی دلوں کی طرح وہ بھی ایک ہو جائیں لیکن یہاں تو دونوں کی ماؤں نے ہر دن گھر کو پالی پت کا میدان بنایا ہوتا تھا۔ مسئلہ سوئی کی ٹوک برابر ہوتا دونوں کی تان الگ گھر کی ڈیراٹھ پہ جا کر نوٹی۔ بھی جھاڑو بھی برتن بھی کھانا پکانے پر روز ہی کوئی نا کوئی جھڑا گھر میں منہ کھولے کھڑا ہوتا اور سب کا سکون غارت کرتا۔ ان حالات میں بہت سوچ بچار کے بعد دونوں بھائیوں نے یہی حل نکالا کہ گھر کا بڑا ہوا جائے۔ کم سے کم اس طرح انہیں گھر چھ کر الگ نہیں ہونا پڑے گا اور کیا پتا ایک ہی گھر رہے کسی دن تابندہ اور فرخندہ بھی ایک ہو جائیں لیکن پچھلے چھ سال سے وہ خوش نصیب دن نہیں آیا تھا لیکن امید کا دھاوا جو آج بھی روشن تھا اور اس لیے کی کو بچی اور بچی کی محبت نے تابندہ اور فرخندہ کے اندھی طوفان سے بچا رکھا تھا۔

یعنی باورچی خانہ تک جاتی تھی۔ اب حالات کچھ اس طرح تھے کہ آدھا صحن لاؤنج اور باورچی خانہ دونوں کے پاس تھا۔ یہاں تک کہ لاؤنج میں رہی کھانے کی میز جو اتفاق سے سالوں سے درمیان میں ہی رہی تھی یہ بھی لکیر لگا کر آدھا آدھا کر لیا گیا تھا۔ بی بی ابستہ مشترک تھا لیکن صوفے دونوں طرف الگ تھے۔ سارا دن گھر کے کام کاج کرتے کھانا پکاتے بی بی دیکھتے یہاں تک کے کھاتے بیٹے بھی ایک دوسرے کو دیکھا جاتا لیکن گفتگو کرنے پہ پابندی تھی اور ظاہری بات ہے یہ پابندی تابندہ اور فرخندہ کی لگائی گھر کے اندر تک ہی محدود تھی۔ گھر سے باہر کلیم اور سلیم ہوں یا بی بی اور بی بی مل ملاقات کرتے خوش ہاں رہتے تھے ابستہ گھر میں داخل ہوتے ہی اجنبی بن جاتے۔ بجلی نے اسی سال تھوڑے ڈوڑن میں ایم اے سوشیالوجی کرنے کے بعد ملازمت شروع کی تھی جبکہ ایف اے میں دو بار انگریزی میں پہلی آنے کے بعد تنگ آ کر بی بی نے آنے کی کام کا انتخاب کیا اب وہ بی بی کے آخری سال میں تھی اور امید واثق تھی کہ ان شاء اللہ دو تین سال میں شاندار طریقے سے بی بی اے کی ڈگری لے کر خاندان کی جیب کی بی بی اے پاس لڑکی کا اعزاز حاصل کر لگی۔











# کوئی کوئی میرا خلیفہ

صابرہ فیرہی

تارے	اترے	جب	پھیلا یا	دامن	کو
عمید	کے	چاند	میں	نے	کو
چاند	رات	سندی	بجھ	سے	کو
م	بھی	اک	پہلو	ساجن	کو



اوان میں کلیم کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔

”بھابھی عید مبارک۔ بہت اچھا کیا آپ بھی کر سہ سے باہر آئیں، بیس بولیں گئیں تو دھیان بنے گا۔“ سلیم نے خوش مزاجی سے کہا۔

”خیر مبارک۔ اندر رہتے ہوئے بیٹھے میرا تو برا حال ہو گیا ہے۔“ طبیعت کی خرابی سے ان لوگوں کا چہرہ دورد ہو گیا تھا۔ دودھ سے لہجے میں بولیں۔

”آپ کو کبھی باہر لے جاتا ہوں گھمانے۔ جائیدرات کی خوب دولت ہے۔“ کوئی بھی دوستوں سے مل کر گھر میں داخل ہوا تھا۔ ان کو کچھ محبت سے بولا۔

”باہر جا کر کیا کروں گی۔ سب کے ساتھ مل بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔“ وہ مسکرا کر بولیں۔

”فرخندہ کہاں ہے سلیم؟“ کچھ سوچ کر تابندہ نے پوچھا۔ سلیم نے آواز دی فرخندہ ہاتھ پونچھتی چکن سے باہر آئیں۔ سامنے تابندہ کو دیکھ کر کچھ حیران ہوئیں پھر مسکراتے ہوئے عید کی مبارکباد دی اور طبیعت پوچھی۔

”آپ سب کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں میں خاص طور پر بلی کا۔ اس بچی نے اتنے دن بہت خدمت کی ہے میری۔ گھر سنبھالا میرا خیال رکھا۔“ وہ کہتے ہوئے رکی۔

فرخندہ نے کچھ کہنا چاہا پر تابندہ نے روک دیا جیسے ابھی بات ختم نہیں ہوئی۔

”آج خوشی کا موقع ہے سوچتی ہوں آج ہی بات کروں۔ یہ سبھی بھی زندگی کا کیا بھروسہ۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ ای۔ آپ کو میری بھی عمر لگ جائے۔“ ہنسی نے ان کا ہاتھ تھامے ٹوکا۔

”یہ بات تو دینی چاہی نہیں کہ یہ دنوں ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہیں۔ یہ تو میرا اور فرخندہ کی صدیقی جواب ہے دل کی دل میں دبائے رکھی لیکن اب میں جانتی ہوں ہم اپنے بچوں پہ ظلم کرنا بند کریں۔“ غوارے کی لکیر تو مٹ چکی ہے تو کیوں ناں دلوں سے کدورت بھی ختم کر کے ایک نئے رشتے کی شروعات کریں۔“ تابندہ نے حسرت سے فرخندہ کی طرف دیکھا۔ سب ہی خاموش اب فرخندہ

کے جواب کے منتظر تھے۔

”میں تو خود بڑی شرمندہ ہوں بھابھی سالوں سے سب کو تکلیف میں رکھا۔ بڑی شرمندگی ہوتی ہے جب چھوٹے ہمیں محبت اور اعزاز کا سبق دیں۔“ کچھ کوئی اصرار نہیں۔ دونوں آپ کے کہنے پہ ہیں۔ تو بس آپ کی خوشی میں خوش ہوں۔“ فرخندہ کی زبان سے ایسی جھمی اور عاجزانہ باتیں سن کر سب ہی حیران پریشان تھے تو بلی کا دل خوشی سے دھک دھک کر رہا تھا۔ ہاتھ میں کپڑی

سندی کی کون ملے اس نے اپنے غلطیاب کو کم کرنا چاہا۔ کیا معلوم تھا یہ سندی جو عید کے لیے ہاتھوں پالنے جارہی ہے اس بار مبارک کی ہونے والی ہے کیونکہ اسی وقت سب بڑوں نے مل کر عید والے دن نکاح اور رخصتی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سب نے عید پہ ملنے تو آنا ہی تھا۔ اسی کے

ساتھ نکاح کا فریضہ سرانجام پا جاتا۔ دنیا داری میں لگ کر ایک اچھے کام کو ملتوی کرنا یا اس پر اسراف کرنا اب کوئی اچھی بات تو نہیں تھی۔ پھر انہی باتوں سے کسی غریب کے گھر کا چولہا جلایا جاسکتا تھا۔ یہی سوچ کر تابندہ اور فرخندہ نے سادگی سے ہنسی اور بلی کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

دل کی مراد اس بار اتنے حسین انداز میں پوری ہونے جارہی تھی۔ شاید یہ صدیق دل سے مانتی ان دعاؤں کا اثر تھا۔ گھر ہی نہیں دلوں میں کچھ لکیریں بھی مٹ گئی تھیں۔

ہنسی اور ہنسی کی زندگی کا حسین سر شروع ہوئے حال تھا اور عید کا چاند مسکراتا شرابا ہڑکی سے جھانک رہا تھا۔

☆

☆

☆

☆

☆

☆



مناہٹ کر رہے تھے۔ پرندے اُڑھ بہاراں کے لیے چلے  
رہے تھے۔ سر جھکا کر دل جو سردی کے بادل چھٹنے کے  
منتظر تھے کہہ میں کھٹکتے بھٹکتے آتا دکھتے تھے۔ اب ایسی بہار  
پر مزید دلِ نرنگی سے حسرت بھری نظروں سے موسم کی ستم  
ظرفی کو نکلے جا رہے تھے۔ باہر کا موسم دل کے موسم کا تابع  
ہوتا ہے۔ جب دل بے چینیوں کا گھر ہو تو فضا میں پھولوں کی  
مہک لڑا کہ خوشی کے باوجود نہ ہو تو خوش آئند ثابت ہو کر پائیں

کے پاس اتنی حالت ہے کہ وہ ایک بارش کے آجھ میں سنبھلا  
چاہتا ہوں۔ مجھے تم اور تمہارا ساتھ تمہاری طاقت چاہیے میرے  
پاس نہیں رہنے کے لیے حق میرا فقط ایک وعدے کے سوا  
مجھے نہیں کہ جس نے تمہیں تحفظ دوں گا..... میری محبت تمہارے  
نام..... میری زندگی تمہارا ساتھ.....“ وو چیپ ہوا تو وہ  
مسکرانے لگی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اوس نے اپنا آپ سنہ

www.dawateislami.net

محبت ہے کہاں فقط ایک بھرم ایک مان ایک جھروسہ  
عزت کے دو بول تحفظ کا یقین ہاں ایسا ہی ہے..... ان سب  
کو یا ہم لا کر جو مرکب تیار ہوتا ہے اس کو محبت کہتے ہیں۔ مگر

اس نے ہال کو کھٹک ماری تو پہلے کراؤنڈ کو جھٹکا تو ہال اس عورت کی حدود میں داخل ہو گیا..... اس کی نظروں نے ہال کا تعاقب کیا..... پور پھر بھاگتے ہوئے ہال لینے کے غرض سے ایک ہی چست میں ٹینس پردوں پر تھوں سے وزن ڈال کر آگے آگے اگلے ہی لمبے ہال کو موڑ کر جب کھڑے چپوں



موتی ہے نہ ہی دل کی بجز زمین پر جس کا کوئی کوسا سکتی ہے نہ تو جس آتی ہے اور نہ ہی دل کسی خوشگواریت کے لیے آباد ہوتا ہے اور جب دل پہلے ہی یا سیت اور بے بسی کے چٹکچٹوں میں جکڑا ہوا تو باہر کا خزاں زندہ اور سرخسہ موسماں چند گھنٹوں کو بھی سرخ کر دیتا ہے جو کبھی کبھار خوشگوار پھولوں کی گردن کی دیرین دھج زمین پر پھول کھلا کر اس کو انمول کر دیتے ہیں اس ٹھہرے ہوئے موسم میں کھلی ہیریت ناک ہوائی ٹھنک اور پسینے معاذ ہاشم جیسے مضبوط اعصاب کے مالک انسان کو بھی اپنے آہنی ٹکٹے میں جکڑ لیتا تھا۔

شام کا وقت تھا لیکن خراب موسم کے باعث ہر طرف اندھیرا ایسے چھایا تھا جیسے جالے کے ڈھان کا آغاز ہو..... معاذ ہاشم پچھلے چند دنوں سے سارا طبیعت کے باعث اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئے تھے اس وقت کچھ طبیعت کی خرابی اور کچھ موسم کے دل گریہ اثرات تھے جو ان پر حاوی ہو کر اس پل ان کی اضطرابیت کو مزید بے چینی میں ڈھال رہے تھے آنکھوں میں تیزی نئی مانتے پر پڑ سوج سولہیں منتھیں مضطرب چہرے کے ساتھ ڈرک براؤن چادر پہنے ہاتھ میں سوپ کا پیالہ تھا اس سے اٹھتے دھومیں و دھواں ہاتھ کی تھیلی میں جذب کرتے صدے صدے ساف بھری نظروں سے باہر دیکھ رہے تھے۔ جہاں پھیلنا اندھیرے میں ان کی آنکھیں امید کی ان کرفوں کو کھوج رہی تھی جو بجائے کب سے رست بھولی ہوئی تھیں۔ بجائے کیوں وہ کرشن ان کی آنکھوں کی چلیوں کو رہش کرنے سے قاصر تھیں بے سکونی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی اور معاذ ہاشم مسلسل بے چینی کا شکار تھے انہیں محسوس ہونے لگا تھا ان کے پاس کوئی جانے پناہ نہیں ہے..... ماں بادل دکھایا تھا باپ کے دل کو کبھی نہیں پہنچا سکی اور خود یہاں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے زندگی گزار رہے تھے۔

”معاذ ہاشم تم غلط کر رہے ہو بیٹا.....“ بے بسی پر انہوں نے قدم ہلک کر دیکھا تھا۔

”معاذ بیٹا یہ باپ ہیں تمہارے.....“ انتہائی دکھ بھری آواز کو نظر انداز کر کے معاذ نے وہ کمرہ چھوڑ دیا تھا۔

”سر کیا ہوا.....“ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ اس سے پہلے کہ یہ یا سیت کسی نقصان کا موجب بنتی غلام احمد کمرے میں داخل ہوا اور اس کی منتظرانہ وار کے ساتھ ہی کمرہ تیز روشنی میں نہا گیا تو معاذ ہاشم اپنے اس پاس پھٹی ہوئی گھڑی نظر نظروں سے گھٹنے لگے۔

”ہاں میں ٹھیک ہوں.....“ وہ بھری سانس بھر کر بولے۔

”سرا ایک بات نوٹ میں آئی ہے بہت ڈوں سے موقع نہیں مل رہا تھا کہ آپ کے گوش گزار کرتا.....“ غلام احمد ہونا انداز میں ان سے مخاطب ہوا تو معاذ ہاشم نے متوجہ نظروں سے اٹک دیکھا۔

”غلام احمد حیرت ہوئی یہ جان کر کہ ہمیں موقع کی تلاش تھی.....“ معاذ کے لہجے میں ایک خفیف سا گھٹا تھا..... جس پر غلام احمد مسکرا کر سر کھانے لگا۔

”سرا آپ موسم کے زیر اثر تھے تو مناسب نہ سمجھا..... اور اب تو جانتا ہوں کہ جب آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے تو پھر اس حصار سے نکلنے کے لیے آپ کو بہت وقت درکار ہوتا ہے.....“ غلام احمد نے حقیقت بیان کی جس پر معاذ ہاشم کھیلنے کی ہنسی ہنس دیے۔

”اچھا کیا بات ہے؟“ انہوں نے اس سے پوچھا۔

”کافی ڈوں سے سوٹ کر رہا ہوں کہ ایک لڑکا ہے جو بہت چکر کاٹ رہا ہے بہت پرانی سے مکان کی جانچ پڑتال کر رہا ہے.....“

پہلے تو خاص نوٹس نہیں لیا کیوں کہ آپ تو جانتے ہیں بہت سے لوگ گہری نظروں سے مکان کو دیکھتے رہتے ہیں لیکن اس کا انداز کچھ الگ ہے.....“ غلام احمد نے تشویش ناک انداز میں کہا۔

”گوش گزار پرانی ڈھیر ہے تو خود ہی سنہیل لیا.....“ حرم تو جانتے ہو غلام احمد کو گھر میں نے چھپا نہیں ہے.....“ معاذ ہاشم نے اسے دیکھ کر کہا۔

”سرا بات کچھ سمجھ نہیں آئی اگر پرانی ڈھیر ہوتا تو ایسی زیرک نظری کا مظاہرہ کرتا کیا؟ اور پھر مکان کی حالت بھی ایسی

نہیں کہ کوئی ذیل اتنی آسانی سے ہو جائے بڑا در سک ہے.....“ غلام احمد نے سوج نظروں سے انہیں دیکھا اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

”زیرک نظری سے کیا مطلب؟ اگر پرانی ڈھیر ہے تو بھی ظاہر ہے اچھی طرح جانچ پڑتال کر کے ہی کوئی قدم اٹھائے گا ناں؟“

”آپ کی بات سنی ضرور سست ہے سر لیکن..... میں نے بھی زمانہ دیکھا ہے نظروں کی پہچان مجھے بھی ہے.....“ غلام احمد ان کی بات سے قائل نہ ہوا۔

”غلام احمد تمہاری نظر اور تمہارے دماغ.....“ وہ دھیرے سے بولے۔

”سر.....“ وہ بے چارے۔

”اچھا غلام احمد جو بھی زلزلہ سا سنا ہے مجھے آگاہ کرنا.....“ معاذ ہاشم نے مسکرا کر کہا۔

”سر..... اب وہاں کی حالت بہت خستہ ہوتی جا رہی ہے چند دن تک اگر مرمت نہ ہوئی تو نقصان یقینی ہے.....“ غلام احمد نے انہیں مکان کی حالت سے آگاہ کیا۔

”آپ خود وہاں کیوں نہیں شفٹ ہو جاتے؟ اس طرح کرانے کے مکان میں رہنا جبکہ آپ کے پاس اپنا ذاتی گھر موجود ہے کوئی خاص دانش مند نہ بات نہیں.....“ غلام احمد ان کا ساتھ نہیں تھا لیکن ایک ایسا خیر خواہ تھا جس نے ہر قدم پر ان کا ساتھ دیا تھا۔ ہر طرح کے حالات میں غلام احمد ان کے مقدم رہا..... معاذ ہاشم اسے پورے کام سے بکاڑتے تھے۔

”غلام احمد انہیں سر کرنا تھا.....“ وہ غلام احمد انہیں ڈانٹ بھی لیتا تھا اور ان کے ساتھ ہی مذاق بھی رچا اور ان کا ایک رعب بھی تھا۔

”غلام احمد وہاں جانے کا دل نہیں کرتا تم جانتے ہو ناں.....“ دیکھ جال کرتے ہوئے حرم کے باعث کوئی نقصان ہو تو بتا دیتا.....“

”تھکن آمیز لہجے میں معاذ ہاشم بولے تو حرم نے دوبارہ کچھ بھی کہنا مناسب نہ سمجھا۔ بجائے کہنے برسوں سے وہ ان کو دھکیل کرنے کی کوشش میں تھا..... اب تو برسوں کا حساب بھی چھو چکا تھا۔

ان کے انداز نہ بدلے تھے..... وہی گھبرادی وہی جان

لیو یا سیت اور وہی تھی..... وہ زندگی گزار رہے تھے..... غلام احمد کے سہارے۔

وہ بہت گھبرایا تھا ایسا نہیں تھا کہ ان کی ایسی حالت ہوگی بار ہوا بھی ہاں لیکن ہر بار ان کی حالت کا پہلے سے زیادہ تشویش ناک ہونا اسے بوکھلا دیتا تھا۔

”ان کی ذہنی حالت ایسی نہیں کہ انہیں اکیلا چھوڑا جائے.....“ انہیں بہت زیادہ کنٹرول رہنا پڑے گا.....“ ڈاکٹر کی خاص ہدایت تھیں۔

”موم.....“ آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟“ وہ منتظرانہ لب و لہجہ کے ساتھ ان سے مخاطب ہوا۔

”مجھے میچ نہ کہو..... میں تمہاری ماں نہیں ہوں.....“ انہوں نے اسی کی سے کہا..... وہ ابھی تک حواسوں میں نہ لوٹی تھیں۔

”آپ میری ماں نہیں تو کیا ہوا؟ آپ میرے لیے میری ماں جیسی ہی ہیں.....“ محمد سبحان نے عقیدت مند لہجے میں کہا۔

”آپ ٹھیک ہیں ناں اب؟“ وہ پھر ان سے مخاطب ہوا۔ انہوں نے غائب دماغی سے ثابت میں سر ہلایا۔

”پھر کچھ سوچ رہی تھیں ناں؟ کوئی بار کہا ہے موم سوچ نہ کریں.....“

”محمد سبحان کے لہجے میں اتنا بھی.....“ وہ انہیں احساس دلانا تھا کہ وہ بہت خاص ہیں بہت قیمتی ہیں لیکن صوفیہ بے یقین تھی..... کچھ دیر کے لیے ان کی آنکھوں میں کی اتنی اور پھر خشک لالی برآئی..... وہ منہ میں بارہا تھی اگر کوئی کہے تو شاید سارا غبار نکل جائے وہ واقعی ٹھنڈی رہن تھی..... کوئی کھونچے والا تھا۔

”موم یقین کریں آپ کے بغیر میں اپنی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا.....“ ڈاکٹر جیکسن نے اسے ہدایت دی تھی کہ صوفیہ کو یہ یقین دلانا ہے کہ وہ بہت خاص ہیں انہیں اپنی



اہیت کا احساس ہوگا تو ان کا ڈپریشن بھی دور ہو جائے گا۔  
 چھپے تقریر پڑھ سال سے سچان دن رات ان کے ساتھ رہتا  
 تھا۔ صوفی نے اسے دیکھ..... نظروں میں بے یقینی تھی  
 لیکن وہ صمت نہ ہارا۔

”موم..... بابا کے لیے آپ بہت خاص شخص..... وہ آپ کو بتاتا چاہتے تھے.....“ اس نے ان کو پانی چلایا بخوروا کی دی..... ساتھ ان سے باتیں کرتا رہا۔

”کیا ہوا موم..... نہیں یقین آیا کیا؟“ وہ ان کے بے یقین انداز کو دیکھ کر پوچھنے لگا، انہوں نے غصے میں سر ہلایا۔

تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ نہیں چاہا کہ تہذیب کے ان لوگوں کے اندر کا جو ٹوٹ جائے اور وہ ایک ایسے انسان بن جائے۔

”تمہارے بابا ایک شریف انسان تھے۔ سیکس میں ان کی شرافت کو ان کی بزدلی کا نام دیا جاتا تھا۔“ وہ دھڑکے سے بولیں۔ سحان نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

”وہ محبت نہیں کرتے تھے اس رشتے کو نبھارہے تھے.....  
مجھوٹی کے رشتے تھما بھی لیے جا میں جب بھی ان میں ایک  
تفکری باقی رہ جاتی ہے ان میں محبت نہیں ایک کڑا رواج بھی ملے  
رہتا ہے..... صوفیہ کے لہجہ میں کرب تھا پھرے پر ماییت  
نمایاں تھی۔

”موم کہ لیں سب جی ہلکے ہو جاتا ہے۔“ تقریباً ایک سال بعد صوفی نے بولنا شروع کیا تھا۔ چند باتیں کچھ تفصیل کے ساتھ کہہ پانی تھیں۔

”کبہ لینے سے میرا جی چکا نہیں ہو سکتا۔۔۔ کچھ دھوکہ کھا چکا  
 دروازہ اور ایساں بہت ڈالنی ہوئی ہیں جنہیں ہم چاہ کر بھی کسی پر  
 عیاں نہیں کر سکتے۔ شاید اس لیے کہ ہمیں خود بھی پتہ نہیں ہوتا  
 کہ ہم اس میں کیا بچاؤ ہیں یا شاید اس لیے کہ ہر دلی  
 اداس یا پریشانی کو وہ کچھ بھی نہیں سکتا کیونکہ یہ سمجھانے کی  
 نہیں محسوس کرنے کی ہوئی ہیں۔۔۔۔۔ جب احساسات کو الفاظ  
 کا ہیرا من پہنا نا پڑے تو کھایا ہے یہ سمجھا تا ہے تو پھر بتانے کا  
 مقصد نہیں رہتا۔۔۔“ صوفیہ نے کچھ نہ بتا کر بھی بہت کچھ  
 عیاں کر دیا تھا۔

”موم جواپ کے لئے ہوتے ہیں اودھ آپ کو خوش رکھنا چاہتے ہیں آپ کو دکھ دینا اپنی ادا کی کو ان کے سامنے بیان نہیں کرنا پڑتا..... وہ جان جاتے ہیں آپ کی پریشانی دکھاور درد کو بھی محسوس کر لیتے ہیں۔ آپ کو صرف یقین کرنا ہوتا ہے کہ وہ آپ کی خوشی چاہتے ہیں۔“ سبحان نے ان کے دھڑک رہے ہاتھوں کو اپنی پوٹوں سے چما دیا وہ رونے لگیں۔

دو مہر میں راضی ہوا تو حسب معمول ایک گہری خاموشی لے کر اس کا خیر مقدم کیا اور مزاحیہ زبان اس کو صغیرہ نے نکال دیا۔  
تھی۔ مگر بے بار لوں کے باعث گھر میں بھی اندھیرا پھیل گیا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور ایک ایک کر کے سارے بلب روشن کر دیئے۔ سینکڑوں روکے بلب روشن کرتے ہی اس عورت کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

”کی..... آپ یہاں؟ میں تو سمجھ رہا تھا آپ گھر پر نہیں ہیں۔“ وہ تعزیری سے ان کی جانب بڑھا۔ ان کا ہاتھ جکڑا جس کو انہوں نے ایک لمبے میں جھٹک دیا۔

”میں مجھے بھوک لگی ہے..... ہارو سالہ سچان معصومیت سے بولا۔

”میں نے آج سچھ بھی نہیں پکایا۔ باہر سے آؤ کر لو۔“

گیا۔ چنانچہ اس نے ہوش سنبھالا تو ایسے ہی دیکھا تھا۔ اس کی عمر صرف بارہ سال تھی لیکن سمجھ کے اعتبار سے وہ ایک منجور بچہ تھا اور یوں سمجھ جاتا تھا کہ اسے معلوم ہونے لگا تھا کہ وہ ایک لہجہ سے گھر کا کلین ہے۔ ہوش کی طرح تپان کے کشور دریائے نے اس کی بھوک کی شدت میں کمی کر دی تھی۔ وہ بچہ ہیں بے شمار گیارہ طائرانہ نگاہ کرے ہر ذالی جہاں روشنیوں بھری ہوئی تھیں۔

”ایک عمل گھر..... لیکن اھورا.....“ وہ زیر لب بڑبڑایا..... محض بارہ سال کی عمر میں اسے گھر کا اھورا پن نظر

آگیا تھا۔ ایک مکمل فٹیلی اور بے سٹونی..... ہر آسائش اور محبت کی کمی..... مسکراتوں کا کال اور پیسے کی فراوانی..... تلخیاں، نفرتیں، زنجشیں..... اس کی زندگی میں بہت کچھ تھا۔ ہر لمحہ نفرت، ہر لمحہ جھگڑا، ہر لمحہ نڈا، ہر لمحہ عین محمد سبحان جب جھوٹا تھا تو مٹی اور بابا کی سچ کھائی پر سہم جاتا تھا جوں بڑا ہوتا گیا حالات کبھی کبھلے گلاس نے سچا تھا کبھی ہی، ہر شے اس میں بدل گئی تھی کتنے ہی سالوں بعد وہی اور بابا کے قتل کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا تھا لیکن اس کی تلخیاں مزید بڑھتی تھیں، جاری تھیں اور بابا کی خاموشیاں بھی۔

”جیسا کہ اس کے لیے اب ہر کے ماحول میں مرد و عورت کا ایک جہاں ہے۔ وہ اب عمر کے اس حصے میں تھا جہاں اس کو نیک کا عہد الان کی ضرورت تھی۔ اس نے اپنا مستقبل بنانا تھا لیکن یہاں تکہ کی عمر میں اس نے سوائے نفرت کے اور کچھ نہ دیکھا تھا۔ اس نے بابا سے سوالی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ گو کہ محمد سبحان کی عمر والدین سے سوال کرنے کی نہ تھی لیکن وہ حاضرہ تھا۔

”جی بیٹا آج تو“ حسب معمول تھیل صاحبہ ہمہ تن پائی  
میں بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ سامنے کافی کا گلاس رکھا  
تھا۔ جس کی حرکت سے صاف ظاہر تھا کہ کافی اب ٹھنڈی ہو  
چوکی ہے۔ اس نے اُس کے بڑھ کر لائٹ آن کرتے کرتے کہنے کو  
مکمل دوشن کر دیا تھا۔

”بابا آپ سے ایک بات کرنی تھی۔ وہ جسمی آواز میں  
شجاعت کو گونجے کر بولا۔

”باب کو بیٹا کیا مسئلہ ہے بچے چاہیں کیا؟“ انہیں یک دم خیال آیا کہ اس بچے انہوں نے سبحان کو کون سی مٹی نہیں دی۔

”تو بیٹا کیا مسئلہ ہے؟“ اس کے لیے وہ خاص تھا  
فکر مند کی سہستفہ در کیا۔

”بابا..... آپ اور مچی کے درمیان محبت کیوں نہیں ہے؟“  
اس کے سوال پر وہ ٹھنک رہے تھے۔

”بولیں ماں بابا!..... ہمارے گھر میں صرف نفرت کیوں ہے، ہم لوگ ہنسنے کیوں نہیں ہیں بابا؟“ وہ خاموش رہے تو سبحان نے پھر سوال کیا۔

”بیٹا کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی قسمت میں سب کچھ ہے سوائے محبت کے تاہم دولت جمع کرنے میں آقا صحت کی بازی لگا دیتے ہیں لیکن پھر محبت کی بازی ہار جاتے ہیں۔“ اس کے معنوں میں ان کی بے ربط و لکڑی سنان سنی تھی۔ ”سبحان بیٹا آپ پریشان نہ ہوں۔“

”بابا بھئی ایک محل سہرا چاہیے۔“

”یہاں.....“  
”میں بلایا یہاں خوش نہیں ہے... بحث بھی نہیں ہے۔“  
”تو منہ سو کر بولا۔“

”جب تمہارا اپنا کھر ہوگا تو وہاں محبت بھی ہوگی اور خوشی بھی۔۔۔“ شجیل نے اسے بہلا دیا تھا۔

”کیا آپ لہری کی کئی فورس میجر جی بایا؟“ وہ ایسی عمر میں تھا جہاں زبردستی کے بندھن سے شناسائی ہو چکی تھی۔


”ہاں بیٹا..... ہم شاوی کیس کرنا چاہتے تھے لیکن حالات ایسے تھے کہ ہم انکار نہ کر سکتے۔“ شجاع نے اپنی ناکامی کو تسلیم کر لیا تھا۔

”میں نے تو سمجھو یہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن تمہاری ممتا اتنی مضبوط نہ تھی۔“ وہ نے تلے الفاظ میں اسے بتانے لگے تھے۔ وہ سمجھتے ہوئے ابھی نہ سمجھ رہا تھا۔

”میراثِ نوح جو بیادِ زندگی بعض اوقات بہت سے ان چاہے جیسے سرِ وادی میں سب کچھ کے باوجود ہم اس فیصلے کے سامنے ٹھہر نہ سکیں کہ اس لیے زندگی مشکل ترین ہوتی چلی

گئی۔ ”ان کا لہجہ انتہائی خشکست خوردہ اور سبجان بہت ہی زار ہوا تھا۔“

مضیٰ اور پھر حالات مزید سنگین ہوتے چلے گئے۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ ان کے جانے سے گھر میں ایک غم ماحول کا کھنچاؤ کم ہو گیا۔ اس نے شجاع سے کوئی سوال نہ پوچھا اور خاصوٹ سے ان کے چلے جانے کو تسلیم کر لیا تھا۔ پھر اچانک ایک دن ان کی

167 P.1A 



زندگی میں صوفیہ کی... گھبرائی ہوئی؟ شدید پریشان کا شکار۔  
 "سبحان بیٹا... یہ تمہاری مہم ہیں..." شجاع نے صوفیہ کا تعارف کر دیا تو اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔  
 اس نے کوئی سوال پوچھنا احتجاج کیا کیونکہ وہ بلا بلا کر اس کی ماں کی جگہ وہ کسی دوسری عورت کو کیسے دے سکتے ہیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں کے پاس تو کوئی جگہ بھی ہی نہیں... شجاع نے صوفیہ کو خوش آواز کیا۔ صوفیہ مسلسل غائب و غایب کا شکار تھی۔ وہ جواب پڑھائی پر توجہ دے لگا تھا ایک باہر پھر اچھٹے لگا۔

"صوفیہ کا بہت خیال رکھنا بیٹا... یہ تمہاری ذمہ داری ہیں۔ یہ یاد رکھنا بیٹا کہ صوفیہ تمہارے بابا کو بہت عزیز ہیں۔ پریشان چلا دینی دوا کا شکار ہیں لیکن نہیں... بہت پیار کرتی ہیں۔ انہیں سنبھال لینے..." شجاع نے سبحان سے کہا تھا اس کے لیے بابا کا کہا حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا تا جدار کہاں گئی ہیں وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کیا طے ہوا تھا... وہ یہ بھی نہ جان سکا تھا کہ صوفیہ کون ہیں؟ وہ انہیں موم کہنے لگا... اور ان کی دیکھ بھال کرنے لگا... بہت سے سوال پوچھنا چاہتا تھا... لیکن خاموش رہا۔

چھوٹے سے گھر کا وہ کردار جو زیادہ تر خاموش ہی رہتا تھا اس کی کہانی پر ختم شدہ لکھ دیا گیا... سبحان کے لیے شجاع کی جدائی کا جھکا سے توڑ گیا تھا۔ صوفیہ جو اس کی توجہ ایک محفوظ مقام پر اپنے آپ کو سنبھال رہی تھی اس ایک باہر پھر کھڑکی... اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا کیونکہ اسے صوفیہ کی سنبھالنا تھا۔

"موم چائے چئیں گی؟" صوفیہ نے حرکت کی تو سبحان چونکا۔ وہ یہ سمجھ کر وہاں سے اٹھ رہا تھا کہ وہ سوئی ہیں... صوفیہ نے اسے دیکھا اور اس کی سر بلایا۔  
 "موم بلایا آ رہے ہیں کیا؟" اس نے دیکھا صوفیہ کی آنکھوں میں ابھی تک نمی تھی۔ بلا ارادہ انہوں نے اثبات میں سر بلایا تو وہ زیر لب مسکرایا۔

"موم بابا تو اب نہیں لوٹ سکتے ہیں لیکن میں ہوں... آپ ٹھیک ہو جائیں پھر ہم ہماری زندگی کو خوب

صورت بنائیں گے... گھر کو بھی سچائیں گے... بس آپ ٹھیک ہو جائیں..." وہ ان کے کندھے سے سر نکالے بہت محبت و عقیدت سے ان سے کہہ رہا تھا۔  
 "اچھا ٹھیک ہے..." صوفیہ نے بھی ارادہ کر لیا تھا کہ اب وہ اپنے آپ کو سنبھال لے گی۔ انہوں نے سبحان کو دیکھا... وہ انیس بیس سال کا خوب جوان تھا اس کے چہرے پر بڑی کشیدگی کے ساتھ آنکھوں میں ایک گہری خاموشی تھی۔  
 "موم میری اب تک کی زندگی میں میں نے کچھ نہیں دیکھا سولے نفرتوں آج ہوں اور آنسوؤں کے... پینز موم آپ ٹھیک ہو جائیں تاکہ میں بھی اپنی زندگی کوئی سکون... اس کے بعد یہ کہہ کر اس نے ایک احتجاجی...

"سوئے کی کوشش کریں موم میڈیسن لی ہے ناں آپ نے؟" وہ ان پر کھل بیٹ کر کے ان سے پوچھنے لگا انہوں نے اثبات میں سر بلایا اور آٹھ گھنٹیں موندیں تو وہ بھی وہاں سے باہر نکل گیا۔

صوفیہ کی پہلی کرن کے ساتھ چڑیوں کی کوچہ بہت نے ان کی آنکھوں کو یاد پڑی تھی... کسمندنی سے پہلو بدلا اور پھر اٹھ بیٹھا... چہرے پر ایک اطمینان تھا ابھی ہی مسکراہٹ بھی نمایاں تھی... فریش ہوا اور بڑے رونق چہرے کے ساتھ وہ بڑے ہال میں داخل ہوا جہاں صبح ہی صبح چہل پہل نے جن کی مسکراہٹ کو بھرا کر دیا تھا۔  
 "اسا... اسے..." انہوں نے بآواز بلند سلام کیا تھا۔  
 "ولیکم اسلام" سے گونگ اٹھا اور پھر ایک خاص آواز سے چٹا ہوا وہ آگے بڑھا۔

"داوی جان..." اس انداز سے چہرہ ہوا وہ میونہ ٹیم کے پاس جا کر ان کے تخت پر بیٹھ گیا۔  
 "میرا بچہ کیسا ہے ٹینڈ پوٹی ہوئی ناں؟" انہوں نے پیار سے اس کے بال سہلا کر محبت سے پوچھا۔

"ہاں داوی جان آج برسوں بعد ایک اچھی بڑے سکون نیند کا مزہ لیا ہے..." وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر نیم دراز ہو گیا تو

میونہ ٹیم مسکرائے نکلیں۔  
 "اٹھ کر ہی سکون رہتا ہے بچے..." وہ ملامت سے بولیں۔

"لی جی... ہاشور لگاؤں کیا؟" وہ کچھ کہتا اس سے پہلے ایک خوب صورت نسولی آواز نے اسے یک دم چونکا دیا۔  
 دوسرے لمبے وہ پوری طرح متوجہ ہوا... انہیں چہرے سے کچھ ششامی کا احساس جاگا تھا۔  
 "ہاں ہاشور لگا دو... لیکن پہلے سب کو جگا تو دو..." میونہ ٹیم نے کہا تو دوسرے لمبے وہ پوری دوشیزہ جیسے غائب ہی ہوئی۔

"عازی بھائی آپ کو ہم نے بہت یاد کیا..." ہاشور کی ٹھنک پڑنے کی جگہ پر وہ پھر اس نے سسکا کر دیکھا۔  
 "میں نے بھی ان رفتوں کو بہت یاد کیا ہے..." داوی جان مجھے فریش ملائی میں بھی ڈال کر دیں..." عازی نے بچپن والی فرمائش کی تو داوی جان کے ساتھ ساتھ باقی سب بھی مسکرا دیے... دوسرے لمبے وہ وہاں سے اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل پر اپنی مخصوص کرسی پر براجمان تھا۔

"جیلہ کہیں رہ گئی ہو ملائی لاؤ میرے عازی کے لیے..." میونہ ٹیم نے وہاں سے ہی آواز لگائی۔  
 "ہاں خالد وہی لارہی ہوں بس آتی ہوں..." جیلہ نے جواب دیا۔

"داوی جان کبھی ہمارے بھی ایسے لاؤ اٹھ لیا کریں..." شام نے منہ سورا کر رکھا کیونکہ میونہ ٹیم نے ٹھیک لگا ہوں...  
 "تم نے ایسے کون سے کام سے سر انجام دیے ہیں..." میونہ ٹیم نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔  
 "ہاں تو عازی بھائی نے کون سا مسئلہ کشید کر دیا ہے..." شام نے شام کے انداز میں بولی۔  
 "تم ابھی تک محل کلری بنی گھوم رہی ہو؟" عازی نے اسے چھیڑا۔

"عازی بھائی... نا انصافی ہے؟" شام نے دہائی دی۔  
 "ہاں بالکل ہے..."

"تو اس کے خلاف احتجاج بھی تو ہونا چاہیے ناں..." شام اس کے ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھی۔  
 "بالکل ہونا چاہیے۔ میں ملائی کھالوں ناں پھر سوچتے ہیں کچھ..." عازی نے شریر لہجہ میں کہا۔

"عازی بھائی ہم سب میونہ ٹیم کے پوتے پوتیاں ہیں لیکن انہیں تو آپ کے علاوہ کوئی اور نظری نہیں آتا..." عمارا نے بھی احتجاج کیا۔  
 "داوی جان کی نزدیک کی نظر کمزور ہے..." عازی نے سر شیانہ انداز میں کہا۔

"تو ان کو چشمہ لاداناں..." عمارا نے تیوریاں چڑھا کر عازی کو دیکھا اور چائے سرگرم کر لے گی۔  
 "تم دونوں ایک کام کرو..." عازی نے عمارا اور شام کو دیکھا مسکرائی آنکھوں میں شرارت تھی۔  
 "کیا کام؟" دونوں یک زبان بولیں۔  
 "تم دونوں کے خیال میں داوی جان کے لیے سب سے زیادہ خاص کون ہے؟"  
 "آپ..." دونوں ہی مدد پسور کر بولیں۔

"تو ایسا کرو دونوں دن رات میری خدمت کرو..." داوی جان جب دیکھیں گی کہ عمارا اور شام ان کے چہیتے پوتے کے لاؤ اٹھ رہی ہیں تو خود بخود تم دونوں بھی ان کے لیے خاص ہو جاؤ گی..."

"افق مار دیا..." عازی نے ہاتھ اگے بڑھا کر تالی مالدنی چائی تو عمارا نے چائے دانی سے چائے اس کی تھیلی پر ڈال دی وہ گرم چائے کے تھیلے پر بڑے ہی چلا اٹھا۔  
 "مومن منزل کے چہیتے تخت جگر کا حسد وطن کی وجہ سے بہنوں نے تھیں کہنے کی کوشش کی..." عازی نے فوراً بریکنگ نیوز جاری کر دی۔  
 "ہائے لڑکیوں کچھ شرم ورم ہے کہ نہیں جانتی ہیں بچے کی ہتھالی جلاؤ..." میونہ ٹیم کی حسب معمول سی آواز ہال میں بلند ہوئی۔

"داوی جان..." عازی اب بڑے ہومے ہیں بچے نہیں رہے..." عمارا نے ٹک مڑائی سے کہا۔



”اگر سزاؤ کی موتی ہے کیا؟“ لولا دھنکی بھوکے  
 ماں باپ کے لیے بچے ہی رہتے ہیں۔“ میمونہ  
 پرانی عینک کو درست کر کے کہا۔

”وادی جان لیکن خیر کچھ بھی کہنا فضول ہے۔“ شاد بھی  
 اعتراض کرنے لگی تھی کہ ارادہ ملتوی کر دیا۔  
 ”طلحہ بھائی“ طلحہ کو تاجیکہ کے عمارانے اس سے مدد لینا  
 چاہی۔

”نہ بھئی مجھے اس فساد کی ہم ضرور ہی رکھو۔“ طلحہ نے  
 دور سے ہی ہاتھ اونچا کرتے دامن پھا لیا اور میمونہ بیگم کی  
 جانب بڑھا۔

”اسلام علیکم وادی جان۔“ صحنے نے انہیں سلام کیا  
 عازلی کے پاس آکر سرم چوٹی سے اس سے سلام اور اس کے  
 ساتھ ساتھ کر چائے پینے لگا۔ جبکہ عازلی اپنی سرخ ہوئی  
 ہتھیلی کو سہلے تہوے کو خوش آؤ نظروں سے ہٹا رہا تھا کہ وہ کچھ دبا  
 تھا۔

”چھوڑ یاد زیادہ دل پر نہ لے یہ ہیں ہی جنگلی بلیاں۔۔۔۔۔  
 بچے مارنی رہتی ہیں۔“ طلحہ نے ٹوٹ پر شہرہ کر بچت لیا۔  
 ”وکیلیس وادی جان اب اپنے چوتھوں کو بٹھے اور عمارا کو  
 جنگلی بلیاں کہہ رہے ہیں۔“ شاد نے قبر آور نظروں سے طلحہ کو  
 دیکھا اور عازلی کے قہقہے سے خائف ہو کر میمونہ بیگم سے  
 شکایت کی۔

”ہاں تو کیوں شک کرتی ہو انہیں۔۔۔۔۔ میمونہ نے بھی  
 انہی کا ساتھ دیا۔  
 ”تو بتا دیں ان کو یہ جنگلی بلیاں جس دن جنگلی خیر نہیں  
 نہیں تا حشر نشر کریں نہیں۔“ عمارانے دانت چیر کر کہا اور  
 وہاں سے چل دیں۔

”لیک تو آج کل کی لڑکیاں۔۔۔۔۔ بات ہوتی نہیں کہ یہ  
 جاوہ جا۔۔۔۔۔ حق بے کی تو ان میں سکت ہی نہیں۔“ میمونہ بیگم کی  
 بھی زبان چل پڑی تھی۔ طلحہ اور عازلی نے خاموش رہنے میں  
 ہی عافیت جانی۔

کتنے ہی دن گزر گئے۔ محمد سبحان پھر اس پر اسرار وادی کی  
 صبح سے ہی صوفی کی طبیعت پہلے کی نسبت بہت بہتر لگ رہی

تھی جب اس نے باہر جانے کا ارادہ کیا۔

”میں اب ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔ تم نے اپنے کام کرنے میں  
 مجھے ہل تو آرام سے کرنا شروع کر دیا۔“ صوفیہ چائے کا  
 سب لیتے کھینچ لی۔ ”اور میری فکر نہ کر دیا۔“ صوفیہ نے  
 اس کی طرف دیکھا۔

”آپ کی فکر نہ کروں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے ماں۔۔۔۔۔ میری  
 ذمہ داری ہے۔“ بابائے آپ کو مجھے سونپا تھا تو میں آپ  
 کی فکر نہ کروں یہ نہیں ہے۔ وہ بولا تو صوفیہ نے مسکرائی  
 نظروں سے استہدیکھا۔

”میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں موم کہتے ہو مجھے۔۔۔۔۔ دو  
 دلیں تو سبحان بننے لگا۔  
 ”میری پیاری بچی چھوٹے ہی موم۔“ سبحان نے انہیں  
 بغور دیکھا۔ وہ واقعی چھوٹی ہی تھی۔۔۔۔۔ بلا کی معصومیت اور یقین

ان کے چہرے پر جھلک رہا تھا۔ سرخ و سفید رنگت طلحہ  
 یاداری کے باعث زردی مائل ہو چکی تھی لیکن چہرے پر رنگین  
 ہوش نگہوں میں حیا برقرار تھی۔ ایسی کے دیکھنے والے کو اس  
 عمر میں بھی اپنے عشق میں مبتلا کر سکے وہ کچھ کمزور لگ رہی  
 تھیں آگھوں کے نیچے سیاہ جگہ ان کے حسن میں اضافہ  
 کر رہے تھے۔ بالوں میں چند ایک چاندی کے تار بھی نظر  
 آرہے تھے۔

”آپ کی عمر کیا ہے موم؟“ بے ساختگی سے کیا گیا سوال  
 صوفیہ کو چوکا گیا۔  
 ”تم مجھے موم نہ کہا کرو سبحان۔“ سوال کے جواب میں  
 ایک درخواست کی۔

”بابائے تو کہا تھا آپ میری موم ہیں۔“ سبحان حیران ہوا  
 تھا۔  
 ”میں میں تمہاری موم نہیں ہوں تمہاری ہی صرف  
 تاجدار ہے۔“ صوفیہ نے اپنے بچہ کو مضبوط کیا۔

”آپ موم کو کیسے جانتی ہیں؟“ سبحان واقعی حیران ہوا۔  
 ”بتائیں ناں موم۔۔۔۔۔ آپ بابا کی کون ہیں؟ ممی کو کیسے  
 جانتی ہیں۔“ وہ مسلسل خاموش تھیں۔ تو اس کا اصرار  
 بڑھا۔

نے ایک زوردار چیخ ماری اور ان سرگوشیوں کو اپنی سماعتوں میں





online magazine .com.pk/recipes

aanchal.com.pk

انٹرنیٹ گاہکوں کے لیے آن لائن رسپیٹری

سنة الفی

نارہ شمارہ شائع

ہو گیا ہے

## جولائی 2018ء کے شمارے کی ایک جھلک

ایک لہجہ آف وارمنس: محبوبہ مظہر رانی خواتین، بول نگاروں میں ایک معتبر نام ہے آپ نے ان کے افسانے اور ناول یاد آسان کچل اور ناؤ نامہ خوب ہیں پڑھیں یوں ہے ان کے لکھنے کا اپنا ایک انداز ہے وہ پڑھنے والے کو اپنی تحریر سے پھانسا کر کرنے کے وقت ہیں یہ ہے ان کے لیے ان کا کچل ناول ہے دیکھیں وہ اسے ان کے قارئین کو کس حد تک متاثر کرتی ہے۔

پہچھٹاؤ: ان لوگوں میں وہ ایک جگہ کے زمیں پر دوڑتے ہوئے ہیں ہمارے اپنے معاشرے میں ختم ہونے والی ایک کہانی کی روایت۔

سوالیہ نشان: زبان وافی مقبوضہ کشمیر کی آزادی کا بیرونی جوناؤں کی امیدوں کا مرکز، جس کی قربانی نے قوم کو ایک نئی امید دی۔ ایک گندہ کی روایت ہے کہانی کی تلاش تھی۔

بہشت بھٹی: آتش ان کے دل ایک ساتھ اترتے تھے لوگوں کے نزدیک وہ ایک قبیہ دو جان تھے۔ پھر بھی رہائے ان کی ایک دوسرے سے الگ کر دیا گئے وہ مرکز زمانے سے انتقام لینے کے لیے ایک مسلم کو برباد اور اس کی بہنوئی کو بے کی داستان محبت، وقت نے ان کی سرایا انتقام بنا دیا تھا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

”سر..... پیچھے کھڑے ہو کر رہی دیکھیں..... مجھے بہت تشویش ہو رہی ہے اس لڑکے کے طریقہ کار پر“ غلام احمد نے ان کی کھڑکی کے پاس جانے سے باز رکھا..... معاذ نے اسے دیکھا۔

”غلام احمد تم بھی عجیب انسان ہو اور وہ تو چھوٹا سا لڑکا ہے اس کا بھلا کیا مقصد ہو سکتا ہے.....“ معاذ ہاشم نے سچائی کو چند لمحوں دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔

”سر..... آپ اس کی نظریں دیکھیں..... جیسے یہ کسی لڑکے میں ہے..... وہ دیکھیں سر جو میں دیکھ رہا ہوں.....“ احمد نے کہا تو معاذ ہاشم ہنس دیے۔

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ سر کی مزاح ہو.....“ معاذ نے سر جھٹک کر کہا۔

سبحان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اندر کوئی موجود ہے اور وہ یہ موقع گنوا تا نہیں چاہتا تھا۔ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ مکان اتنا دیران کیوں ہے؟ اس سوچ کے زیر اثر وہ آگے بڑھا تھا۔ غلام احمد نے اس کے بڑھتے قدم دیکھے۔

”سردہ لڑکا اندر رہا ہے“ غلام احمد نے معاذ کو اطلاع دی۔

”آئے دو بات کرے گا تو پتا چل جائے گا اس کے ارادے کیا ہیں.....“ معاذ کمرے سے باہر نکل کر بیڑیوں کی جانب بڑھ رہے تھے کہ ابھی وہ دو بیڑیوں تک پہنچے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی..... دروازے کے درمیان میں

ایک شخصیت اسے اندازہ ہونے لگا کہ اندر کوئی موجود ہے۔ تھوڑی دیر گزرتی تھی کہ دروازہ کھلتا تو سبحان کی بیڑی کی بنی

میں ایک سرسبز لہجہ کی ہولی..... ایک دم ایک خوف محسوس ہوا..... وہ یہی سوچ رہا تھا کہ وہ بارہو دستک دے پالٹ جائے

کے جس شخص کو اس نے اندازہ کھل رہا ہے۔ ”بیٹو.....“ دروازہ کھولنے والے معاذ نے اس نے ان کی دیکھتے ہی گھبرا کر کہا۔

”بیٹو..... جی فرمائیں.....؟“ معاذ نے سر تا پیر اسے دیکھا۔

”آپ کون ہیں؟“ یہ رہا سوال پر معاذ نے حیرت سے

گو بچے سے روک لیا..... بچہ پانی کے جگ سے گلاس میں پانی ڈالا اور ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا..... کچھ دیر تک دو دو کے بعد وہ دترے نازل ہوئیں تو اٹھ کر اپنے روم میں چلی گئی..... اور کھل میں اپنے آپ کو چھپا کر آنکھیں موند لیں۔

○ ○ ○ ○ ○  
وہی منظر تھا..... ویسی ہی بیٹ نامک خاموشی اور

دیرانی..... فرق صرف اتنا تھا کہ آج بھی لکھری حیرت کے کمرے کے پردے ہتے ہوئے تھے اور لائٹ بھی آن تھی..... ایک توجہ طلب بات کہ نوٹے پھولے فلیس کے بالکل پاس وائٹ ریج دور پارک تھی۔ سبحان کو حیرت کے ساتھ ساتھ تجسس بھی ہوا..... غیر ارادی طور پر اس نے پرت ہوئی گاڑی کے گرد پتھر کاٹا..... اس گھر کو دیکھا..... اسے محسوس ہوا جیسے کمرے کا پردہ ہل رہا ہے..... مطلب کوئی اندر موجود ہے۔

”پڑاں کیا؟“ اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ فلیس پر رکھے اور پھر سوچ نظروں سے اس کھڑکی کو گھورا..... یہ یقین کر لیا کہ پردہ واقعی حرکت کر رہا ہے..... تو وہ آگے بڑھا۔

”سر یہی وہ لڑکا ہے جو.....“ معاذ ہاشم اور احمد ہاشم موجود تھے غلام احمد بہت دنوں کے صبر کے بعد ان کی دیاں لایا تھا

کہ وہ خود چل کر ایک بار اس مکان کی حالت دیکھ لیں..... انہوں نے کھڑکیاں کھولیں کچلی طرف دلا دروازہ بھی کھولا

تا کہ مکان میں سبیل زدہ جس کو زل کر سکیں..... انہوں نے سینٹرل ہیٹنگ بھی آن کی تا کہ دروازہ پر میں گرماش پہنچے

معاذ ہاشم نے خود سارے کمرے کا جائزہ لیا تھا اسٹڈی روم کا دروازہ کھولا..... بہت دنوں سے بند اسٹڈی روم میں کتابوں پر

دھول جمی ہوئی تھی..... ”غلام احمد سر کی سہائی کرو اور.....“ معاذ

ہاشم نے غلام احمد کو کہا۔ جسے میں سبحان کی وہاں آمد ہوئی تو غلام احمد کھڑکی میں ڈرنا کھلے پر کھڑا کافی دیر سے سبحان کی

چھان بین کو ملاحظہ کر رہا تھا۔ معاذ ہاشم کو بتایا تو انہوں نے قد آگے بڑھائے لیکن غلام احمد نے ان کی روک لیا۔



اور غلام احمد نے ٹیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

تھا جتنا باہر سے نظر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی معاذ نے ٹیک  
ہر یا کا جائزہ لیا گھر میں تقریباً سارا سامان موجود تھا صوفے  
ڈانٹنگ ٹیبل فریج ٹی وی..... معاذ کے ساتھ ساتھ سبحان بھی  
دیکھ رہا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ سامان مکان کو گھر میں تبدیل نہیں  
کر سکتا ہے شک وہاں سب کچھ موجود تھا لیکن ایک ویرانی اور  
پسیت تھی سبحان کو محسوس ہوا جیسے وہ اپنے گھر میں محکم رہا  
ہے۔ دوسرے کمرے میں اس نے سر جھٹکا

”غلام احمد سبحان کی دیکھ بھال کرتا ہے میں یہاں دو سال  
کے بعد آیا ہوں۔ معاذ ہر ایک چیز کو چیک کرتے ہوئے  
اسے بتا رہے تھے۔

”آپ کہاں رہتے ہیں؟“ سبحان نے پوچھا۔  
”میں دو کھیاں چھوڑ کر رہتا ہوں۔“ معاذ نے مصروف  
انداز میں اسے گاہ کیا۔

”وہ کھیاں چھوڑ کر اور دو سال کے بعد یہاں آئے ہیں۔“  
سبحان کی مدھمکاؤں میں معاذ تک یہ وارنٹوں کی پگھلی تھی لیکن وہ  
نظر انداز کر گئے۔

”آؤ میں تمہیں اس پر اسرار مکان کی لائبریری دکھاتا  
ہوں۔ میرا مطلب ہے میرا اسٹڈی روم۔“ معاذ نے مسکرا کہا تو  
سبحان ان کے ساتھ چل پڑا۔

”میں آپ کو انکل کہوں؟“ اسٹڈی روم بیڈ روم کے ہمرلو  
تھی ان کے پیچھے بیڑھیاں چڑھتے سبحان نے اجازت طلب  
کی سبحان نے انہیں دیکھا وہ کوئی عمر رسیدہ شخص نہ تھے۔ تو  
سبحان کان کا نام لے کر مخاطب کرنا مناسب محسوس نہ ہوا تھا۔

”ہاں کیوں نہیں ضرور۔“ معاذ نے خوش دلی سے کہا۔  
”تم سوچ رہے ہو گے میں تمہارے ساتھ ہے نصف  
کیوں ہوں۔“ معاذ اس سے ایک میزمری اوپر تھپٹ کر اسے  
دیکھا وہ سبکی سوچ رہا تھا کہ وہ اسے اسٹڈی روم کیوں دکھانے  
لگے ہیں۔

”سمروری انہیں ہوا کہ کسی کے چہرے پر شرافت درج ہو  
بعض اوقات دل بھی گواہی دیتا ہے کہ بھروسہ کرلو..... کوئی  
نقصان نہیں ہوگا۔“ معاذ ہاتھ میں جاتنا مسکراہٹ کے  
ساتھ کہا ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ اسی میزمری پر لے گئے

دو دہائی تک کہہ رہے تھے یہ گھر اندر سے اتنا خستہ حال نہیں  
تھا جتنا باہر سے نظر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی معاذ نے ٹیک  
ہر یا کا جائزہ لیا گھر میں تقریباً سارا سامان موجود تھا صوفے  
ڈانٹنگ ٹیبل فریج ٹی وی..... معاذ کے ساتھ ساتھ سبحان بھی  
دیکھ رہا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ سامان مکان کو گھر میں تبدیل نہیں  
کر سکتا ہے شک وہاں سب کچھ موجود تھا لیکن ایک ویرانی اور  
پسیت تھی سبحان کو محسوس ہوا جیسے وہ اپنے گھر میں محکم رہا  
ہے۔ دوسرے کمرے میں اس نے سر جھٹکا

”میں آپ کو انکل کہوں؟“ اسٹڈی روم بیڈ روم کے ہمرلو  
تھی ان کے پیچھے بیڑھیاں چڑھتے سبحان نے اجازت طلب  
کی سبحان نے انہیں دیکھا وہ کوئی عمر رسیدہ شخص نہ تھے۔ تو  
سبحان کان کا نام لے کر مخاطب کرنا مناسب محسوس نہ ہوا تھا۔

”ہاں کیوں نہیں ضرور۔“ معاذ نے خوش دلی سے کہا۔  
”تم سوچ رہے ہو گے میں تمہارے ساتھ ہے نصف  
کیوں ہوں۔“ معاذ اس سے ایک میزمری اوپر تھپٹ کر اسے  
دیکھا وہ سبکی سوچ رہا تھا کہ وہ اسے اسٹڈی روم کیوں دکھانے  
لگے ہیں۔

”سمروری انہیں ہوا کہ کسی کے چہرے پر شرافت درج ہو  
بعض اوقات دل بھی گواہی دیتا ہے کہ بھروسہ کرلو..... کوئی  
نقصان نہیں ہوگا۔“ معاذ ہاتھ میں جاتنا مسکراہٹ کے  
ساتھ کہا ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ اسی میزمری پر لے گئے

جہاں خود کھڑے تھے۔

”غلام احمد سبحان..... محمد کا نام لے کر صرف وہی لوگ دھوکا  
دیتے ہیں جن کے دل سیاہ ہو چکے ہوتے ہیں تمہارے  
چہرے پر برقی ہے مصممیت ہے اور تم مجھے کیا دھوکا دو گے محمد  
سبحان میرے پاس تو دھوکے میں نہانے کے لیے کچھ بھی نہیں  
ہے۔“ معاذ ہاتھ مست روی سے بیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہہ  
رہے تھے اور محمد سبحان سر عمر کے باوجود ان کی حالت کو سمجھنے کی  
کوشش کرتے لگا تھا۔ وہ اسٹڈی روم میں داخل ہوئے.....

باقی کمروں کی نسبت وہاں زیادہ جھجکھی۔ کتابوں کی عجیب سی  
مہک ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

”انہوں نے آگے بڑھ کر لائٹ ان کی اور پرے ہٹا  
کھڑکی بھی کھول دی تاکہ رات ہو اس جس کو کم کر دے۔ محمد  
سبحان آگے بڑھا اور اسٹڈی روم کا جائزہ لینے لگا وہ کمرہ یقیناً  
بہت سخت وجہت سے سیٹ کیا گیا تھا۔ بہت سے خلیفے بنے  
تھے اور ان پر بہت سی زبانوں کی کتابیں رکھی تھیں۔ محمد سبحان  
حیران ہوا۔

”آپ کو کتابیں پڑھنے کا شوق ہے؟“ وہ بک خلیفہ  
کے پاس گھڑا ہوا کتابوں سے ڈولے بھی انیسیت تھی لیکن  
وہ تسلسل سے اپنے اس شوق کو پورا نہ کر سکا تھا۔

”بہت شوق تھا اب اتنا نہیں ہے۔“ معاذ اس کی آنکھوں  
کی چمک دیکھ کر بولے۔

”اتنی ساری محبت کی داستانیں؟“ ایک پورا خلیفہ لو  
سبحان نے برقی تھا انکشاف اور فریج اور جرس کی لوار اسٹور پر بنے  
سے حیران کیا۔

”یہ کتابیں میری نہیں ہیں۔“ بے اختیار وہ بولے۔  
”ویری انٹرٹیننگ۔“ سبحان نے یقیناً ان کی بہت پر  
دھیان دیا تھا۔

”کیا میں کچھ کس لے سکتا ہوں؟“ سبحان نے اچانک  
نگاہوں سے انہیں دیکھ کر پوچھا۔

”لے سکتے ہو لیکن واپس کرنی پڑیں گی۔“ معاذ نے  
اجازت دی لیکن واپسی کی ڈیمانڈ کے ساتھ۔

”ہاں واپس ضرور کروں گا۔ میں بھی یہ ساری کس پر اچھوں

گا.....“ محمد سبحان خوش ہوا۔

”سمر.....“ وہ کتابیں دیکھ رہا تھا کہ غلام احمد واپس آ گیا۔  
”معاذنی والے کا پتہ کروالیا ہے۔ وہ دن تک وہ آئے گا  
لیکن میں سنوں شاید تو آپ کو خوفناک پڑے گا۔“ احمد نے انہیں  
اطلاہی کردی۔

”ہاں ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا۔“ معاذ نے سبحان کو  
اتھاٹھ سے کتابیں دیکھنے میں مصروف پایا تو بولے جس پر  
احمد نے متوجہ نظروں سے انہیں دیکھا..... آج سے پہلے  
انہوں نے یہاں آنے کے لیے بھی اتنی جلدی حالی نہیں  
بھری تھی۔ احمد نے سبحان کو دیکھا۔

”انکل میں یہ کتابیں لے جاؤں؟“ کچھ دن تک واپس  
کروں گا۔“ سبحان نے ایک لائبریری اور فٹ بال کے  
حوالے سے لٹریچر کا رڈ کی کتابیں اٹھا کر کہا۔

”ہاں ضرور۔“ معاذ نے اجازت دی تو اس نے دونوں  
کتابیں لے لیں احمد ان کو بطراز دے کر وہاں سے چلا گیا  
تھا۔ معاذ کچھ دیر بعد سبحان کے ساتھ وہاں رہے تھوڑا بہت  
اتعارف ہوا۔

”یہ گھر محبت کی نشانی ہے۔“ معاذ کے انکشاف پر  
سبحان نے متحیر نظروں سے انہیں دیکھا ان کے چہرے پر  
خستہ حالی نمایاں تھی جو بتا رہی تھی کہ محبت میں جب دل کا  
آئینہ اجڑ جائے تو گھر بھی کھنڈر بن جاتے ہیں۔

”ایسی نشانی؟“ سبحان پوچھے بغیر سندھ سکا۔  
”ضروری تو نہیں کہ محبت کی نشانی صرف تاج محل ہی ہو  
ایک خنڈر بھی تو محبت کی نشانی ہو سکتا ہے ہاں۔“ معاذ نے  
قبیلہ لگایا ایک باسیت آمیز قہقہہ..... ایک کھوکھلی ہنسی.....

سبحان نے انہیں دیکھا..... وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن  
پہلی ملاقات میں اس سے زیادہ بے تکلفی اسے مناسب نہیں  
لگتی تھی۔

دونوں کے بعد واپس آنے کا وعدہ کیا اور کتابوں کو لے کر  
وہاں سے چلا گیا تو شگفتگی کے احساس کے ہمراہ معاذ ہاتھ بھی  
گاڑی میں کر بیٹھ گئے۔

.....

.....







”میں نے کہا ناں عازری میری بات کبھی ٹال ہی نہیں سکتا۔۔۔۔۔“ میمون جیکم نے پُر تعین لہجے میں کہا۔ تو صوفی کو خاموش ہو جانا پڑا لیکن دل نجانے کیوں وہوں کی زد میں رہا تھا۔

اور پھر عازری واپس آ گیا۔۔۔۔۔ مومن منزل میں اس کا شاندار استقبال بھی کیا گیا ڈومنی باتوں کا تبادلہ خیال عازری کو چونکا جا تا لیکن اس نے وہیمان نہ دیا۔ لندن سے سفر کرنے کے آنا اس کی وجاہت میں چنداں اضافہ ہوا تھا مگر اس نے سب کو چونکا تھا اور مومن مائیتوں نے حیران کیا تھا۔

”تم کون ہو؟“ دو پہر کو سب اپنے اپنے کمروں میں آرام فرما رہے تھے عازری کچن میں داخل ہوا وہاں صوفی کو دیکھ کر اس سے پوچھا۔ بڑی جلدی جا رہی تھی اپنے آپ کو چھپاتے وہ اس وقت اس کی وہاں آمد پر گھبرا گئی تھی۔

”میں صوفی۔۔۔۔۔“ وہ جھکی نظروں کے ساتھ ہنسنے لگی۔ وہ اتنی پُر اعتماد تھی کہ جھڑلے سے کسی سے بھی بات کر لے اور پھر میمون جیکم نے عازری کے ساتھ اس کی نسبت طے کر کے اس کے سامنے سے مزید گونگا نہ دیا تھا۔

”صوفی کون؟“ عازری نے مسکراہٹ بابر پوچھا۔

”میرا نام صوفی ہے۔“ اس نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔۔۔۔۔ سرخ و سفید رنگ بڑی بڑی آنکھیں گھیرا انداز عازری یک دم چونکا۔

”صوفی۔۔۔۔۔ ایک کیسا نام ہے کس نے رکھا؟“ عازری اس کے گھبرانے اور نظریں جھکا لینے سے لطف لیتے ہوئے قدرے رعب دار آواز میں پوچھنے لگا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے۔ سنگھ بھی لگا ہوں میں ارتعاش پھیلا جسے عازری نے بہت چپکسی سے دیکھا تھا۔

”بتاؤ۔۔۔۔۔“ وہ بول رہا تھا تو عازری نے پھر کہا۔

”صوفی۔۔۔۔۔“ وہ اپنا اصل نام بتا کر

”صوفی۔۔۔۔۔ تو صوفی تمہارا ایک نیم ہے؟“ عازری نے پُر شوق نظروں سے اسے دیکھا۔ تو اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

”لیکن تم ہو کون؟“ عازری نے پھر دریافت کیا۔ ”نور

پھر خود کمر ڈال کیا لوٹا گئے بڑھ گیا۔

”موم آپ کا وقت ٹھیک گزرا ناں طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

سبحان واپس آ چکا تھا۔ معاذ ہاشم کے آخری چند الفاظ اسے دلچسپ بھی لگے تھے اور پراسرار بھی۔ لیکن بہر حال اس نے پھر ملاقات کا وعدہ کر لیا تھا اور وہ بھانا بھی جانتا تھا گھر آئے تو وہ صوفی کے پاس آیا جو صوفی پر کبھی فی دی دیکھ ہی نہیں ان کے ساتھ آ کر بیٹھا اور ان کا حال دریافت کرنے لگا۔

”ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ صوفی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”تم کہاں گئے تھے کھانا کھاتے تھے ناں؟“ صوفی نے مزید پوچھا تو سبحان نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”کھانا۔۔۔۔۔؟“ اس نے فقط اتنا ہی کہا۔

”کیوں کیا کھانا کبھی نہیں کھایا؟“ اس کی حیرانی پر صوفی نے ہنسنے ہوئے کہا۔

”مجھ کوں کا گوم گھر کا کھانا کبھی نہیں کھایا۔۔۔۔۔ ماں کے ہاتھ کا کھانا بھی نہیں کھایا۔“ سبحان کے لہجے میں ایک دکھ تھا۔

”اب میں ہوں ناں تو اب اس گھر میں کھانا پکا کرے گا۔“ صوفی نے نرم نرم لہجہ میں کہا۔

”اس کا مطلب ہے اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔“ سبحان ان سے تصدیق چاہ رہا تھا۔

”ہاں میں اب ٹھیک ہوں۔“ تم فریش ہو جاؤ پھر ہم فوراً شاپنگ کے لیے چلیں گے۔“ اس پر دیواریں فقط چار دیواری نہیں رہیں لی بلکہ ایک گھر بدل جائیں گی۔“ صوفی نے کہا۔

”یا ہو۔۔۔۔۔“ سبحان نے صوفی پر اچھل کر نعرہ لگا با تو صوفی کی مسکراہٹ بھی مزید گہری ہوئی۔

”میں ابھی فریش ہو کر آتا ہوں پھر چلتے ہیں۔“ سبحان یک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

”ٹھیک ہے میں جب تک دیکھ لیتی ہوں کون کون سی چیزیں لاتی ہوں گی۔“ انہوں نے کہا تو سبحان نے اثبات میں سر ہلایا اور تیزی سے باہر نکل گیا صوفی نے کتنے ہی طے

خاموشی سے گزارا دیتے تھے۔

”صوفیہ میرا سبحان بہت اکیلا ہے وہ بکھر رہا ہے اس بکھرے گھر کی زد میں اس کی ذلت بھی آ رہی ہے میرے سبحان کو سنبھال لینا صوفیہ۔۔۔۔۔ میں جانتا ہوں تمہارا دل دکھ سے بھرا ہے۔۔۔۔۔ تم میرے سبحان کی طرف قدم بڑھاؤ گی تو وہ تمہیں بھی سنبھال لے گا۔ وعدہ کرو صوفیہ میرے سبحان کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑ دو گی؟“ شجاع ان دنوں بہت کھڑے ہوئے تھے۔ یا شاید انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی زندگی ختم ہو رہی ہے غالباً اس لیے وہ صوفیہ کو گھر لے آئے تھے۔ اسی لیے انہوں نے سارے کام جلدی جلدی بنائے تھے۔ صوفیہ کے ارد گرد ان کے الفاظ ان کی اجتہاد گونج رہی تھی اس ذلت خاموشی نظروں سے شجاع کو دیکھا تھا وعدہ بھانے کا اقرار کیا تھا نہ مذہب داری اٹھانے کی حامی بھری تھی لیکن آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ شجاع اسے ایک مضبوط سا زبان عطا کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ اسے تحفظ دے کر گئے تھے حالانکہ انہوں نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ شجاع نے بتا کہ وعدہ بھانا تھا اور اب صوفیہ کو اپنے آپ کو سنبھالنا تھا اس کے وعدے کو پورا کرے تھا اس کے سبحان کو گھر کا ماحول دینا تھا۔۔۔۔۔ بے شک سبحان اب ایسی عمر میں تھا جہاں اس کو اب کسی سہارے کی ضرورت نہ تھی حالات انسان کو بے حد حساس بنا دیتے ہیں۔ سبحان کو یہ سکون ماحول کی ضرورت تھی اسے بھی چند تحفظات چاہیے تھے فقط اس کاٹھن سے زندگی تو گزری جاتی ہے مگر دل ہمیشہ خالی رہتا ہے۔ صوفیہ نے اپنی محبت سے اپنے ساتھ سے سبحان کے خالی دل کو بھرنا تھا۔

”چلیں موم۔۔۔۔۔“ کچھ ہی دیر میں وہ واپس آ گیا تھا۔ صوفیہ نے اسے دیکھا اور اس کے حراہ چل دیں۔ صوفیہ اس سے چھوٹے چھوٹے سوال پوچھتی رہیں اس کی پسند ناپسند اس کی مصروفیات اس کی دوستیاں اس کے شوق اور وہنا تارہا۔

”موم بی آپ کے لیے۔۔۔۔۔“ شاپنگ کے دوران سبحان نے ایک چھوٹا سا میز اسے دیا۔ جس نے ہاتھ میں ایک گلاب کا پھول پکڑا ہوا تھا۔ صوفیہ نے اس کے بڑھے ہاتھ کو دیکھا اور مسکرا کر فوراً میز پر رکھ دیا۔



”بھلا میری عمر اس کو رکھنے کی ہے؟“ انہوں نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔

”نیز کی بیڑ کا کمر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا موسم.....“ سبحان نے فوراً نیڈی بیڑ کا ڈنڑی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”برائے کی کے پاس ایک فیڈی بیڑ ضرور ہونا چاہیے..... وہ اس کا سب سے پیارا دوست ہو اور وہ اس سے ہر بات کہہ کر پرسکون ہو جائے.....“ سبحان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو کیا تم میرے پیارے دوست نہیں ہو؟“ صوفیہ نے اچھٹی کچاں میں اس پر مڑ کر کہیں۔

”میں تو ہوں ناں..... لیکن آپ ہی بائیں مجھے کہیں کہتی ہیں.....“ سبحان نے سر سر سے لہجے میں ایک شکاری کی تو صوفیہ نے سر جھکا لیا۔

”زندگی بہت کچھ دکھا دیتی ہے سبحان چپ رہنا بھی برداشت کرنا بھی اور آنسوؤں کو اپنے اندر جذب کرنا بھی..... محبت کچھ نہیں ہوتی سبحان اعتبار سب کچھ ہوتا ہے..... وہ دونوں دائیں گھرا آچکے تھے صوفیہ نے سارا سامن سمیٹا..... سبحان وہیں جہن میں ہائی اسٹول پر بیٹھا انہیں سب کا ممر کرتے دیکھتا رہا۔ صوفیہ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور وہ دم آواز میں بولیں۔ وہ مسلسل خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

”شجاع نے میری ٹوٹی ٹکھری حالت کے باوجود سہارا دیا تھا تمہاری ذمہ داری سونپی کسی دھندے بھائے جو انہوں نے بھی نہ کیے تھے..... تم جانتے ہو میری اور تمہاری عمر میں زیادہ فرق بھی نہیں ہے.....“ صوفیہ دھیرے سے فہم کر رہی تھیں۔

”تم مجھے موم کی بجائے آبی بابائی بھی کہہ سکتے ہو.....“ صوفیہ نے کہا تو سبحان حیران رہ گیا۔ بھڑا نہیں دیکھا..... وہ واقعی ایک جوان بے کی بل نہیں تھے بھی نہ لکڑی کی بل ان کے سر میں چند ایک سفید بال تھے لیکن وہ عمر رسیدہ نہ لگ رہی تھیں۔

”بابائے کہا تھا کہ آپ میری موم ہیں.....“ وہ آج بھی اپنی بات پر قائم تھا۔ اب صوفیہ خاموش ہو گئیں۔

”مئی کہاں ہیں..... کتنی ہی دیر خاموشی رہی.....“ سبحان

کاٹی دیر سے ان تین لفظوں کو لوہا کر کے کی کوشش کر رہا تھا صوفیہ نے اسے دیکھا اور پاس آ کر کھڑی ہوئی۔

”تاجدار نے ظلع لے لی تھی..... شجاع نے چاہنے کے باوجود بھی ان پیچ پر سائن کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اس کے بعد اس نے کوئی ربط نہ کیا..... مجھے نہیں پتا کہ تاجدار کہاں گئی۔“

صوفیہ نے آہستگی سے اسے حقیقت سے آگاہ کیا۔ ”مئی نے ایسا کیوں کیا؟ اور آپ بابا کی زندگی میں کیسے آئیں؟“ سبحان نے تجزیہ کر لیا تھا کہ وہ ان سے سوال کر کے اپنی انہن دور کرے گا۔

”تمہارے بابا اب بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے تھے..... جب ساتھ ہوئے تو دونوں ہی بھگوت نہ کر سکتے ایک دوسرے کے ساتھ کوئی جذبات لگاؤ نہ ہوا اور ایک بندھن میں بندھ جائیں تو اس تعلق کی عمر تک نہیں بڑھتی جب تک کھوت نہ کر لیا جائے..... تمہارے بابا کچھ دھڑکتے پہلے تو نہیں لیکن بعد میں انہوں نے کوشش کی تھی تاجدار یوں تو بہت اچھی لگی لیکن اس تعلق کو وہ نبھانے میں ناکام رہا۔ یہ ان کی غلطی نہیں تھی محبت بڑھتی نہیں کی جاتی..... ان سے کھوت نہیں ہو پایا تھا اور بابا غریب بندگی ہو گئی۔“ صوفیہ نے پوری ایمان داری سے سبحان کو بتایا۔

”آپ..... آپ کون ہیں؟ کس حوالے سے بابائے کہا تھا کہ آپ میری موم ہیں؟“ سبحان کو ان کی باتوں پر اس لیے بھی یقین نہ آیا تھا کہ شجاع نے بھی اکثر ایسی کچھ بتایا تھا۔

”تمہارے پاس کسی کی بھی ناں اس حوالے سے.....“ صوفیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور دوبارہ کام کرنے لگی..... تو سبحان نے بھی مزید کریدنا مناسب نہ سمجھا جانتا تھا وہ اسے سب بتا دیں گی لیکن ابھی نہیں ابھی وقت دیر ہے۔

وہ ابھی تک جان نہ سکا تھا کہ وہ کون ہے؟ مومن منزل سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ وہ اتنے استحقاق سے مومن منزل میں کیوں تھی وہ کسی سے پوچھ بھی نہ پاتا تھا کہ یہ اس کی شان کے خلاف بات تھی..... وہ اسے چلتے پھرتے کام کرتے سب کے ساتھ ہنستے بولتے دیکھتا رہا تھا۔

”تم میرے کام کیوں نہیں کرتی؟“ شدید گرمی کے باعث سب لوگ لان میں براجمان تھے صوفیہ کٹاؤ اور عمارا سب کے لیے کیو پانی تیار کر رہی تھیں کہ عازری جگن میں داخل ہوا۔

”کون سا کام.....؟“ وہ اب قدرے بڑھتا ہوا ہو چکی تھی۔ اس کے سامنے جانے پر کچھ پانی بھی اس کے حلقہ تھا عازری ابھی ان دونوں کے درمیان تعلق سے انجان ہے۔ میمونہ بیگم نے سب کو منع کر رکھا تھا کہ جب تک وہ نہ کہیں عازری سے اس بارے میں کوئی بات نہ کہیں۔

”کوئی بھی کام.....“ اس کا انداز نرم تھا یا شاید اس کو صوفیہ کی جانب سے کوئی توجہ نہیں مل رہی تھی تو جان بوجھ کر ایسا لہجہ اپنایا تھا کہ وہ مزید غفلت کرنے پر مجبور ہو جائے۔

”آپ کام بتا دیں میں کر دوں گی۔“ صوفیہ نے مسکراہٹ روک کر کہا۔

”ایک کپ چائے مل سکتی ہے۔“ ”آپ پوچھ رہے ہیں یا حکم دے رہے ہیں؟“ صوفیہ نے اس کی کیو پر ڈال دیا یا لہذا اس سے پوچھا۔

”نہ پوچھ رہا ہوں نہ حکم دے رہا ہوں دے سکتی ہوں یا دو۔“

”اسٹرونگ چائے اتنی شدید گرمی میں کس کے لیے؟“ صوفیہ نے پوچھا۔

”میرے لیے.....“ عازری نے اسے دیکھ کر کہا اس کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ اس وقت وہ جلد از جلد جگن سے نکل جانا چاہتی ہے۔

”پکارتی ہوں آپ یہ کس کیو پر باہر لے جائیں.....“ اس نے بنا کسی اعتراض کے کہا اور چال اس کی جانب بڑھا۔

”میرے جھٹکن.....“ وہ دیر مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”جھٹکی.....؟“ صوفیہ نے پوچھا۔

”کم ہی جھک کر لا رہا ہے اور شوگر زیادہ خور نہیں کر پاؤں گا۔“ ان دونوں میں درپردہ ایک بات چل رہی تھی وہ جان چکی تھی کہ عازری اس کو لگ کر رہا ہے اور عازری بھی اس کے جان جانے سے انجان نہیں تھا۔

”اتنی گرمی میں کون چائے پیے گا؟“ وہ ایک چھوٹی سی ٹرے میں چائے کی پیالی رکھ کر لان میں کچکی تو عازری کی حیرت زدہ آواز پر سب نے پلیٹ کر صوفیہ کو دیکھا جو بے وقوفوں کی طرح عازری کو دیکھ رہی تھی۔ جو مسکراہٹ دبا لے

دونوں ہاتھ باندھے کھڑا اس سے پوچھ رہا۔

”میں نے سوچا شاید کسی کو چائے پینے کا جی چاہے تو بنا کر لے جاتی ہوں۔“ چند ہی لمبے میں صوفیہ پھیل گئی تھی۔ بڑھ کر اسے لہجے میں بولی اور آگے بڑھ کر ٹرے ٹیبل پر رکھ دی۔

”ناشاہد.....“ بولتے ہیں اچھی تربیت کے گن.....

سب کی ضروریات کا خیال رکھنا صرف میری صوفیہ کو ہی پتا ہے۔ میمونہ بیگم کی تعریف پر وہ مسکراتے ان کی طرف بڑھی جبکہ عازری نے لب بچھ لیے تھے۔ وہ اب سب کو اس کریم اور ٹرائفل سرو کرنے میں شاہ اور عمارا کی مدد کرنے لگی تھی۔

عازری سن ہی سن میں اس کی حاضر جوابی کا قائل ہو گیا تھا اور اس کی تعریف پر تلملایا بھی تھا۔

”وہی جان یہ صوفیہ کون ہے؟“ جب کاٹی دانی گزر گئی اس کی بڑھتی اہمیت نے عازری کو میمونہ بیگم سے پوچھنے پر مجبور کر دیا۔

”بھئی کو تو اسی ہے۔“ میمونہ بیگم نے پتہ تخت پر بیٹھی بچکے کے خلاف پرکڑھالی کرتے ہوئے بولیں۔

”بھئی اور بی بی کی تو ہی اور اتنی خوب صورت.....؟“ وہ زبردست ہوا۔ میمونہ بیگم نے گن اکھیل سے اس کے پتے سوچا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ انہوں نے اس سے پوچھا۔

”یہاں کام کرتی ہے؟“ وہ اس کی مومن منزل میں موجوں کی نوعیت جاننا چاہتا۔

”نہیں.....“ وہ اب یہاں ہی رہتی ہے۔ میمونہ بیگم نے اسے بتایا۔

”اس پر تو کروں والے رعب نہ جمانا مجھے بہت عزیز ہے۔“

وہ..... میں جانتی ہوں وہ ہمیشہ یہاں ہی رہے جاسے..... بہت قلعے اور پیار کی بچی ہے۔ میمونہ بیگم نے ذومعنی انداز میں کہا لیکن عازری کا دھیان نہ تھا ان کی طرف۔







ہے۔“ سبحان نے معاذ ہاشم سے دوستی کی ساری تفصیل ان کے گوش گزار کر دی۔ اس کشمکش و محبت کی نشانی سے لے کر ان کی لائبریری سے کتابیں لانے تک..... گھر کی صفائی اور ان سے لگتی ہر ایک بات صوفیہ اب جان چکی تھی۔

”اختیار کرتا بعض لوگ محبت کے نام کا جھانساوے کر اعتماد کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور امتیاز پر زور دے کر کہتے ہیں۔“ صوفیہ نے بے حد تجسید کی۔ سنا سے جھکا ضرور ہی سمجھا۔

”ذہنت وہی موم..... ہی از اے بختل میں۔“ سبحان نے انہیں تسلی دی صوفیہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر مزید کچھ بھی کہہ مناسب نہ سمجھا۔

اس کا ہاتھ پکڑے وہ میمونہ بیگم کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ بنا کوئی اعتراض کیے اس کے ہمراہ چل پڑی تھی۔ میمونہ بیگم کے ہمراہ جمیلہ اور عالیہ بھی براہ جان گئیں۔ انہی دنوں عمار اور ثناء کے لپٹے آئے رشتوں پر سمجیدگی سے غور و فکر کی جارہی تھی۔ صوفی کا پس عازلی کے ہمراہ اتنا تان تھیں نے پہلے ایک دوسرے اور پھر انہیں دیکھا۔

”کیا ہوا؟“ میمونہ بیگم نے عازلی سے دریافت کیا۔ اس نے صوفی کو ان کے پاس بٹھایا اور خود نیچے ان کے قریب بیٹھ گیا۔

”آپ چاہتی تھی ناں یہ ہمیشہ یہاں رہے؟“ عازلی نے پوچھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا جبکہ صوفی اس ساری صورت حال پر شرمیلی رہی۔

”میں بھی ایسا ہی چاہتا ہوں مگر آپ کی بہو بن کر یہ یہاں رہے۔“ اس نے جمیلہ کو دیکھا۔

”دیکھا میں نے کہا تھا ناں ابھی اس کو کچھ نہ تھا۔“ خود میری صوفی کو میرے پاس لے گئے۔ میمونہ نے فخر سے کہا تو جمیلہ اور عالیہ بھی ہنسنے لگیں۔ عازلی نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”کیا مطلب؟“ ایک دم وہ پوچھنے لگا اور خود کو غور و خوض تھا بنا کسی دباؤ کے تو میمونہ بیگم نے ساری بات اسے بتادی۔ عازلی نے صوفی کو دیکھا جواب دینے پر ہنسی تھی۔

”کیا تم جانتی تھیں.....“ عازلی نے انتہائی تجسیدگی سے میمونہ بیگم جمیلہ اور عالیہ کی ہنسی کو دیکھا اور صوفی سے پوچھا اس نے اثبات میں سر ہلایا تو یک دم اس کی نظر میں بدل گئیں۔ ایک بل میں اس کی ضد لوٹ آئی جو چیر پا قبول کو پسند ہو سکتی ہے وہ اس کے لیے بھی خاص نہیں ہوتی تھی جہاں چار لوگوں کی پسند اس کی پسند سے ملتی وہ اپنی پسند بدل لیتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ صوفی بختلور لیا لی کی کو اس ہے جب عازلی اس سے رشتہ جوڑنے کی خواہش ظاہر کرے گا تو مومن منزل میں ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا بے شک صوفی ان کی جیتوتی ہے لیکن جو کے روپ میں سے قبول کرنا نہیں ایک بے ذہنت تھی لیکن یہاں تو ساری مادی ہی اٹھ گئی تھی۔

”صوفی دلاوی جان یہ نہیں ہو سکتا.....“ انتہائی سیات انداز میں اس نے اپنا فیصلہ بدلا اسے منظور تھا کہ خواہ میں اس پر نہیں ان کی چال کا صیاب ہو اور وہ عقول کے ہاتھ کی کٹہ تھی بننا..... مردانہ اتنا کا سمجھنا اہل لے ان تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ چیزوں کے لیے پسند کو بدل لینا آسان ہو سکتا ہے لیکن کسی انسان سے وعدے کر کے پھر اسے پاپسندیدہ قرار دے دینا انتہائی دشمن۔

”تمہارا دماغ درست ہے کیوں نہیں ہو سکتا؟“ جمیلہ نے اس کے خطرناک تیور کو قریب لہذا نظروں سے دیکھا۔

”تم اچھی دوست نہیں ہو تو تم نے ہموکا دیا ہے مجھے“ عازلی نے صوفی کی طرف دیکھ کر انتہائی حق انداز میں کہا اور اسے بے ڈم بھرتا وہاں سے اٹھ گیا اور وہ سب جو چہرے تھے پہلے بے اختیار خوش تھے یک دم ہی جیسے سکتے تھے میرے گئے اور پھر بڑا دل و دلیلوں منتوں کے باوجود بھی عازلی نہ مانا۔ میمونہ بیگم کو بوجے چو مان تھا وہ لوٹے گا تھا۔

”میں تمہیں صاف نہیں کروں گی۔“ مومن منزل سے ہر ناطقہ توڑ کر جانا ہو گا تبھی صوفی کی محبت سے زیادہ انہیں اپنا مان لوٹ جانے کا غم تھا۔ لاف پیا سے بھی اس کی اتنا کا پرچم نہ چھتا یا تو میمونہ بیگم نے وہ مشکل دی اور یہ وہ مقام تھا جہاں وہ بارگیا کہ انہوں کے بغیر رہنا وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

لندن جانے سے پہلے اس نے صوفی کو باقاعدہ اپنے نام

سے منسوب کر دیا۔ دنوں کا نکاح ہوا پھر وہ چلا گیا..... پہنچ کر اپنی خیریت کی اطلاع دی اور پھر عازلی کہاں تھا مومن منزل کے کیمپوں میں سے کسی کو کوئی خبر نہ ہوئی۔ اس کی گریجویشن مکمل ہو چکی تھی مومن منزل میں اس کی آمد کے سبب ہی منتظر تھے۔ صوفی کوئی جرم نہ کرتے ہوئے بھی اسے آپ کو جرم سمجھ رہی تھی ایک سال سے مسلسل خاموشی تھی۔ میمونہ بیگم اسے ہر وقت مل رہی تھیں۔

”تم فکر نہ کرو وہ لوٹ کر آئے گا۔ وہ میرا خون ہے تھوڑا ضدی خود سر ہے لیکن پتھر دل نہیں.....“ ان کی کسی پر وہ پتھر سے مسکراتی۔

”تم جانتی ہو کبھی بھی مجھے پنا آپ چھانیں لگتا میں اپنی ضدی طبیعت سے تنگ آ جاتا ہوں ضد میں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میرا دل پتھر کا ہو چکا ہے کوئی احساسات نہیں دھڑکنوں میں کوئی تسلسل نہیں..... اور مجھے اتنا ضدی اور پتھر دل عازلی اچھا نہیں لگتا۔“

”تو ایک ضد نہ کیا کریں جس میں دل پتھر کا بن جائے۔“

”کوشش کرتا ہوں لیکن پتھر کنٹرول نہیں رہتا..... تم دعا کرتا کہ میں بدل جاؤں میرا دل بھی پتھر کا نہ بنے۔“

ایک سال سے وہ دعا ہی تو کر رہی تھی۔

”عازلی بیٹا واپس آ جاؤ اب۔“ صوفی کی سماعت میں میمونہ بیگم کی انتہائی ہنسی تو اس کا ہر ایک عضو کان بن گیا۔

”کیا عازلی.....“

”یہ جاب میرے لیے بہترین آفر ہے۔“ عازلی جان میں اس سال پاکستان نہیں آ سکتا۔“

”لیکن تمہارا تو وہاں جاب کا کوئی ارادہ نہ تھا؟“ وہ غصے سے بولیں۔

”بہت اچھی جاب ہے۔“ عازلی جان پانچ سال کا کنٹرولیک ہے۔“

”تو تم پانچ سال تک پاکستان نہیں آو گے؟“ میمونہ بیگم نے اس سے پوچھا۔

”ابھی سوچا نہیں دلاوی جان.....“

”ٹھیک ہے پھر صوفی کو وہاں بلاؤ۔“ میمونہ بیگم نے کہا

جہاں اسے جیرانی ہوئی وہاں صوفی بھی چوکی۔

”دلاوی جان میرے پاس ابھی گھر نہیں ہے۔“ اس کا لہجہ مدہم ہوا۔

”کیا تم فٹ پاتھ پر رہتے ہو؟“ انہوں نے ہاتھ پر مل ڈال کر پوچھا۔

”جی ہاں چان لیکن ایسی کنڈیشن میں نہیں ہوں کہ نیلی کو ساتھ رکھا جائے۔“

”عازلی تم میرا مان تو ذرے بڑا صوفی کے سامنے میرا سر جھکا رہے ہو۔“

”دلاوی جان..... مجھے چہرہ مال مہلت دیں۔“ اس نے مدہم ہوتے ہوئے بھی اترا کیا اور اس اترنے صوفی کے دل کو جیسے دھوک لگایا تھا اور پھر چہرہ کے بعد وہ عازلی کے پاس چل گئی۔ اس کا دل جیتنے کے لیے اس کے پتھر دل کو بدلنے کے لیے۔

”تم نے جھوٹ بولا ہے میرے ساتھ۔“

”میں نے کون سا جھوٹ بولا اگر آپ میرا ہاتھ پکڑ کر بی جی کے پاس نہ جاتے تو آج میں یہاں کبھی بھی نہ ہوتی۔“ اس کی بات سچ تھی لیکن عازلی کو ہلکا جانا منظور نہ تھا وہ اس کے پاس آ تو تھی لیکن وہ مسلسل اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ ایک سال مسلسل کوشش کے بعد جب وہ کامیاب نہ ہوئی تو ایک روز اس کے جاب پر جانے کے بعد وہاں سے چلی گئی۔

”عازلی.....“ میں ایسے انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی جو مجھے تحفظ نہ دے سکے جو میری غلطی نہ ہونے کے باوجود مجھے سزائے موت سنا دے جو میرے غلوں کو میری چال سمجھیں گے۔“ کوشش تھی کہ میں ایک اچھی دوست بن سکی تو اچھی بیوی ضرور بنوں لیکن آپ نے مجھے اس کوشش میں بھی ناکام کر دیا۔ مجھے حوصلے کی کوشش نہ کرنا میں نہیں جانتی کہ میں کہاں جا رہی ہوں پولیس کے ذریعے بھی مجھ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنا شاید میں آپ کو مل جاؤں مل گئی تب بھی میں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی زبردستی کی تو یہاں عورتوں کے حقوق بہت ہیں میری ایک جی آپ کی بی بیائی عزت میں میں ملا دے گی۔ مومن منزل میں میرے حوالے سے آپ



سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ آپ اپنا خیال رکھنا اور کوشش کرنا کہ ضد میں انتہا آگے نہ جائیں کہ کسی دوسرے کی زندگی بہرہ دار ہو جائے۔ میں نے آپ سے محبت کی تھی لیکن وہ آپ کی ضد کی نظر ہو گئی۔ اللہ نگہبان۔

”محمد سبحان.....؟“ انہوں نے اسے پکارا۔  
 ”یہ..... کیوں ہیں.....! ان کا نام صوفیہ ہے یاں؟“ محمد  
 سبحان نے ایک لڑکی کی تصویر کو ان کے سامنے کر کے پوچھا۔  
 ”تم صوفی کو کیسے جانتے ہو؟“ معاذ ہاشم کے لیے یہ پل  
 انہیں خواب کی طرح لگ رہا تھا۔



مضبوط کر لی۔

”مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے۔“

”مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے۔“ جتنی بزرگی سے اس نے کہا تھا اتنی ہی شیریں لہجے میں معاذ نے بھی کہا۔

”اب بہت وقت گزر چکا ہے عازیٰ اور میرے پاس محمد سبحان کی ذمہ داری ہے۔“

”کون سا وقت گزر چکا ہے صوفی ہمارا وقت تو ابھی شروع ہی نہیں ہوا میں جانتا ہوں میری غلطی تھی یہ بھی مانتا ہوں

کہ اپنی ذمہ داریوں میں میں نے تمہارا دل بھی لکھا لیا۔“

”تو زبانی سے اور کوئی چیزیں جتنی نہیں ہیں۔“ وہ ابھی تک کھورتی ہوئی تھی۔

”تم مجھے ایک موقع دو میں جوڑ لوں گا۔“ معاذ نے لادھکت سے کہا۔

”مون منزل کا ہر ایک کیمن مجھ سے خفا ہے سات سال سے میرا کسی سے کوئی رابطہ نہیں۔“ معاذ اسے بتایا۔

”میں نے آپ پر کوئی الزام نہیں لگایا تھا۔“ وہ رخ موڑ کر بولی۔

”لیکن تمہارا یوں غائب ہو جانا مجھے مجرم ثابت کرنے کے لیے کافی تھا۔“ معاذ نے کہا۔

”میری غلطی نہیں ہے آپ کے ساتھ رہنا میری لیے ممکن نہ رہا تھا۔“ صوفی نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ پھیر لیا اور ان کے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”محمد سبحان کون ہے۔۔۔۔۔ اور تمہیں مہم کیوں کہتا ہے؟“ معاذ نے مہری سانس لے کر پوچھا۔ صوفی نے انہیں دیکھا۔

”شجاع اوتا جدار کا بیٹا۔“

”شجاع کون۔۔۔۔۔“ معاذ نے خیر فانی سے پوچھا۔

”جنتا دیلی کا پوتا۔“ دوسرے بل معاذ کو یاد آیا۔

”لیکن دلو۔۔۔۔۔“

صوفی اتنا حیرت سے تنک کہاں اور کن حالات میں رہی تھی ان کے لہجے میں کسی قسم کا شک نہیں بلکہ ایک فکر تھی صوفی کو محسوس تو ہوا

لیکن تاحال وہ بدظن نہ رہی۔

”جب آپ کے گھر سے نکلی تو شجاع سے ہی رابطہ کیا تھا انہی دنوں ان کے اور تاجدار کے حالات تکمیل صورت اختیار

کر چکے تھے وہ دنوں میں شجاع کی طلاق کی صورت میں ہو چکی تھی شجاع بہت پریشان تھے محبت کے باوجود وہ تاجدار کو اپنا

نہایتا سکے تھے۔“ صوفی غیر مرئی نقطے پر نظر کر رہے تھے انہیں بتا رہی تھی اس کی آخری بات پر معاذ نے چونک کر اسے دیکھا۔

”میں بہت پریشان تھی تو پریشانی آخری حد کو چھوئے لگا تھا شجاع کا گھر بھی بھرا ہوا تھا محمد سبحان کی زندگی ابھی ستر

ہو رہی تھی محمد سبحان کو سنہالنے کی خاطر شجاع نے اسے کہا کہ وہ مجھے مہم کہا سکتا ہے شجاع نے اپنے گھر کو چھوڑنے اور مجھے

سہارا دینے کی کوشش کی اور جب حالات سنبھلنے لگے تو ان کی زندگی نے بے روفائی کر دی تاجدار کی جدائی اور محبت کی ناکامی

برداشت نہ کر سکے اور چل پڑے۔“

”کیا تمہیں میرا انتظار تھا؟“ معاذ ایک بار پھر اس کے قریب کھڑے ہوئے۔

”نہیں۔۔۔۔۔“ وہ ایک بار پھر رخ موڑ گئی تو معاذ مسکرا دیے۔

”چائے حاضر ہے۔“ ہلکی سی دھتک دے کر محمد سبحان کمرے میں داخل ہوئے۔

”نکل آپ۔“

”نہیں۔۔۔۔۔“ انکل نہیں۔۔۔۔۔ تم آج سے مجھے بابا کہو گے۔۔۔۔۔ تم صرف ابھی مہم کی نہیں میری بھی ذمہ داری ہو۔“

”ایک دم ہی معاذ نے فیصلہ کیا۔“

”آپ زندگی ہماری زندگیوں میں نہیں شامل ہو سکتے۔“ صوفی نے غمی سے ان کی بات مٹا دی۔

”میں آپ کی زندگی میں شامل ہوں سر صوفیہ معاذ۔۔۔۔۔ اور اگر آپ کو یاد ہو تو آپ کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی گئی تھی اور نہ ہی اب آپ انکار نہیں کر سکتی۔“ معاذ نے انتہائی سنجیدگی سے کہا جبکہ سبحان ابھی تک شش و پنج میں مبتلا تھا کہ اسے کیا

کرنا چاہیے۔

”کوئی۔۔۔۔۔ خوش فہمی ہے آپ کی۔۔۔۔۔“ صوفیہ نے نفرت سے کہہ کر قدم ہاتھ پر بڑھا دیے۔

”باہر جانے کے سارے راستے اب مسدود ہو چکے ہیں۔“ معاذ ایک لحظہ ان کی راہ میں حائل ہوئے۔ صوفیہ نے

شعلے رسائی انکا ہوں سے انہیں دیکھا۔

”ہو چکا ہوں گھر میں مزید کشاکش نہیں ہے اب۔“ ان کی آنکھوں میں جھانک کر وہ بولے۔

”محمد سبحان جینا ہر پاکستانی جاسے ہیں آپ بھی اپنی تیاری کرو۔“ صوفیہ نے ایک بار پھر زبردستی بڑھائے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دھک کر معاذ پر محمد سبحان سے مخاطب ہوئے۔

”ہم کہیں نہیں جا رہے۔“ وہ چلا کر بولی۔

”صوفی اب ضد نہ کرنا۔“ معاذ ملل انتظار سے بولے۔

”میں نہیں جاؤں گی۔“ وہ ضدی انداز میں بولی۔

”تو میں اٹھا کر لے جاؤں گا۔“ وہ شریر انداز میں سرگوشی کر گئے۔

”محمد سبحان آپ تیاری رکھو بیٹا مہم کی باتوں پر دھیان نہ دو میں اب ان کو سنہال لوں گا۔“ معاذ نے اس سے کہا تو وہ

اثبات میں سر ہلا کر باہر نکل گیا۔

”تم نے وہ گھر دیکھا جہاں تم آئی تھی؟ تب سے آج تک اس کی حالت ویسی ہی ہے ایک چیز بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوئی وہ مکان مکمل کھنڈر بن چکا ہے سبحان اس گھر کی

حالت جاننے کے شوق میں ہی مجھ تک پہنچا تھا۔“ معاذ نے اسے بتایا۔ صوفیہ کو یاد آیا سبحان نے کسی گھر کا ذکر کیا تھا لیکن

تب اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔

”ماں جاؤ صوفی۔۔۔۔۔ اپنے اور میرے اسکے بچے کو دور کر دو۔۔۔۔۔ میری زندگی میں دلچسپی آ جاوے۔۔۔۔۔ مجھے تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے۔“ وہ ہاتھ جوڑے اس سے کہہ رہے تھے۔

”اوس کے چلیں۔۔۔۔۔ لیکن مجھے دقت چاہیے۔“ ایک دم وہ بولی۔

”سارا وقت تمہارا ہے بس میری زندگی میں آ جاؤ سبحان

کی ذمہ داری میں بھی میں تمہارے ساتھ ہوں اسے ایک مکمل گھر دیں گے شجاع کے خواب اور تمہارے اس کے ساتھ کے

گئے دھوے کو پورا کریں گے۔“

”جھینگ بون۔“ وہ دھیرے سے بولی تو معاذ نے ایک دم اسے حصار میں لے لیا۔

”یہ خطا اب تاجر کا کام ہے۔“ وہ دھیرے سے بولے۔

”اب میں دلدی جان کے سامنے سرخرو ہو سکوں گا اب خوب محبت کی روشنی سے منور ہوں گے۔“ معاذ کی خوشی ویدلنی

تھی برسوں کی تنگیں مل بھر میں اتر چکی تھی طویل انتظار واصل رہت میں داخل ہو چکی تھی۔

معاذ نے محبت کی نشانی کو ایک خیر صورت کل بنانے کی ذمہ داری غلام احمد کو سونپ کر معاذ ہاشم صوفیہ اور محمد سبحان کے

بہراہ پاکستان روانہ ہو گئے تھے۔

”مون منزل۔“ میں ان کا استقبال شاہانہ انداز میں کیا گیا تھا۔

”واہ ابھی وہ بیٹے کو تو جوان کر کے لاسے ہو۔“ محمد سبحان کو سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان دنوں کا خوب ریکارڈ بھی لگا۔

مون منزل ایک بار پھر چمکانے لگی تھی۔

اب کہیں کوئی ضد نہ تھی

محبت تھی اور بہت ساری خوشیاں

تھیں۔

”اوس کے چلیں۔۔۔۔۔ لیکن مجھے دقت چاہیے۔“ ایک دم وہ بولی۔

”سارا وقت تمہارا ہے بس میری زندگی میں آ جاؤ سبحان

کرتا چاہیے۔



# ہومیوکارنر

## طاعت نظامی

نظری کمزوری جسم کے محسوس کرنے والے اعضا میں سب سے اہم اور قیمتی چیز ہماری آنکھیں ہیں۔ اپنی آنکھوں سے ہم دنیا کے قریب لگاؤں سے اظہار انداز ہوتے ہیں انکی آنکھوں سے ہر چیز کی پہچان ہوتی ہے پڑھنے لکھنے اور علم حاصل کرتے ہیں اسی لیے ہم اپنی آنکھوں کی حفاظت بہت محنت لیتی جا رہے ہیں۔ نظری کمزوری کی کمی اور عیوب ہوتی ہیں عام کمزوری پانچ ایک کے ذریعے ہی قایم رہا جاسکتا ہے اس کے لیے آنکھوں کے ڈاکٹر سے مشورہ ضرور کرنا چاہیے بچوں کی آنکھیں کمزور ہوں تو چھوٹی عمر سے ہی اس کمزوری پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اگر کمزور نظری میں ادھل عمری سے عینک نہ لگائی جائے تو آنکھوں کی چھائی بہت کمزور ہوتی جاتی ہے جسے بعد میں ٹھیک کرنا مشکل ہو جاتا ہے نظری کمزور ہو تو آنکھوں پر زور پڑتا ہے جس سے اکثر سر درد کی شکایت ہو جاتی ہے یہ شکایت بھی صبح بھر کی عینک لگانے سے دور ہو سکتی ہے چشمیوں، چالرس سال کی عمر کے بعد زیادہ تر لوگوں کی قریب کی نظر کمزور ہو جاتی ہے جس سے سوئی میں دھا کر ڈالنے یا باریک کام کرنے میں دقت ہوتی ہے باریک عام بات ہے اور عمر کا تقاضا ہے اس کے لیے بھی عینک لگانی چاہیے جسے صرف پڑھنے اور باریک کام کرنے کے لیے لگاتے ہیں۔ دماغی کمزوری کی چند خطرات کا جو بابت بھی ہو سکتی ہیں مثلاً کالا مولیا (Glaucoma) یا نمودنی پردے کا ٹل جانا (Detached Retina) دونوں صورتیں خطرناک ہیں اس صورت حال میں جلد از جلد ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے کیونکہ دیر کر کے سے بچائی کو جو نقصان پہنچے گا وہ انکارنا ممکن ہے۔

نظری کمزوری

Asthenopia

دوجوہات:- دماغی یا عصبی کمزوری کثرت دماغی محنت باریک بینی یا تلفظ دہانہ کی نظر پر برے اثرات ڈالتی ہے۔

علامات مرض:- (Clinical Features) تھوڑی دیر لکھنے پڑھنے سے یا کوئی اور نظر کا کام کرنے سے آنکھیں تھک جاتی ہیں اور ان کے سامنے اندھیرا سا آ جاتا ہے کتاب وغیرہ پڑھتے ہوئے حروف جھٹک ہو جاتے ہیں آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے اور سر میں ہلکا ہلکا درد ہونے لگتا ہے۔

علاج:- ضروری ہو جائے تو اصل سبب کو رفع کریں زیادہ باریک بینی کا کام نہیں کرنا چاہیے آنکھوں کی صفائی کا خاص خیال رکھنا چاہیے نیز وقتاً فوقتاً آرام لینا چاہیے صبح شام چشمے پہننے پانی کے چھینٹنے، سر درد کو کم کرنے کے لیے صبح شام سر میں لکڑی کو دھونے اور کھانے پر لکھنے یا دوسرے سے بھی نظریوں کو عیوب لگتی ہے غذا زرد پھل اور خدایت سے بھر پور کھانے میں مرچ مصالحہ اور چھوٹی اشیاء اور دیگر نشیات مٹانا ضروری ہے پرہیز لازمی ہے۔

نظر کا کم ہونا:- (Amblyopia) یا دھندل نظر۔ اس مرض میں نظریات رفتہ رفتہ کم ہو کر دھندلی ہو جاتی ہے اگر یہ مرض بڑھ جائے تو پھر زہاب Amaurosis ہو جاتا ہے (نظر ہی جاتی ہے)۔

اسباب مرض:- کثرت تباہ کنوٹی خصوصاً کمزور تباہ کنوٹی یا سگریٹ کا زیادہ پین، کثرت شراب نوشی، کثرت چائے نوشی، سر پر جوت گناہ، جسم سے زیادہ خون نکل کر کمزوری ہو جانا انما حاصل میں مرض طبعی کی فوریا کا ہونا یا مزل یا کوئلہ اور بھی کوئین کھانے سے بھی یہ مرض ہو جاتا ہے اور بھی یہ مرض پیدا کی بھی ہو جاتا ہے۔

علامات مرض:- دونوں آنکھوں کی نظریات بہت کمزور ہونے لگتی ہے اور تھوڑے عرصے میں بہت گھٹ جاتی ہے یہاں تک کہ مریض روزمرہ کے کام کرنے سے بھی عادی ہو جاتا ہے جو چیزیں آٹھ کی سی دھندلی ہوتی ہیں وہ دکھائی نہیں دیتیں اور دور کی چیزیں بھی دھندلی نظر آتی ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں، ہنر اور سرخ رنگ کی شناخت نہیں ہو سکتی روشنی سے طبیعت گھبراہٹ ہے لیکن صبح شام جب یہ روشنی کم ہوتی ہے تو بے چینی کم ہوتی ہے سر میں درد ہوتا ہے نیز آہ آہی سے اور بھوک بھی کم لگتی ہے۔

نظر کا جاتے رہنا

(Amanrosis) اندھا پن

اسباب مرض:- اس مرض کے بھی وہی اسباب ہیں جو (Amblyopia) کے ہیں جیسے سر پر جوت لگنا دماغ میں رسولی یا پھوڑا یا تشکر لگنا یا جریان خون یا اجتماع رطوبت ہونا، عصبی خراش، دماغی خنق، سرخ بخارہ سوزش گردہ، درد سر، عصبی کمزوری، پیپ کے کپڑے تباہ کنوٹی نوشی، جسم میں نقص زہریلے کا پھیلنا مثلاً پلازما یا زہریلے کا ہونا عورتوں میں، جوش جنس و انما قتل وغیرہ۔

علامات مرض:- کبھی تو مرض رفتہ رفتہ اور کبھی بہت جلد ہو جاتا ہے نظریات روز بروز کمزور ہو کر اور کبھی دفعتاً زائل ہو جاتی ہے مختلف قسم کی علامات بھی دیکھنے کو آتی ہیں مثلاً کبھی نظر دھندلی ہو جاتی ہے کبھی شے غائب دکھائی دیتی ہے کبھی ایک چیز کی دو چیزیں دکھائی دیتی ہیں کبھی مریض اپنے ہی لکھنے کو نہیں پڑھ سکتا یا کچھ دیکھنے میں بالکل صحیح سالم دکھائی دیتی ہے مگر میدان بصارت میں نقص پڑا ہوا آ جاتا ہے وہ جاتی میں نقص کے باعث مریض کسی چیز کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا آٹھ کی پتلیاں لکھتی ہوئی یا سادہ ہوتی ہیں اندھیرے میں مریض کو کچھ دکھائی نہیں دیتا اس لیے وہ انھوں کی طرح چلتا ہے ہنر یا وغیرہ اور کوئین کے بکثرت استعمال کرنے سے یہ عارضہ ہو جاتا ہے بھی یہ مرض پیدا کی بھی ہوتا ہے۔

علاج:- اصل سبب کو معلوم کر کے اسے دور کریں نشیات تباہ کنوٹی، سگریٹ وغیرہ سے قطعی پرہیز کریں۔

چھائی:- جب مرض بوجہ اخراج خون یا بوجہ اخراج رطوبت زندگی وغیرہ سے پیدا ہو۔

ایمڈقاس:- جسمانی کمزوری سے جب یہ مرض ہو جائے۔

نفس و امیہ:- جب شراب نوشی یا تباہ کنوٹی کے باعث یہ عارضہ پیدا ہو۔

روہ:- جب آکھوں سے زیادہ کام لینے کے باعث یہ عارضہ ہوا۔

نیوٹانم:- جب باریک بینی کا کام کیا گیا ہو اور آنکھوں کے گے رنگ دکھائی دیتے ہوں۔

ایکویٹ:- موسم گرما میں سر دھسل کرنے سے یا ایک اندھا پن ہو جاتا۔

جلیہم:- ایک ایک نظر کا زائل ہو جاتا۔

جلاؤٹا:- جلیہم کی ایک ایک جگہ کے باعث نظر کا جاتے رہتا۔

فاسفورس:- ٹکس و امیکا کے بعد فاسفورس کا استعمال مفید ہوا کرتا ہے مریض کو مختلف رنگ دکھائی دیتے ہیں پڑھتے وقت حرف سرخ نظر آتے ہوں۔

نفس سلف:- موسم صبح کی روشنی میں مریض ٹھیک طرح نہ دیکھ سکے، پڑھتے وقت نظر دھندلی پڑ جائے روشنی سے ڈر سکے۔

انفرا (Hemeralopia):- اس کے علاوہ فریمسٹ اور علم ہم ایٹم کم وغیرہ بھی اپنی اپنی علامات میں کام آتے ہیں۔

انفرا (Hemeralopia):- اس مرض میں مریض کو اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دیتا یہ مرض درحقیقت ایماروسس کی ہی قسم ہے۔

اسباب مرض:- کبھی یہ مرض نمودنی ہوتا ہے اور کبھی عام سی جسمانی کمزوری یا آٹھ پر تیز دھوپ کی شعاع پڑنا یا ٹھکن وغیرہ اس کے اسباب ہوتے ہیں غالباً طبعی یا کمزور بھی اس کا سبب ہوتا ہے۔

علاج مریض کو تیز دھوپ میں نہیں جانا چاہیے اور غذا مقوی دکھائی جائے۔

کوئین ٹکس و امیکا کا استعمال اس میں مفید ہوا کرتا ہے۔



# بیاض دل

بیونس رومان

فیض محمد جج..... بھاگ ناڑی، بلوچستان  
مرحبا کیا موسم فرحت لڑا ہے عید کا  
ہر طرف جشن سرست ہو رہا ہے عید کا  
خاک نکلے دل کی حسرت جب نہ ہو تم سا حبیب  
جج ہے دل ہی خوش نہ ہو تو کیا مزہ ہے عید کا  
ایمان عاقبت..... اسلام آباد  
تختہ دعاؤں کا چھبیں چھپتے ہیں  
سدا رہے تمہارے گرد خوشیوں کا حیرا  
سرستیں چھبیں عید کی مبارک ہوں  
تمہاری زیست میں نہ آئے کبھی غموں کا پھیرا  
طلیہ شیریں

درد اوروں کے بانٹ لینے کو  
بزم ہستی میں عید کہتے ہیں  
ریا لیاں..... تلسمہ  
مصروف ہے غلغلی عید کی تیاریوں میں اور میں  
جو فکر ہوں کہ سب سے ہنس کر ملنا ہو گا  
حیاتِ مفلح..... اسلام آباد  
عید حسین ہے یوں تیری ہوا میں  
جیسے چودھویں کا چاند ہو رات کی سیاہی میں  
مصباحِ خلیب..... کالاکوچراں، جہلم  
کس سمت سے آو گے عید پر اتنا تو بتا دو  
میں آج سے ہی بچا دوں اس راہ پر لگا ہوں  
ہمدانہ بلوچ..... ڈیرہ اسماعیل خان  
ہجر کی ماری ان آنکھوں کو اشکوں کی تہیہ مبارک  
جن آنکھوں میں تم لپکتے ہو ان آنکھوں کو عید مبارک  
مکرم قاضی..... وہاڑی  
دل آرزو ہے کہ عید پر تجھ سے منگھو کروں  
مگر یہ حسرت، حسرتوں کا شمار رہی  
صباحِ ملی..... کراچی  
تم آؤ جو اس عید پہ تختہ کریں گے پیش

ہم تو مگر حسرت کے مجسمہ بنے رہے  
کنول خان..... ہری پور، ہزارہ  
دیکھوں جو چاند سا چہرہ تیرا  
عید سے پہلے میری عید ہو جائے  
فضہ خان..... ہری پور، ہزارہ  
تیرے کہنے پہ لگائی ہے یہ مہندی میں نے  
عید پہ لب نہ تو کیا تو قیامت ہو گی  
سید فرحان حاکمی..... کراچی  
خوشبو مہندی چوڑی آج کل بچا سنوں اور مسکان  
بھٹک دکھا کر کرو عید کی ساری خوشیاں میرے سام  
انابہ حسن..... ڈیرہ غازی خان  
ہجر کے باروں کا درد کا ساں بنے  
شب کے آنکھ میں چمکتا ہے عید کا چاند  
صباحِ رقیق چیم..... گوجرانوالہ  
جمل خزانہ، ہجر حاصل اداں موسم درد کال  
عید کیا ہے شہرات کیا ہے، دن کیا ہے رات کیا ہے  
عقلی راجپوت..... گجپورہ  
مل لیں گے ہم اپنے ہی گلے ڈال کر بانٹیں  
اے بھولے ہوئے دوست تجھے عید مبارک  
انبالاحر..... این ایس آر، کوٹ سندھ  
وہ جن کہ کسے دل میں فقط درد مسلسل ہے  
بتاؤ تو سکتی، وہ عید کا مفہوم کیا جائیں  
صفیہ گل..... ساہوالی  
اک سکون مانگا ذرا اور وہ سناٹے میں  
اب رہے ہاں تمہاری یاد بھی آتی نہیں  
وہ ملتا ہے ابھی تک مستکر کر رہی تیرا  
اک گرہ جو پڑ گئی ہے دل میں وہ جالی نہیں  
صباحِ صبا..... آزاد کشمیر  
اب ان دنوں میں غلغلی خوشیوں کی تصویر ہے  
ہر لفظ تجھے کی طرح عمل کر رہا چہرہ ہوا  
شاید اسے بھی لے گئے ایسے دنوں کے قافلے  
اس بارے میں اک پھول تھا تیری طرح ہنستا ہوا  
ظلی ہما..... فیصل آباد  
خود بھی اترا ہے آسمانوں سے  
مجھ کو پستی میں ڈالنے کے لیے

خود بھی بنام ہو گیا کوئی  
مجھ پر تہمت اچھالنے کے لیے  
ارم صبا..... تلہ گنگ  
دیکھو کیسے دل پھیلا پھیلا کر ہاتھ  
مانگ رہا ہے تم سے چاہت کی خیرات  
میں جی لوں گا مجھ کو داس سے تاریکی  
سارے دن تم لے لوں مجھ کو دے دو رات  
جویریہ صبا..... کراچی  
چند بات دوستی کے نہیں ہیں تو کیا ہوا  
آپس میں میل جول کی راہیں کھلی رہیں  
سب سے ادنیٰ ایسی اصول ہے  
دل کے کواڑ بند ہوں بانٹیں کھلی رہیں  
بالہ سلیم..... کراچی  
میری پلکوں پر بھادی گرم صحراؤں کی دھوپ  
اپنی آنکھوں کے لیے اس نے سمندر رکھ لیا  
دید کی جھوٹی کہیں خلی نہ رہ جائے عدیم  
ہم نے آنکھوں پہ تیرے جانے کا منظر رکھ لیا  
سمندر شاہین..... بیروال  
کسی کو کیا جو قدموں میں جبین بندی رکھ دی  
ہماری چیز تھی ہم نے جہاں چاہا وہاں رکھ دی  
جو دل مانگا تو بولے ٹھہرو! یاد کرنے دو  
ذرا سی چیز تھی ہم نے خدا جانے کہاں رکھ دی  
آیت فاطمہ..... رحیمیار خان  
کسی سے بولنا اور دیکھن اچھا نہیں لگتا  
تجھے دیکھا ہے جب سے دور کہنی اچھا نہیں لگتا  
تیرے چہرے پر جب سے اپنا کس دیکھا ہے  
میرے چہرے کو کوئی آئینہ اچھا نہیں لگتا  
یامہ چوہدری..... گجپورہ  
موسم موسم آنکھوں کو ایک سنا یاد رہا  
مندیوں جس میں سے تمہیں وہ کس یاد رہا  
تو ہی دھڑک کے رنگ تھے ساتوں اس کے چہرے پر  
ساری محفل بھول گئی وہ چہرہ یاد رہا  
عاصمہ..... محلوال  
رستے پر نہ بٹھو کہ ہوا تنگ کرے گی  
مجھڑے ہوئے لوگوں کی صدا تنگ کرے گی

مست نوٹ کے چاہو اسے آغاز سفر میں  
مجھڑے گا تو ہر ایک ادا تنگ کرے گی  
فیاض اسحاق..... سرگودھا  
بے چین مزاجی کا سبب کچھ نہ تھا  
سوچا تو مجھڑنے کا سبب کچھ نہ تھا  
اس سخت زمانے میں تجھے لاکھ چاہیں  
ہم نے تجھے تک چاہا جب تو کچھ بھی نہ تھا  
حسرت روا اکرم..... ڈولال  
دل تھا کہ خوش خیال تجھے دیکھ کر ہوا  
یہ شہر بے مثال تجھے دیکھ کر ہوا  
طوفان شب فراق تیری خیر ہو کہ دل  
آباد وہاں تجھے دیکھ کر ہوا  
پردین افضل شاہین..... بہاولنگر  
اپنی زلفوں میں اتر لی ہوئی چاندی کو چھپا  
میرے عمرے ہوئے بالوں سے پریشان نہ ہو  
دیکھ یوں درد نہ ہو مجھ کو لگا لے دل سے  
تو میری روح کے اجالوں سے پریشان نہ ہو  
سہلی خضرہ..... ششگل  
زندگی کے دن کیسے بھی ہوں گزر جائیں گے  
ایک دن ہم بھی چپکے سے مر جائیں گے  
آج رہتے ہیں آپ کے دل میں یاد بن کر  
کل آنسو بن کے آنکھوں سے بھی نکل جائیں گے  
اقرار..... خانوالہ  
زندگی کے سب لمحے یادگار ہوتے ہیں  
نوٹ کر لیں آتے ایک بار ہوتے ہیں  
خود پرست مت کہنا، خود پرستیاں کیسی  
جو اصول رکھتے ہیں وضع دار ہوتے ہیں  
عاشق سلیم..... اورنگی کراچی  
ہمارے لب پہ نہ ان کی زبان پر حرف کوئی  
تیرا کلام میں لکھیں، دکھائیں ہمیں بہت  
اداس ہم تھے، تو وہ بے قرار ہم تو نہ تھا  
ہمارے پیار میں حامد صدائیں تھیں بہت







تمک  
اٹھ سے  
کالی مرچ (بھی ہوئی)  
تیل  
ترکیب:  
آدھا چائے کا چمچ یا سب پند  
خمیں عدد  
آدھا چائے کا چمچ  
تلنے کے لیے

ترکیب:  
سوچی کو پانی میں بھگو کر رکھ دیں۔ ایک کڑائی میں اس میں  
تھی اور چینی ڈالیں اور پیچ مسلسل ہلاتے جائیں۔ جب چینی  
مناسب سرخ ہو جائے تو اس میں سوچی ڈالیں اور پیچ مسلسل  
ہلائیں۔ سوچی سے بھی علیحدہ ہو جائے تو اس میں گری میوہ اور  
بادام ڈالیں اور تھوڑا سا علیحدہ رکھ لیں۔ کڑائی کو جو لے سے  
نیچے اس میں لیں اور سرے میں ملوہ ڈالیں اس کے اوپر بری میوہ اور  
بادام ڈالیں اور خوب صورت طریقے سے سخاوت کریں۔ لیجیے  
ریزی جلوہ تیار ہے۔ ضرور دیکھ لیں۔

چکن کو صاف کر کے جھولیں اور تمک ڈال کر بیس منٹ  
تک ہائیں۔ اب چینی میں سے چکن نکال کر خشک کر لیں۔  
اٹھ سے میں کارن فلوڈ تمک کالی مرچ ڈال کر پیسٹ میں اب  
چکن کو اٹھ سے کے آمیزے میں ابھی طرح ڈیپ کر کے تیل  
آج پر سنہری ہل ہونے تک ڈیپ فری کر لیں۔ فریج فریز  
یونیور اور بری مرچ والی دی کے ساتھ چکن بروست کھا لیں اور  
شامی چائے کا مریں۔

تانیہ..... ہانہوہ

یکھا کس کریم  
آدھا کلو  
دودھ  
بالائی  
چینی  
کھن  
180 گرام  
خمیں اوس  
چاکھانے کے پیچ

بادامی کھیر  
ایک کلو  
دودھ  
چینی  
ایک پیال  
ایک پیال  
ایک چھوٹی پیالی کئی ہونی  
آدھی پیالی  
ترکیب:

ترکیب:  
کھلے تکی دیکھیں میں دودھ ڈال کر لگی آج پراتا کائیں کہ  
یہ ڈیڑھ لیٹر ہو جائے۔ اب اس میں چینی ڈالیں اور خشک  
ہونے دیں جب حرارت کم ہو جائے تو اس میں کسٹرو اچھی  
طرح مٹھیں دیں۔ اس کے بعد چھلے سے اٹھ دیں اور خشک  
ہونے کے لیے رکھ دیں۔ آم کے گودے کے باریک ٹکڑے  
کر لیں اور گودے کے اچھی طرح پیسٹ لیں۔ جب کسٹرو خشک  
ہو جائے تو گودے اور بالائی اس میں شامل کریں اور خوب زور  
سے مٹھیں۔ اس آمیزے کو فریج میں رکھ کر ہائیں۔ جیکو  
آکس کریم تیار ہے۔

چاواں کو دھو کر کھالیں پھر اسے پیس لیں آج اداں کو دودھ  
میں شامل کر کے اداں دیں پھر اس میں چینی بادام گری اور پیسٹ  
ڈال لیں آدھا خشک کھیر کو کائیں۔ جب کھیر نرم اور گڑھی  
ہو جائے تو اسے اٹھ لیں۔ ڈوٹے میں ڈال کر اسے فریج میں  
رکھیں اور مزے سے کھا لیں۔

نہت چین منیاد..... کراچی

ریزی جلوہ  
ایک کلو  
چینی  
ایک کلو  
آدھا کلو  
گری میوہ  
بادام  
ایک کلو  
ایک کلو  
آدھا کلو  
ایک کلو  
ایک کلو

# بیوٹی گائیڈ

روین احمد

لیوں ہار دودھ  
لیوں کے دس کو دودھ میں ملا کر خشک اور کھرو کی جلد پر لگایا  
جائے تو جلد نرم ہو جائے اور تھوڑا سا ہوا جاتی ہے  
چہرے کی خشکی دور کرنے کے لیے ریخن کا تیل لیں اور اس کو  
عرق کھاب ملا کر لگانے سے چہرے کی خشکی ختم ہو جاتی ہے۔

چہرے کو صاف دیکھنے کے لیے نازہ دودھ سے چہرے کو دھوئیں  
اس صاف دیکھنے صاف ہو جائیں گے۔  
پیسے اور لیوں کا دس ملا کر لگانے سے چہرے پر چھائیں  
لیوں پڑتی اور چہرہ روشن نظر آتا ہے۔  
باجے کا آنا پھر اور نائراں کو جس ملا کر چہرے پر لگائیں اور  
بیس منٹ تک لگا رہنے دیں پھر خشک ہونے سے دھو لیں اس سے  
چہرے کے داغ و جبہ دور ہو جائیں گے اور رنگت بھی بھر جائے گی۔

بلیک بیڈر ختم کرنے کا نسخہ  
لیوں کا دس لال انگوٹوں کا دس اور ایک آلو کو دھوئیں کر کے کس  
کر لیں۔ پیسٹ پندرہ سے بیس منٹ کے لیے چہرے پر لگائیں اور  
پھر چہرہ دھو لیں اس تمک کے استعمال سے داغ اور بلیک بیڈر  
دونوں ختم ہو جائیں گے اور رنگت میں بھی کھارچہ آوگا۔  
چہرے کی رنگت گودا کرنے کے نوٹے

دو سے تین قطرے لیوں کا دس اور چائے کے پیچ دودھ اور ایک  
چائے کا پیچ تین ملا کر پیسٹ بنالیں۔ پیسٹ چہرے پر پندرہ منٹ  
تک کے لیے لگائیں اور پھر دھوئیں لیو کا پیچ میں ایک بار استعمال  
کریں پھر پیسٹ استعمال کے بعد تین سے داغ ختم ہو جائے گا۔

ایک چائے کا پیچ شہد ایک چائے کا پیچ لیوں کا دس ایک پیچ  
تمک پاؤڑ اور ایک پیچ بادام کا تیل اس کے پیسٹ بنالیں۔ پیسٹ  
چہرے پر لگائیں اور پندرہ سے بیس منٹ تک لگا رہنے دیں پھر چہرہ  
دھو لیں اس سے صرف رنگت میں داغ ختم ہونے کا بلکہ جلد میں چمک  
بھی محسوس ہونی اور داغ دھبے بھی صاف  
ہو جائیں گے۔

پانی میں لیوں کا دس اور تمک ملا کر غسل کرنے سے جلد کا رنگ  
کھرجا تا ہے۔  
کاندلی لیوں کے ٹکڑے جس سے دس نیچہ لایا گیا ہو چہرے پر

روزانہ بیس رنگ صاف ہو جائے گا۔  
چہرے پر خالص دودھ کی بالائی تلنے سے چہرے پر کھارچا جاتا  
ہے گریوں میں خالص اور خشک بالائی روزانہ لگائیں۔  
دودھ میں جھول کر پیس کا آٹا ملا کر اس میں بیس لگا لیں اور اسے چہرے پر  
لیوں چند دن میں نمایاں فرق محسوس ہوگا۔

بھوں کی خواہشوں کی آپ کے ہاتھ میں  
خواہشوں ہاتھ کی خواہش نہیں ہوتے تمام خواہشیں جانتی  
ہیں کہ اس کے ہاتھوں کی جلد نرم و ملائم اور ترقی رنگت گھری ہوئی ہو  
ہاتھوں کو خواہشوں بنانے کے لیے چہرے کی طرح ہاتھوں سے بھی  
مردہ جلد کو صاف کرنا نہایت ضروری ہے۔

سمندری نمک اور لیوں کا دس لے کر اچھی طرح کس کریں۔  
دھوئیں کو اس ٹول میں ڈالیں اور پری سے ہاتھ پر لگائیں۔ تلنے  
میں صرف دس دس ہونے کا استعمال ہاتھوں کی جلد کی چمک و حال  
کڑے گا۔ پیسٹ دس کی عدم دستیابی کی صورت میں پرانا تھوہ دس  
استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ بیس میں عرق کھاب کس کر کے آپ ہاتھوں پر  
لپائی کر سکتے ہیں اور اگر اس میں لیوں کے چند قطرے بھی شامل  
کر دیں تو وہ پ سے سترہ رنگت بھی تمک ہو جائے گی۔  
اٹھ سے کی سفیدی ایک خد بھنگو کی ایک چمکی اور سفید موم اور  
بادام کا تیل آدھی پیالی کس کر کے کس پیس میں محفوظ کر لیں اس  
مرکب کو روزانہ ہاتھوں پر مساج کے لیے استعمال کریں۔ چند ہی  
دنوں میں ہاتھوں کی جلد نرم و ملائم ہو جائے گی۔

رنگ گودا کرنے کے قدرتی نسخے  
ایک چائے کا پیچ ملک پاؤڑ ایک پیچ شہد ایک چائے کا پیچ  
لیوں کا دس اور چائے کا پیچ بادام کا تیل کس کریں اس کا پیسٹ  
بنا کر چہرے پر لگائیں اور اس سے پندرہ منٹ تک لگا رہنے دیں پھر  
سارہ پانی سے دھو لیں اس سے آپ کے چہرے پر چمک آ جائے  
گی یہ داغ دھبے صاف کرنے کے ساتھ ساتھ رنگت بھانے کے  
لیے بھی بہتر ہے۔

ایک چائے کا پیچ تین اور پیچ دودھ اور دو سے تین قطرے کس  
کا دس ڈال کر پیسٹ بنالیں اور چہرے پر پندرہ منٹ تک لگا رہے  
دیں۔ چار دنوں تک اس کے روزانہ استعمال سے آپ کی رنگت  
گھری اور چہرہ صاف ہو جائے گا۔

ہاتھوں کی خواہشوں کے لیے بنیادی بیس  
ہاتھوں کو خواہشوں اور صحت مند بنانے کے لیے کنڈشور کا















# دکابغلات

پہلے کی کتاب

اسلام علیکم! کہیں ہیں آپ سب؟ اللہ کی وفات کے بعد آج آنچل میں لکھ رہی ہوں بلکہ کوشش کی ہے لکھنے کی۔ آپ سب بہنوں کی دعاؤں و صلوات کا جواب دینے کی کہ مشکل گھڑی میں جس طرح آپ سب نے میرا ساتھ دیا مجھے اور میری طبیعت کو دعاؤں میں یاد رکھا ہے شک میں آپ سب کی محبتوں کی شروعات ہوں۔ اللہ کی اچانک وفات اور پھر آنے والی مشکلات نے لڑائی محو پر بہت دباؤ ڈال دیا تھا سمجھیں آئی تھی کہ کیا انھوں میں طرح آپ سب کو غائب کر دیں! تو ابھی تک بے یقین ہے کہ اب وہم میں نہیں رہے اور ہم ابو کے بغیر جی رہے ہیں آٹھ ماہ ہو گئے ہیں مگر زندگی وہیں کی وہیں رکی ہے آہ پچھلے وہ مددگاروں کے خط نے رٹا دیا پھر ایک بادشاہ اپنی شہزادیوں کو ظالم دنیا کے حوالے کر کے چلا گیا مگر یہ اللہ کا قانون ہے موت راجح ہے۔ ہمیں ہی صبر کرنا ہے اور زندگی کو جیسے تیسے گزارنا پڑتا ہے اللہ پاک ہمارے والد صاحب کی مغفرت فرمائے اور جنت میں اہلی مقام عطا فرمائے آمین۔ دوست کا پیغام میں آپ سب کے سلام و دعا کا شکریہ میں آپ سب سے کہنا چاہوں گی جب ہم آنچل فیلڈ میں شامل ہو جاتے ہیں تو پھر ایک دوسرے کے لیے اچھی نہیں رہے ہمارے دو میان خود بخود ایک اپنائیت بھرا عشق بن جاتا ہے اسما گل مکمل تقسیم بشر اقرار رشید و میرا فردوس صغیر میرا فائزہ بھی رقیہ ہزار آپ سب اور دیگر کہیں میری دعاؤں میں شامل ہیں ہمیشہ خوش رہیں۔

(کوشش سرگم۔ چینیوت)

کونڈ ناز و دوستوں کے نام

اسلام علیکم۔ عزیز کی کونڈ ناز آپ کو حیروں و حیر مبارک باد آنچل میں ناول منتخب ہوئے پر خدا پاک کی پاک ذات

اس جیسی ہزاروں کامیابیوں کو آپ کا مقصد کر دے آمین۔ ایک بار پھر آنچل کے توسط سے اتنا بار ناول منکث کرنے پر آپ کا بے حد شکریہ۔ پیاری دوست آپ کی بے لوث چاہتوں کی مقروض ہوں سدا شادا۔ بارہوا میں۔ فائزہ بھی آنچل کی دوستوں نے صائر سکندر۔ کتب کا بھلا دیا ہمارے رخ سال تم واحد دوست ہو جاتے ہیں ہر لمحہ صحت میں مجھے چڑھ رہی تھی۔ تم میری بہت محبت رکھتے تھے۔ کرجانی نے سدا خوش رہو صبر کا پیغام قبول کرو ستارا آئین۔ طرہ سنی خان کہاں تم ہیں۔ اس اصول پیاری دوست ہے۔ مدد غفرت کے میں آپ سے رابطہ نہیں کر سکتی اور طبیعت۔ سازگی سے ان شاء اللہ جلد رابطہ کروں گی۔ شہزادہ۔ میں سے آپ کی طبیعت۔ افراد نیافتہ بھول گئی نہ سزا دیں کیا بہت مصروف ہو جاتا آنچل میں نظری نہیں آتی ہو۔ عازنہ یک کہاں تم ہوا ج کل پارسا حجاب بہت سا پیارا آپ کے لئے شانزے خان سدا خوش رہو تقسیم آنچل آپ کے لیے دعاؤں کا گلدستہ فہمیدہ ناز غری آپ کی محبت کی میں قدر کر رہی ہوں آپ جیسے دوست نصیبوں سے ملے ہیں سدا خوش رہیں۔ مدد کونڈ مبارک بڑی بے وفائی ہو خالہ نہ ہو تو فریاد میری بہت اچھی ہیں اللہ آپ کو بہت ساری خوشیوں و کامیابیوں سے نوازے آمین۔ نورین مسکان سرور رب کی رحمتوں کے ساتھ تلخ ہوا گرم کمال نواز سے کی مائی نے پر مبارک باد قبول کرو۔ ہم نور انصاری کہیں ہیں آپ میری دعا میں آپ کے ہم۔ حیرا قریشی آپ کے لیے کئی در۔ دل کا نقشہ۔ فرح طاہر کہیں ہیں آپ اب طبیعت کبھی ہے آپ کی اللہ پاک آپ کو جلد صحت یابی عطا کرے آمین۔ کوشش سرگم ناز و خیر زہبت حسین ضیاء معصومہ سقائی عربیہ شامی سیدہ خود عین فاطمہ نعل خان بنت شفقت شاہین سب کے لیے بہت ساری دعاؤں میں۔ عیدوں آپ کو اپنا ملنے کی خوش مبارک ہو۔ ایسے ہی محنت کرتے حافض۔ تعلیمی میدان سر کرتے جاؤ سندھ یونیورسٹی کا بے حد شکریہ۔ باقی جن دوستوں کے نام لکھتے رہے وہ مجھے ہیں ان سے مغفرت دعاؤں کی طالب۔

(صائر سکندر سرور۔ حیدر آباد سندھ)

دل والوں کے نام

اسلام علیکم! آنچل اسٹاف ریڈ رائٹرز اور میری آنچل فرینڈز سندھ ریاض دینا خالہ حنا رشید حسینہ انج ایس پروین افضل شاہین نورین انجم انجم رشیدی وفا مدد میری کوشش سرگم سہاس گل فائزہ بھی کوشش سلطانہ افراد حفیظہ ناز و کونڈ مبارک بھائی و خاص مراد کونڈ خالہ کی اللہ ساری بھلائی کا موجودہ تقسیم اچھا نہیں لگا کیا میں آپ کو ہمیشہ کونڈ خالہ کہہ کر یاد کر سکتی ہوں) آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے عید مبارک ہو میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حیروں خوشیاں عطا فرمائے اور کونڈ خالہ آپ کا پیغام بڑھ کر پہنچیں ایسا کیوں لگا کہ آپ پر جیسے کوئی ایسی پریشانی آئی ہے کہ آپ موجود ہوں بھی نہ موجود لگیں مجھے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام پریشانیوں دور فرمائے اور آپ پہلے والی کونڈ خالہ بن جائیں (آمین) آئی ہو شوق اور غزالہ آپ کو شادی مبارک ہو سدا خوش رہو آمین۔ تقسیم بشر ہم آپ کا دوستی کا بڑھا ہوا ہاتھ محبت سے تمام کر آپ کو اپنا دوست بنانے کا شرف بخشے ہیں خوش ہو جاؤ۔ میری پوری فیلڈ آنچل میری پیاری ماں کو میری طرف سے عید مبارک ہو۔ اللہ حافظ۔

(رقیہ ناز۔ تحصیل میلسی دہاڑہ)

آنچل فرینڈز اور ہمسفر والوں کے نام

اسلام علیکم! کہیں ہیں سب فرینڈز؟ یقیناً گرماں آنچل کے گرد ہے ہوں گے وہاں سکریٹیم کے ساتھ۔ اور ہمسفر کی کیوں مگر اپنا تعارف تو کرواؤ مجھے تم سب کونڈ کے بارے میں جاننے کا بہت شوق ہے۔ انٹری دو اپنی میری کلاس میں۔ اور جن جن دوستوں کے مجھے دوستی کی آفر کی ہے تو ان سے کہوں گی قبول ہے قبول ہے قبول ہے (اب خوش) اور آنچل فرینڈز سدا خوشی گزروں ہے لائف؟ ہمارا حال تو آج کل کچھ عجیب سا ہے نہ نہ نکلیں اور کھلی کتاب سمجھنے کے نہیں۔ اسے بھی ہم پر ہو رہے ہیں 22 کو پہلا ہجرت ہے اور ہے بھی رمضان کتنا ظالم ہے نہ B.A, BSc, BA (انگریزی) B.Sc, BA

(والو) پلیز سب نے دعا کرنی ہے پھر اچھے ہو جائیں۔ پروین افضل آپ کہیں ہیں؟ اور تمام آنچل فرینڈز طیبہ خاور مدد یورین مہمک سمیرا سولانی انجم انجم تانیہ الطاف حنا بیوان سمیرہ دانی افراد ممتاز یحیٰ و کونڈ کونڈ زہرا افراد حفیظہ دینا خالہ بنت مریم آدم کمال نور الدین اللہ اور آنچل میرے اپنے ہمسفر کی شہزادہوں گل بینا بینہ حسینہ عابدہ مثل سمیرا کنول کرین شہزادہ سمیرا سولانی ممشی خان کو عید مبارک اور جو جو مجھے نہیں کہہ پر رکھو یسٹ بھیجنا چاہے تو میری آئی ڈی ہے Shah ziadagi اور نازیہ آپ کی آپ پلیز میری رکھو یسٹ ایکسپٹ کریں۔ لو کہ فرینڈز تو دل کی رہی تو ان شاء اللہ پھر ہوگی پرسن اتنا ناز آپ کے پورے دربار رکھا۔ (سر سزانا ناز۔ ہمسفر)

پیاری دلاری بہنوں کے نام

امید ہے کہ ساری پیاری سی بہنیں ٹھیک ٹھاک اور فٹ فائت ہوں گی۔ میری طبیعت خاصی خراب رہی ہے۔ ٹائی فائزہ ہو گیا ہے۔ ساری بہنوں سے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔ رقیہ ناز آپ کا بہت شکریہ نواز سے کی مبارک باد دینے کا۔ عروس پروین اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ساری خوشیوں اور مسرتوں سے نوازے۔ (آمین) فائزہ بھی آپ کو بھی رمضان کی اور عید کی تقسیم مبارک باد۔ تقسیم بشر آپ سے کئی کئی دوستی یاد رکھیے گا۔ بھولے گامت کونڈ خالہ آپ کا نانا نام سدا کے محمد سرور بہت مقدس نام ہے۔ ویسے ہم بدلنے کی کوئی خاص وجہ نہیں کہیں افضل شاہین آپ کے لیے میں نے رمضان میں خصوصی طور پر دعا کی ہے۔ مدد یورین ایک اور نورین مسکان عید کی حیروں مبارک باد قبول کریں۔ تقسیم انجم احوال انیلہ غالب انیلہ ناز کرین شہزادہ عائشہ پروین کوشش مریم دعا ہے سدا طیبہ خاور رشک حنا طیبہ ناز مریم معصومہ مکمل ملک احوال رانی علی تم سب کو رمضان کی اور عید کی مبارک باد اپنا بہت سا خیال رکھنا تم سب کی جائزہ اور اللہ تعالیٰ پوری کریں رمضان اور عید کی خوشیوں میں اپنے اور گرد و لوگوں کو بالکل نہ بھولیں۔ اپنے دل صاف رکھیں مثبت سوچ رکھیں محبت کو عام کریں اور نفرت کا باب نہ بنیں کریں







# یادگاہ

جویریہ سید

بے مثال دور فاروقی کی ایک جھلک

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دس سالہ دور خلافت میں اسلامی ریاست ایران، بلوچستان، خراسان (سرحد و بخارا وغیرہ) سے طرابلس الغرب (تقریباً ۲۲ لاکھ ۵۵ ہزار ۳۰۰ مربع میل) تک پھیلی ہوئی جو تاریخ انسانی میں اتنی مدت میں فتوحات کا ریکارڈ ہے۔ اس میں دمشق، رومیوں کا وسط ایشیاء میں دارالحکومت، فلسطین، مصر، طرابلس الغرب، اردن، ایران (جو کہ اس وقت عراق، بلوچستان، کابل، ماورائے نہر، خراسان اور بے شمار علاقوں پر مشتمل تھا) اور ایک ہزار سے زائد بادشاہ فرمائے اور پھر زمین پر عدل و انصاف اور رفاہی و دیانت داری کی اعلیٰ مثالیں قائم فرمائیں۔ ایک طرف مخلوق خدا کے دلوں میں حق پرستی اور پاک بازاری پیدا ہوئی تو دوسری طرف ایسا فلاحی نظام قائم کیا کہ ہر شخص کی تمام بنیادی ضرورتیں پوری کیں حتیٰ کہ جانوروں کے تحفظ کے لیے قوانین وضع کیے اور فرمایا: ”اگر فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر جائے تو عمرہ مدد و نصیب ہے گا۔“

کاش کہ اسلامی ممالک کے حکمران دور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پیش نظر رکھ کر نظام حکومت قائم کریں تو نہ صرف اسلامی ممالک میں خوشحالی اور امن و آشتی کی فضا پیدا ہو جائے گی بلکہ زمانہ بھر کے غیر مسلم اسلام کے اعلیٰ اور کامل فلاحی و سعادت داری کے خاصان نظام سے متاثر ہو کر حلقہ بدوش اسلام ہونے لگیں گے۔

محاسبہ نفس اور امانت داری

رشتہ

بار خلافت سنبھالنے کے بعد جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امور خلافت کو نظم و ضبط اور عدل و انصاف کے ساتھ اس انداز میں چلایا کہ ایسی مثال سے طبقہ مسلمین عاجز ہے۔ آپ ادنیٰ سے ادنیٰ بات پر اپنا محاسبہ فرماتے تھے آپ کا ضمیر ہمہ وقت بیدار رہتا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ آپ نے بھی اپنی ذات کو اہمیت نہیں دی۔ آپ فرماتے تھے کہ امت کا مال اسی طرح میری عمرانی میں رہے گا جس طرح شیخ کے مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ بد و تقویٰ اور درویشی والی زندگی گزاری۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا طرز زندگی پسند تھا آپ فرماتے تھے کہ میرے دو رفیق ہیں ان دونوں نے خاص انداز میں زندگی کے دن گائے ہیں میری خواہش ہے کہ میں ہو بہو ان کے طریق پر چلوں کیونکہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو میری مثال سے دوسرے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے طریقوں سے انحراف کریں گے۔

ابو بکر فیروز مجوسی کے دار کی وجہ سے آپ کو گھر سے رخصت کر دیا گیا۔ جب آپ کو اس بات کا یقین ہو چکا کہ اب آپ کا صحت یاب ہونا ممکن نہیں تو آپ نے ان تمام رقموں کا حساب لگوا لیا جو آپ کے نزدیک بیت المال کا قرض تھے یہ رقم آٹھ ہزار درہم سے زائد تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو فرمایا کہ وہ اس رقم کو بیت المال میں ادا کر دے۔ آپ کی شہادت کے دس دن بعد وہ ساری رقم ادا کر دی تھی۔ درحقیقت یہ آپ کا بحیثیت غنی اپنی اور اپنی اولاد کی کفالت کے لیے بیت المال سے لی گئی رقم کا مجموعہ تھا۔

(پروفیسر عبدالعظیم جاناہاز)

رشتہ، محبت

رشتہ بناؤں تو آنکھوں اور پیکوں جیسا، جب آکھ میں کچھ چلا جائے تو پلکیں تڑپ اٹھتی ہیں جب پلکیں کچھ دیر نہ پھکیں تو آنکھیں رو پڑتی ہیں۔

محبت، سمجھوتہ..... احساس

دیکھو تو..... رشتہ

کھو تو..... لطف

چاہو تو..... زندگی

کرلو تو..... عبادت

ٹھیکو تو..... بندگی

لوٹ جائے تو..... مقدر

(ادم ریاض..... برہانی)

شوخی تحریر

(۱) علم (۲) دولت (۳) عزت

ایک مرتبہ ان کے بچھڑنے کا وقت آ گیا۔ تو علم نے کہا کہ مجھے درس گاہوں میں تلاش کیا جاسکتا ہے دولت کہنے لگی کہ مجھے بادشاہوں کے محلات میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ عزت کی باری آئی تو.....

عزت خاموش رہی جب دولت اور علم نے اس کی خاموشی کی وجہ دریافت کی تو عزت بولی کہ تو کیا بولی کہنے لگی کہ جب میں کسی سے بچھڑ جاتی ہوں تو..... دوبارہ نہیں ملتی۔

(رحیمہ روشن..... آزاد شہر)

درا اسکواٹ

ہم نے جب بھی گھر میں خاندانی میٹنگ بلانی ہوئیں وہاں فانی اف کر دیتا ہوں۔

ہم شکر ہے تحریک آزادی پاکستان کے دور میں نہیں بک رہی ورنہ ہم جیسے باہر کی نہ لگتے ہوسکتے تھے اپ ذہن کرتے اور ساتھ لکھ دیتے۔ اس نتیجہ کو اتنا پھیلاؤ کہ اگر بڑے بڑے صحیفہ جہوز کر بھاگ جائے۔

☆ رخصتی کے وقت دلہے کا موبائل بھا تو لڑکی والوں نے بہت مارا کیونکہ اس پر رنگ ٹون یہ لگی ہوئی

تھی۔ دل میں چھپا کر پیار کا طوفان لے چلے ہم آج اپنی موت کا سامان لے چلے۔

☆ روزانہ کروڑوں کی تعداد میں سیلفی بنا کر لوگ جوق در جوق فرق سیلفیہ میں شامل ہو رہے ہیں۔

☆ دنیا میں دو طرح کے لوگ ہیں۔ اول وہ جو نیند آنے پر سو جاتے ہیں۔ دوم وہ جو موبائل کی بیٹری ختم ہونے پر سو جاتے ہیں۔

(ایس این شہزادی کھرل..... جزا نوالہ)

اختیار

کچھ بھی برباد کرنے کی طاقت انسان کے ہاتھ میں ہے نہ اختیار میں..... حکم کن اور عمل (فیوٹن) سب کی خوبی ہے اس کے بندوں کی نہیں (ماہر شبیر، تبسم شبیر..... ڈنگ)

بلا سکا تلنا

ایک پٹھان نے دوکاندار سے دو آنے کا سروس کا تیل مانگا، تیشی میں ڈالے جوئے دوکان دار سے تیل نیچے گر گیا۔

پٹھان بولا: ”اوپا لی تم نے ہمارا نقصان کر دیا۔“ دوکاندار نے مسخرے کہا۔ ”خان نقصان کیا ہوا تمہارا مال مل گیا۔“

وہ بھی پٹھان تھا۔ اس نے لات مار کر دوکان دار کا سب تیل گرا دیا۔ دوکاندار نے شور مچایا تو پٹھان نے کہا: ”اب کیوں جھٹا ہے آج ہم نے تمہارے سب خاندان کا بلا مال دیا۔“

(ادم کمال..... فیصل آباد)

عجب دنیا

یہ کیسی دنیا ہے بعض شادی شدہ حلاق کے پیکر میں ہیں اور غیر شادی شدہ شادی کے خیالات میں مگ ہیں۔

○ بچوں کو بڑے ہونے کی جلدی ہے اور بڑوں کو بچپن لوٹ آنے کی آرزو۔

○ کوئریاں کرنے والے اپنے کام کی سختیوں سے



نالائیں ہیں اور بے کاروں کے لیوں پر کام ملنے کی دعا میں ہیں۔

○ غریبوں کو امیروں کی زندگی کی حسرت ہے اور امیروں کو آرام کے لیے ایک لمحے کی تنہا۔

○ مشہور افراد جیسے کے لیے ٹھکانے کی تلاش میں ہیں اور عام لوگ مشہور بننے کے خیال میں۔

○ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ خوشی اور خوشحالی کا ایک ہی طریقہ ہے جو نعمتیں ملی ہیں ان کا شکر ادا کرو۔

(رمضاء ملک.....بتلہ رنگ)

### ادھوری عید

اے چاند عید کے

شہر خوشاں کی چار

قبر ماور پر میر اسد نیس دینا

اور لعل کی سون میری ماں سے کہا

کہ بادل کے بنا برسات کیس

سورج کے بنا روشنی نہیں

خوشبو کے بنا پھول نہیں

اے میری پیاری ماں

تیری دید کے بنا

نجم انجم کی عید نہیں

(شاعرہ۔ نجم انجم اعوان.....گورنی)

میں کو اہمیت کے بیٹوں

نوجی ٹریفک کے دوران آفیسر نے سپاہی سے

پوچھا۔ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

رب نواز ”سر یہ بندوق ہے۔“

آفیسر یہ بندوق نہیں تمہاری عزت اور شان ہے

تمہاری ماں ہے ماں۔

آفیسر دوسرے پٹھان سپاہی سے: تمہارے ہاتھ

میں کیا ہے۔

پٹھان: سر یہ رب نواز ب کی ماں اور میری خالہ

ہے۔

(ٹریا فریال.....شہنواز پورہ)

### ماں

ماں کے لیے سب کو چھوڑ دین لیکن سب کے لیے

ماں کو مت چھوڑنا کیونکہ جب ماں روتی ہے تو فرشتوں

کو بھی رونا آ جاتا ہے۔

کسی نے ماں سے سوال کیا کہ اگر آپ کے

قدموں سے جنت ملے لی جائے اور آپ سے کہا

جائے کہ کچھ اور مانگ لو تو آپ خدا سے کیا مانگوں گی۔ تو

ماں نے بہت خوبصورت جواب دیا کہ میں اپنی اولاد کا

نصیب اپنے ہاتھ سے لکھنے کا حق مانگوں گی۔ کیونکہ

میری اولاد کی خوشی کے آگے میرے لیے ہر جنت

چھوٹی ہے۔

انٹرنیٹ پر راتے رہا کے کر جانا

اس کے آنسوؤں کی فضا لے کر جانا

جس میں ہر طرف سے بجائے گی پیش

سونہرے ماں کی دعا لے کر جانا

نیند اپنی بھلا کے سلایا ہم کو

آنسو اپنے گرا کے ہسایا ہم کو

درد بھی نہ دینا اس ہستی کو

زمانہ کہتا ہے ماں جس کو

جنت کی ماں کی حیات میں اللہ ان کو ماں کا فرماں

بردار بنائے اور ان ماؤں کو مٹی زمین کی عطا کرے۔ اور

مجھ سمیت جن کی ماںیں اللہ نے اپنے پاس بلا لیں

انہیں گروٹ گروٹ جنت کی زمینیں عطا فرمائے۔

آمین۔

(یعنی شکلیاں اولاد کے جڑاں.....سیا لکھت)





**کرن شہزادی** - منسہورہ اسلام علیکم السلام! آپ آل ماسکرا اینڈ ریڈرز سلامتی کا خزانہ ہو اس وقت رات کے بارہ بجے تمام تعلق خدا کو استراحت خواب خروٹوں کے سڑے لوٹ رہی ہے۔ چھپکروٹوں کی صدا میں ماحول پر چھائے سکوت کو توڑ کر با آسانی میری سہانوں کو عزت بخش رہی ہے۔ ویسے نیلگوں آسمان نے سیاہ آجکل اوڑھ رکھا ہے اور اس پر ستاروں کی جھرمٹ میں پورے آب و تاب سے چمکتا منفرد سا چودھویں کا چاندن سارے میں اپنی روشنی پھیلا رہا ہے کوئی اور وقت ہوتا تو ہم اسے گھنٹوں کتنے کتنے کیسی ہی وقت ہم آجکل سے راز و نیاز کرنے میں مشغول تھے۔ ہماری اس درجہ بے اعتنائی پر چاند نے نفی کی بھری نظروں سے ہمیں گھورا پر ہمیں مطلق پروانہ تھی اور چاند کو مینا نے کارا وہ کس اور وقت پر اٹھ رکھا۔ اس وقت تو ہماری بے تابانہ نگاہیں آجکل پر مرکوز تھی۔ ہم سوچوں کے بھنور میں ڈوبے۔ نسل کا ہاتھ تھامے لفظوں کا میلہ لگائے مینھے تھے۔ ان الفاظ جیسے صفحہ قرطاس پر بھیرنے کے لیے پھل اٹھے۔ ہماری محرومی انگلیوں نے جنش کی اور الفاظ جوق در جوق صحن پر نقش ہونے لگے۔ لہجے سرورق نے آنکھوں کو تراوٹ بخشی۔ البتہ ابتدا میں تیسرا آرائی کی شہد آگئیں لہجے میں سرگوشیاں سنیں۔ حمد و ثناء پر مبنی بہت پریشانی۔ ”جواب دیا“ میں مدبرہ صاحبہ کے دوستوں کے خطوط پر روچیلی دھوپ جیسا مہربان جواب آئے پڑھے۔ دانش کہہ سے مستفید ہوئے، اللہ تعالیٰ ہمیں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی توفیق دے آمین۔ ہمارا آجکل میں تمام دوستوں کے تعارف اچھے لگے۔ پھر بوجھ تدار پر کی طرف، سلسلہ وار ناول میں ”تیزی زلف کے سر ہونے تک“ شکر ہے یاد کے دس سے باپ کے لیے جو کدوت تھی ختم ہوئی۔ باپ بیٹے نے مل کر تھوڑا موٹا منٹل کیا، آخر کو منٹل اشراج کے نقش میں گرفتار ہو رہی تھی۔ عمران حکیم کی بہن کا اپنی اصیت دکھانے پر اور بھانجی کے گستاخانہ رویے پر دماغ ٹھانے آگیا ہوگا۔ آگے دیکھتے ہیں کہ مکمل نکل آئی ہے کہ نہیں۔ عشنا کوثر سردار کا نیا سلسلہ وار ناول ”اکائی“ ہمیں تقسیم ہند سے پہلے کے دور میں لے گیا۔ گستاہ اماں جان شھیا گئی ہیں۔ جو نواب صاحب کے ازالہ کا اپنے بران کے صاحبزادے کے بچے ان کا پرچہ نزل لینا چاہ رہی ہیں۔ پھر وہ کسی تو جواری بنے باز پوتا۔ خان سواں ہی انہیں قاضی کے لائق گئے۔ آخر کیوں آگئی خود مروری قسط تھی۔ دیکھتے ہیں کہ کیا ہوا ہے۔ مکمل ناول میں عاشرہ نور محمد کا نام دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ فضا منگت بارہ ہوئی، ہوا میں رقص کرنے لگیں اور ہم بے اختیار ان کی طرف کھینچ چلے گئے۔ ”تم میری ہو“ اس تحریر نے علم میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ کیا ماہ روز بھی انسان بھی اس دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ جو اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی لاج حاصل ہی رہی۔ صرف ایک شخص کو پانے کے لیے وہ دین و دنیا دونوں سے گئی۔ ”سہانی رات کا سحر“ اہم سلطانہ کا مکمل ناول بہترین رہا۔ بلکہ خراشعر بیتا کے سحر میں گرفتار ہو گیا۔

شیلزیدہ حاشم میواتی..... گھنٹیلیں خالص قصور۔ زعمہ ویداردل کے ساتھ چشمِ نغمہاں مینوں کے ساتھ، متحرک؟ ہم خوابِ پردہاں کے ساتھ، شور و غوغا جذبات کے سنگ، پیار و محبت کے انمول اور جنتی جذبات کے ساتھ چشمِ نغمہاں میں تاکہ چوں میں الفاظ کے ایروچین کے ساتھ، احساسات کی کثیف کے کمرچل، ہاؤس میں، رستہ پہ حیران نمود ہے چوں کہ میں بغیر پیوں کے اتنا طویل سفر کر کے منوں میں نہیں سیکندوں میں پہنچی بغیر تھکاوٹ کے، اب کچھ آؤ بھگت ہوئی چاہیے۔ دوش وین، بروز ہے مگر افکار کی تک لیرا کرنے کا وارہ ہے۔ ذرا احتیاط سے کی پیاری آئی! بس سے پہلے اچل پر تیرہ کرنے کی بجائے میں اس تختے کا جزاک اللہ اور کما چاہوں گی جہاں نے مجھے حورہ العین کی نصیر کی صورت میں سجا۔ جزاک اللہ خیر! کثیراً اور انکل مشتاق احمد متھاپ پومرید نصیری میدان میں قبول فرمائے (آمین) ایک نظم کے ساتھ آگے بڑھوں گی جو اخلاصاً انکل مشتاق کے لیے ہے۔

میرے نشیمن کے دامن میں ہیں گوہرِ عِلّٰس اب بھی  
جو افکار و خرد و دانش کے مالک ہیں اب بھی  
رہتے ہیں جو آغوشِ علم کی گھنٹی جھانک میں  
علم و فن و دنیا کے ایسے متوالے ہیں اب بھی







توجہ سیٹ لی۔ اور پھر یہاں کیا دیکھتی ہوں سودہ کی شادی کی تیاریاں زوروں پر ہیں اور زید میاں خاموش ہیں۔ مگر اب لگتا ہے عمر ازد اور صوفیہ بیگم کے جھگڑے یہ خاموشی ختم کر دیں گے۔ اور دوسری طرف نفل اپنے جذبول سے نظریں چرا رہا ہے۔ اور انٹی بی بی جناب کو پٹانے پر تلی ہیں۔ اور عمران اور رضوانہ فیملی میں جھگڑا کروا کے بڑا ہی نیک کام کیا ہے۔ اب میرا جی کئی شہری عرف مانی کی طرف چلتے ہیں ایک باغیر حاضر رہی ہے۔ پتا تو چلے کیا کر رہی ہے۔ مارے بڑو اینٹیشن کر رہی ہے۔ آئی بہت ہی خوبصورتی سے نکلا ہے شہری کو اور دراصل ماں سے ملنے کا سین بھی خوب تھا اور نفل کی پریشانی پر شہری کی بے نیازی کیا بات ہے۔ بڑو دست جو پر جاری ہیں آئی۔ ”بیاض دل“ میں ارم کمال، عاصمہ عبد الملک، گل بیٹا اینڈ حسین علی، اور انیل طالب کے اشعار پسند آئے۔ اور جب اپنے شعر پر نظر کی تو سوچا جب یہ لکھا تھا تو رومی کی ”دیوانہ“ آج آج کل میں پڑھا ہے تو دل المیائیں ڈال رہا ہے۔ عجیب حقیقت ہے پر خوب صورت ہے۔ ”نیرنگ خیال“ میں سہاس گل، چندہ چوہدری، شمع مکان اور دعائے محرمی شاعری بہت اچلی تھی۔ یادگار لہجے میں گلشن چوہدری کے ”مولیٰ پند آئے۔ آئینہ میں“ ”مفتوح زہرہ“ آپ کا تبصرہ پڑھا۔ اچھا لگا، کیا آپ وہی مقدس ہیں جس سے میری دوستی ”مروارید بھائی“ کے توسط سے ہوئی تھی۔ اگر آپ کو اپنی آواز سنانا چاہیں تو فیس بک میں ڈکٹر مراد بیگم کا آپ سے دوبارہ بات کر کے مجھے خوش ہوگی۔ باقی شمارہ زیر مطالعہ ہے اب تک کے لیے انتہائی خدا حافظ۔

**انیسہ طالب**..... گوجرانوالہ آج کل گل دستے کے تمام مہکتے پھولوں اور سوہت شہلا آئی کو سلام، اس بار جون کا آج کل بغیر لبہ انتظار کروائے پچیس مئی کو مل گیا۔ غالباً رمضان المبارک اور جمعے کے دن کی برکت سے، سب سے پہلے حمد و نعت پڑھی۔ سرگوشیاں کے بعد جواب آں میں قدم رکھا اور پھر دانش کدہ سے دانش سیٹ کے ہمارا آج کل پتائی رہا اب کنولی اور مصباح تول سے ملاقات اسے دن رہی، ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ کی یہ دلی قسط زبردست رہی۔ بے جا رانفل کیا کرے گا اب، ماوراطحی کا افسانہ بہت عمدہ رہا ہم میری ہوم انشورڈم کا ناول ٹھیک تھا۔ تھی اور جاپانی مشین بھی ٹھیک تھی۔ سیما بخت عاصم کو ابھی پڑھا نہیں۔ عشنا کوثر سردار کا ناول بھی وقت مانگ رہا ہے۔ مگر کیا کریں؟ مصروفیت، مصروفیت اور بس مصروفیت بانی بیاض دل میں کوثر خالد جی میرا سوانحی، انجم زہرہ، ہما طاہر، فائزہ بھٹی، ناز بلوچ مدیحہ نورین مہک نے میدان مار لیا۔ دُش مقابلہ میں ساری تراکیب سو پڑو پر یونی کا سینڈ بے مثال اور نیرنگ خیال میں رابع چوہدری، انجم، جی شیبہ مظفر راجا، نجمہ ایلیم چھائی رہیں۔ بلی رب نواز یو آر گریت، بہت اچلی شاعری، دوست کا پیغام آئے میں مجھے یاد رکھنے کے لیے مدیحہ نورین، مدیحہ کنول، فرائد اور میرا سوانحی آپ سب کا شکریہ آئی میں یو ڈیئر فرینڈ زیادہ کر لے میں ڈکاؤ زگرہ، میرا سوانحی، حیرت مجید، سائبر مشاق، حشر سید، لوہا ساجا، کمال کھانا، ہمارا پتھر خرب صورت آواز میں سخاں تیری قدرت کا درد کر رہا ہے اور میں اب اس کی خوب صورت آواز سننے ہوئے آئینہ میں آئی ہوں۔ جہاں صابرہ مشاق آئی، ارم کمال، آئی کوثر، خالد اور گل بیٹا اینڈ حسینہ سانچہ ایس نے چار چاند لگا دیئے۔ آج کل کو میری دعا ہے سب دوست یونی دوست کی ملا میں پھولوں کی طرح مہکتے اور فیروزہ کی طرح چلتے رہیں۔ آج کل کے لیے بعد محبت اور عافیت۔ خوش رہو اللہ حافظ۔

**اسمہ صدیقہ، سبینہ مصری**..... سالار وہین کھنہ السلام علیکم تمام مسلمانوں کو عید الفطر مبارک ہو۔ آج کل جون کا تبصرہ حاضر خدمت ہے۔ لگتا ہے آج کل والے تاراض ہو گئے۔ مسلسل دو ماہ سے بزم آئینہ میں داخل ہونے کا اذن نہیں مل رہا۔ بہر کیف۔ امید پر دنیا قائم ہے۔ سب کے تعارف اچھے لگے۔ مگر شمارہ نواز، جی میس جھٹک کے لوگ بہت پسند ہیں۔ سچ کھرے، سر دھڑکی بازی لگانے والے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ کے دیوانے ”جاپانی مشین“ ”صبا انیل۔ بابا یاقین کیجئے ہم بھی اول تو مشین ہی سمجھتے رہے۔ مگر ناں جی جاپانی مشین تو تشبیہ بھی بڑی بیوں کی

بھونکی۔ ”الامان والحقیقہ“ خوب افسانہ تھا۔ ”تم میری ہو“ عاشرہ نور محمد آئیں تو طویل وقت کے بعد مگر چھا گئیں۔ جلد از جلد روشن اور خوب صورت تحریر کے ساتھ۔ ”تخلیق کا“ ماوراجی افسانے تو آپ کے پہلے بھی پڑتے ہیں، مگر یہ افسانہ دیگر افسانوں پر غالب دکھائی دیا۔ انداز ہی نرالہ ہے۔ سارا پرچہ ایک طرف، آپ کا افسانہ ایک طرف۔ سینکڑوں صنف نازک کے لیے آپ کی یہ اونچی تحریر مختصر راہ ثابت ہوئی ہوگی۔ ”ایک ادھوری الجھی کہانی“ سیما بخت عاصم کا کیا خوب بہت اچھا فیصلہ کیا شہریار کی خال زاد نے۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ زبردست موڈ پر ہے۔ قراء جی آپ ایسا کریں (مفت کا مشورہ نہیں) عید کا موقع اچھا ہے۔ زید اور سودہ، اشراج اور نفل کو ایک کر دیں، عمران اور رضوانہ لگتا ہے رشتے دار ہیں، مانی رسالہ زیر مطالعہ ہے۔ شاعری کی سائنس ثابت ہوئی۔ ”نیرنگ خیال“ ”سہاس گل“ ”شیبہ مظفر“ بلی رب نواز آپ پر رہی۔ آئینہ کرن شہزادی نور انشال پانڈیس (شکریہ آپ کا) کو پسند آئی بات ہے آئینہ ہمارے بھائیاں، فائزہ اسامہ صدیقہ کے پاسو پاسو لگتا ہے ناں؟ ”شمین جی عید کی ڈھول مہارک اور اب اس بات کے ساتھ اجازت، آج کل والو..... گزشتہ مہینوں کی طرح میرا تبصرہ رومی کی نوکری نہ تسلیم کر جائے اور مجھے سے شہینہ عید منائے، کیوں کہ ہمارا تبصرہ بیٹھا ہے۔“

**محسن عزیز حلیم**..... کوئٹہ کلاں السلام علیکم تمام آج کل اشفاق ریلے زراں زراں اور زوردار کی طرف سے جاہت بھر اسلام امید ہے کہ آپ سب ہی خیریت سے ہوں گے، پیاری بہن ام سے آپ کو کوئی تاراضی ہے کیا؟ جون کا شمارہ جلدی ہی مل گیا۔ سرور قی بہت پیارا تھا۔ سب سے پہلے مدیحہ آپا کی سرگوشیاں پڑھیں، پھر حمد و نعت سے مستفید ہوئے۔ پھر زوال آں، میں مدیحہ جی کے جواب پڑھے۔ پھر انگور کا مطالعہ کیا، ہمارا آج کل میں رہا اب کنول، شہناز فضل، شاد نواز، مصباح تول، کا تعارف پڑھا اچھا لگا۔ پیاری بہن ہم نے پچھلے سال میری بہن ثروت عزیز نوشی کا تعارف بھیجا تھا؟ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ یہ قسط سیٹ تھی۔ ”اکائی“ ”آف آئی پانڈیاں، قاطعہ پر یہ قسط بھی لا جواب تھی۔ پڑھتے ہوئے سحر طاری ہو جاتا ہے، مکمل ناؤ میں ”سہانی رات کا سحر“ انجم سلطانہ فخر، ویری سیٹ ”تم میری ہو“ ویری گڈ افسانوں میں ”روشن سج“ ویری ناخبرہ، ”اک ادھوری الجھی کہانی“ سیما بخت عاصم ویری گڈ ”تخلیق کا“ ماوراطحی ویری گڈ ”جاپانی مشین“ ”صبا انیل ویری ناخیں“ ”تھی“ ”عسین انجم انصاری ویری گڈ اور بانی تمام سلسلے بہترین تھے۔ پورے کا پورا شمارہ بیٹ تھا، انصاری کے وقت ہم آئی پروین افضل شاہین اور ناز بلوچ کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جلدی اولاد سے نوازیں اور تشنہ آئی آپ دیکھی مت ہو یا کریں اور اللہ تعالیٰ ہر کمال بھر وسد بھیں اور ہاں یا آہ آپ دونوں (یا مصور) کا کثرت سے درد کیا کریں۔ ہمارے ہاں ایک خاتون کو اولاد دینے ہو رہی تھی تو اسے کسی نے یہی ورد کرنے کو کہا تھا اس نے دو یا تین ماہ یہ رو کیا اور اللہ کے کرم سے وہ اب ماں کے رتبے پر فائز ہوئے والی ہے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں بڑی برکت ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر نہ کہتے تھے کہ شاید یہ کبھی ماں نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب پر اپنا کرم کرے آمین اور اب اس دعا کے ساتھ اجازت جا ہیں گے کہ آج کل کوئی ترقی کرتا رہے۔

اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت پاکستان کو دینی دنیا تک قائم رکھے اور اس عید کی خوشیاں تادیر قائم رکھے آمین۔









# ہمسفر چوچکھی

## شمس الملک کاشف

### دقیقہ نماز..... تحصیل میلیسی و ملتوی

س: شوقاً فی عید مبارک ہو کسی گزری عید آپ کی؟  
ج: خیر مبارک۔ بہت خوب صورت اور ڈیڑھ سول عیدی جمع کر کے۔ اب میری فرمائیاں مانگنے میں نہ جانا۔  
س: سنائے اس بار آپ کے ان کی عید پر بڑی درگت بنی ہے آپ کے ہاتھوں اب اللہ بجائے۔  
ج: تم یہ جھوٹی کہانیاں خود بناتی ہو یا کوئی اور میری تو ابھی شادی نہیں ہوئی۔

س: آپ کی اگر بہت بڑا اور آپ کا عزیز انسان آپ کو بہت زیادہ لڑے تو کیا کرتا ہے۔  
ج: پھر تو میں اس کے لئے اور کچھ کرنا چاہوں گی اس کی ایسی درگت بناتی چاہیے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھے۔

### اوم کمال..... فیصل آباد

س: شمس الملک جانو! یہ زندگی کے راستے اتنے نیزھے میڑھے کیوں ہوتے ہیں؟  
ج: کیونکہ ان راستوں سے گزر کر عید بھی تو آتی ہوتی ہے نا۔  
س: کہتے ہیں کہ بصورت پولیس تو کوہا کے اور ج پولیس تو۔

ج: شمس الملک جانو! یہ ہو جائے۔  
س: بہار رو پھول برساؤ پو پھوٹو بھلاؤ نا آ رہا ہے؟  
ج: عید آ رہی ہے اور کوئی نئے گا پائل۔  
س: شمس الملک جی! جلدی سے بتائیں یہ صبر کا پھل کس موسم میں ملتا ہے۔  
ج: ضبط کے موسم میں اب تم ضرور آ زمانا۔  
س: ہم تم ہوں گے بادل ہوگا رخص میں سارا جنگل ہوگا۔  
یہ کب ہوگا؟

ج: جب تم اچھی سے ہکری بن جاؤ گی جب غائب۔  
س: جب تم اچھی سے ہکری بن جاؤ گی جب غائب۔

### کرن شہزادی..... مفسرہ

س: آپ آئی! دیکھا آپ نے دروازہ نہیں کھولا۔ میں دیوار پھلانگ کر پھر بھی آ گئی۔

ج: غائب یہ چور چور کی آواز تمہارے لیے تھی۔  
س: آپ آئی میرا بھانجا ابو بکر ابھی سال کا نہیں ہوا لیکن اتنا شرارتی ہے کہ ہر وقت ناگ میں دم کیے رکھتا ہے لگتا ہے آپ کا اثر ہو گیا ہے۔

ج: اچھا ہے ناں تم پہلے سے ٹرینڈ ہو جاؤ گی اور سرسرا میں بچے سنبھالنے میں آسانی ہو جائے گی۔  
س: آپ آئی ہر کوئی کانے کے گن گائے بھلا کیوں؟  
ج: چلو تمہارے گن گالیے ہیں گائے نہ سہی تم ہی کی۔  
س: جی جانتا ہے جیمز کیرول اس سے ہم کلام۔ کچھ تو گنے گی دیر سوال و جواب میں۔

ج: اس جیمز جیٹھ سے باز آ جاؤ ورنہ کسی دن اماں سے بہت ٹوکی۔  
س: آپ آئی اب ابھی کی دعا کے ساتھ جارتہ میں۔  
ج: خوش رہو اور گائے سو بے سے محلے محلے کے کپڑے دو۔  
س: سنائے یہ کہ رمضان میں شیطان کو بند کر دیا جاتا ہے کر؟  
ج: لیکن تمہارے میاں تمہارے سامنے رہتے ہیں اور اسے کہتے ہیں نظر کاھنکا۔

س: جاندارت کو میرے میاں جانی سامنے والوں کی کھڑکی کو کیوں تلے جا رہے تھے؟  
ج: کیونکہ سامنے والی دو شیزہ کو عیدی جو عیدی ہوتی ہے عید کی عید کے ساتھ۔  
س: میرے میاں جانی پر کسی افضل شادی رمضان میں ہو جائے تو میرے لئے کچھ ہے؟  
ج: میں ایلی جان انطاری کے کوازمات بنائیں یا سموے کھڑے سناؤں۔ وہ بازار سے کیوں نہیں لاتے؟  
ج: بازار سے لائیں گے تو جیب پر پھر دی پڑے گا اور تم سے خواہ میں گے تو تمہارا وزن کم ہوگا۔

### صلیحہ نورین..... گجرات

س: مگر آتے آتے ہی چھرا ایسے آتے ہیں جیسے سیل مٹی ہو بازار میں؟  
ج: جب ہی تم ہر جگہ نظر آتی ہو۔  
س: دلہا اگر شیر والی تھری جیس کی بجائے دھنی کرتا ہے تو؟  
ج: دلہن یقیناً اسے تصاب سمجھے گی۔







# آپ کی صحت

آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار لیں۔ Alfalfa Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں کھانے سے پہلے دن میں تین بار لیں ان شاء اللہ وزن میں اضافہ ہو جائے گا۔

عائشہ احمد کجرات سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سر میں درد و درد جتا ہے جو دن میں زیادہ ہوتا ہے شام ہوتے ہی آہستہ آہستہ کم ہو کر ختم ہو جاتا ہے سر درد کے ساتھ سب سے بھی آتا ہے جتنا زیادہ سر درد ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ پسینہ آتا ہے کسی کوئی چیز غور سے دیکھنے یا آنکھوں پر زور دینے سے بھی سر درد میں اضافہ ہو جاتا ہے دوسرا مسئلہ میری نیند کا ہے جو پونے دو گھنٹے میں پڑھتی ہے وہ غیر حاضر رہ جاتی ہے بہت زیادہ بولنے کی عادت ہے بار بار بولنے سے چترن کر دیتی ہے لیکن ان کے بغیر ہی چلی آتی ہے جب مجھ بولے تو ٹھوڑی دیر کے لیے دنگ جائے سامنے دکھائی دینے والی چیزوں کے نام بھی چیز بھی بھول جائے یا فوری ذہن میں نہ آئے لکھتے وقت بھی الفاظ بھول جائیں پڑھتے یا مطالعہ کرتے وقت بھی یکسوئی اور توجہ قائم نہیں رہتی۔ اس کے لیے کوئی دوائی تجویز کریں۔

محترم آپ 30 Natrum Mur کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں اور اپنی نیند کو ٹھیک کر لیں۔ اس کے لیے کوئی دوائی تجویز کریں۔

محترم آپ 30 Rhus Tox کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلا میں اور درد کے لیے Apherodite Pain Killer (تیل) 700 روپے کا بھی آرڈر کر کے منگواسکتی ہیں ان شاء اللہ درد میں بہت آفاق ہوگا اور جلدی 30 Causticum کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار لیں۔

محترم آپ اپنے شوہر کو 30 Rhus Tox کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلا میں اور درد کے لیے Apherodite Pain Killer (تیل) 700 روپے کا بھی آرڈر کر کے منگواسکتی ہیں ان شاء اللہ درد میں بہت آفاق ہوگا اور جلدی 30 Causticum کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار لیں۔

محترم آپ اپنے بھائی کو 30 Conium کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔

طارق محمود اعران ہری پور سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 44 سال ہے میری شادی کو 18 سال ہو گئے ہیں بچے ہیں 5 سال سے ازدواجی زندگی نہ ہونے کے برابر ہے بڑی امید کے ساتھ خط لکھ رہا ہوں میرے لیے بھی کوئی دوا تجویز کریں جس کے کوئی سائیڈ ایفیکٹ نہ ہوں۔

محترم آپ 30 Staphisagaria کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار لیں اور آدھا کپ صابن کا بنایا ہوا نمک ملا کر دھوئیں آدھا کپ صابن میں جس کی قیمت 800 روپے ہے۔ ان شاء اللہ بہت آفاق ہوگا۔

مسز فیضان علی کینک آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے شوہر ایک ٹیٹی میں بطور سیل ٹیگر کام کرتے ہیں انہیں بہت زیادہ سفر کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے تھکاوٹ کا شکار رہتے ہیں اور اکثر کندھوں اور پنڈلیوں میں کچاؤ اور درد کی شکایت محسوس کرتے ہیں دوسرا مسئلہ میری بیٹی کا ہے جس کی عمر 8 سال ہے اسے رات کو بچہ شاپ کر دیا کرتی ہیں سلاؤ پھر بھی رات کو ہنسنے لگتی ہیں آپ سے گزارش ہے کہ کوئی دوا تجویز فرمادیں۔

محترم آپ اپنے شوہر کو 30 Rhus Tox کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلا میں اور درد کے لیے Apherodite Pain Killer (تیل) 700 روپے کا بھی آرڈر کر کے منگواسکتی ہیں ان شاء اللہ درد میں بہت آفاق ہوگا اور جلدی 30 Causticum کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار لیں۔

محترم آپ اپنے بھائی کو 30 Conium کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔

# ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا



ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے ڈاکٹر عہدے کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے ڈاکٹر صاحب صاحبہ آپ کی صحت کے ذریعے تفریق و ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مطالعہ میں شغور فرما رہے ہیں۔



قیمت 900/= روپے



قیمت 700/= روپے

براہ راست کینک سے لینے پر قیمت 800/= روپے

براہ راست کینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے

الفر وڈ اسٹ پین کٹر

الفر وڈ اسٹ بریسٹ پیوٹی



قیمت 700/= روپے



قیمت 600/= روپے

براہ راست کینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے

براہ راست کینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے



ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کینک  
ایڈریس: دوکان نمبر C-5، کے ڈی فلنس فیر 4  
شادمان ٹاؤن نمبر 2، بکٹر B-14، نارنگھ کراچی 75850  
فون نمبر 021-36997059، 0320-1299119  
جی آر ڈاکری سہولت بھرتے کی صورت میں فون پر ادائیگریں



ڈکار میں آتی ہیں کھائی ہوئی غذا کا ذائقہ کافی دیر تک محسوس ہوتا ہے۔ ششدری چیزیں اور پھل کھانے سے فائدہ ہوتا ہے۔ مکھن نہیں کھا سکتی کھانا کھانے کے بعد ابھارہ محسوس ہونے لگتا ہے تقریباً ایک گھنٹے بعد درد ہوتا ہے اگر کرتے ہو جائے تو یہ بہت دیر پہلے کھائی ہوئی غذا نکلتی ہے۔ کوئی دوا تجویز نہ کریں۔

محترمہ آپ Pulsatilla 30 کے قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔  
علیہ خان پشاور سے لکھتی ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کی کھلیت لکھ کر بھیج رہی ہوں ان کی کیفیت اچانک میں شائع نہیں کیجئے گا ان کے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں اور ایک ماہ کی دوا منقولانے کا طریقہ بھی بتادیں؟ کیونکہ ہمارے علاقے میں ہو پھوپھک میڈیسن نہیں لگتی۔

محترمہ آپ اپنی پھوپھ کا Pelvis کا الٹرا ساؤنڈ کروا کر رپورٹ ہمارے کلینک کے پتے پر ارسال کر دیں یا 4900800-0349 پر دوائس اپ کر دیں رپورٹ دیکھ کر دوائی تجویز کی جائے گی اور ایک ماہ کی دوا 1000 روپے کی ہوتی ہے مثلاً 1000 روپے کا مٹی آرڈر ہمارے کلینک کے پتے پر ارسال کر دیں ایک ماہ کی دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔  
نادیہ خانی بہاولنگر سے لکھتی ہیں کہ میرا بیٹا 5 سال کا ہے اسے شدید نفیس کی شکایت ہے کھانا نہیں کھاتا مگر نفیس چائے کی پتی کھاتا ہے پیٹ میں ہر وقت درد رہتا ہے۔

محترمہ آپ اپنے بچے کا خاص خیال رکھیں کہ وہ ان اشیاء کا استعمال نہ کرے اور اسے Alumina 30 کے 5 قطرے دھا کپ پانی میں دن میں 3 بار پلائیں ان شاء اللہ قبض ختم ہو جائے گا۔

فرحانہ بیگم اسلام آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا بیٹا 17 سال کا ہے گھراس کا بڑا صافی میں دل نہیں لگتا یا دکر کے بھول جاتا ہے وہم کا شکار رہتا ہے بدگمان اور بگڑا ہوا ہے کسی برا اعتماد نہیں کرتا میرے مہربانی کوئی مناسب حل بتائیں۔

محترمہ آپ اپنے بچے کو Aracardium 30 کے 5 قطرے دن میں 3 بار پلائیں اور اس کے ساتھ فری سے خوش آئیں ان شاء اللہ وہ جلدی بہتری کی طرف آجائے گا۔

سونیا خان انک سے لکھتی ہیں کہ میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے کہ آپ لوگوں کے مسائل حل کر لی ہیں اور ان کی تکلیف دور کرتی ہیں برائے مہربانی میری والدہ کی تکلیف کا حل بتائیں انہیں سیدھے ہاتھ کے بازو میں بہت درد رہتا ہے ہاتھ اوپر نہیں اٹھا سکتیں بہت علاج کروایا مگر فائدہ نہیں ہوا اب ہماری آخری امید آپ ہی ہیں۔

محترمہ آپ اپنی والدہ کو Sanguinaria 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں پلائیں اور صبح 700 روپے کا مٹی آرڈر ہمارے کلینک کے پتے پر ارسال کر دیں۔  
Aphrooutc pain killer oil آپ کے گھر بھیج دیا جائے گا اس کے استعمال سے آپ کی والدہ جلد بہتر ہو جائیں گی اور آپ کی ہم سے وابستہ امیدیں پوری ہوں گی ان شاء اللہ۔  
ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک

ایڈریس: دکان نمبر C-5 کے ڈی ایے فلیٹس فلیئر 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2 میٹرو 14-B مارچہ کراچی۔ 75850  
فون نمبر: 021-36997059  
صبح 10-12 بجے شام 6-9 بجے۔

ایزنی پیرا کاؤنٹ نمبر: 03494900800  
خط لکھئے کا پتا:

آپ کی صحت مابینہ آج کل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی۔



# کامک باتیں

حبیب احمد

آخر میں یاس ہے کیا؟

مغربی معاشرے میں لوگوں کی وسط عمر ایسی ہی ملوں کے مقابلے میں بلاشبہ زیادہ ہے اور یہ فرق خاصا ہے جیسے ابھی ملکہ برطانیہ نے اپنی اسی ویس سالگرہ منائی ہے اس کی وجہ کیا ہے دنیا کے ہر خطے کے انسانوں کی کمزوریش خوراک حاصل کرنے کی ضرورت ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔ مگر مغرب میں اختلاف کیوں؟ ایک بڑے طبقے کا خیال ہے کہ وہ لوگ اپنی صحت کے معاملے میں بہت محتاط ہوتے ہیں۔ ہر چیز اور ہر خواہش سے زیادہ خواہش ان کی یہ ہی ہوتی ہے کہ جو وہ کھا رہے ہیں یا جو عمل وہ کر رہے ہیں۔ انسانی صحت پر اس کے کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ بلاشبہ ان کی طویل العمری اور صحت کا راز جہاں اچھی اور معیاری خوراک حتی الامکان آلودگی سے پاک ماحول ہے وہیں سب سے اہم چیز ہے صحت کے بارے میں شعور۔ بد قسمتی سے ہمارے ہاں انہی تک اور بالخصوص خواتین میں صحت کے حوالے سے آگہی انتہائی کم بلکہ ملک کی اکثر خواتین میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر ہماری اکثر خواتین کے لیے سن یاس کا لفظ ہی شاید نیا ہو گا جتنا کہ یہ وہ دور ہے جس سے عورت کو گزرنا ہوتا ہے۔ بائیں کا کہنا ہے کہ اکثر خواتین سن یاس کے بارے میں علم رکھتی ہوں تو اس دور میں ہونے والی پیچیدگیوں اور فنی تبدیلیوں سے بہت خوبی کے ساتھ نپٹ سکتی ہیں۔ شعور اور آگہی انسان کو کوئی بڑے نقصانات سے بچا سکتی ہے۔

سن یاس کیا ہے؟

سن یاس اس کیفیت کا نام ہے جب عورتوں کو خیریت نا بند ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ سن عرصے کی نشاندہی کرتا ہے جبکہ یاس کا مطلب ہے حسرت یا پاموسی وغیرہ۔ یعنی یہ وہ دور ہے جب عورت نسل انسانی کی بدھوتی

میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ آپ یاری اور نشوونما کی یاری ہمیشہ کے لیے خیر ہو جاتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انسانی جسم میں سن یاس قدرت کے ایک اہم نظام کا حصہ ہے اور جس طرح انسانی جسم میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی ہیں یہ بھی ایک نوعیت کی تبدیلی ہوتی ہے۔ لازمی کی بات ہے جب بدن کمزور ہو جاتا ہے تو اس میں نسل انسانی کو جاری و ساری رکھنے کی صلاحیت بھی کمزور سے کمزور پڑنے لگتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ ہمارے قدرتی نظام کے تحت جو بامومن جسم میں موجود ہوتے ہیں ان کی ضرورت نہیں رہتی اور جسم انشرون اور بدن جشرون بامومن بنانا کم سے کم کمزور ہوتا ہے۔

سن یاس کب شروع ہوتا ہے؟

سن یاس اوسطاً عمر کے پینتالیس سے پچھنچن سال کے درمیان وقفے میں ہوتا ہے لیکن شاذ و نادر چالیس سال اور بعض خواتین میں پینتیس سال میں بھی مشاہدے میں آتا ہے۔ بلکہ مغربی ملکوں میں اکثر خواتین چالیس سال کے بعد ڈاکٹروں سے اس معاملے میں مشورہ کرتی ہیں۔ سن یاس کے بارے میں علامت اور اس میں ہونے والی پیچیدگیوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ تاہم ہمارے ہاں اکثر خواتین اس دور لیے میں اپنی بدلتی کیفیات کو بھی نہیں طرح سے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ سن یاس کے دوران اس بات کی بہت اہمیت ہوتی ہے کہ گھر والے متعلقہ خاتون کا خیال رکھیں۔ اس سے کوئی ایسا کام نہ لیں اور نہ کوئی ایسا کام ویس جس سے اس کی جسمانی اور ذہنی صحت پر تاہم گوارا اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ ہے۔

ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ جس طرح حیض کے شروع میں ایک لڑکی کے جسم اور مزاج میں کچھ تبدیلیاں ظاہر ہوتی ہیں بالکل اسی طرح حیض کے خاتمے کے دوران بھی ہر خاتون کی عادت مزاج جسم کی ساخت اور موسمی اور معاشرتی تبدیلیوں کے انسانی جسم پر رد عمل کو دیکھا جاسکتا ہے۔ جیسے جیسے حیض کے اختتام کے دن قریب آتے جاتے ہیں جسم کے افعال



میں کئی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ عام طور پر اس عرصے میں سرد درجہ پختہ جسم میں گرمی کے پھٹکنے سے محسوس ہوتے ہیں۔ اعصابی کمزوری پیچھے اور سر سے درد ہوتا ہوا ران تک جاتا محسوس ہوتا ہے۔ ہڈ پریش بڑھ جاتا ہے نہایت کے نچلے حصے میں درد اور کمرے کے نیچے کا احساس ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں گرم رہتے ہیں جانے کے مخصوصہ پر خاٹش پیشاب کا بار بار نایا پھر پیشاب پر قابو نہ کھنا خون کے دباؤ کا بڑھ جانا جسم میں موسم کی مناسبت سے سردی کا احساس نہ رہنا اور سر کے بالوں سے پاؤں کے خاٹن تک پسینے میں شاربور ہونا سن یاس کی واضح علامتوں میں شمار ہوتے ہیں۔

سن یا س کے مکمل ہونے تک حیض آباد نہ ہو جاتا ہے۔ اس عرصے کے شروع ہوتے ہی خواتین کو اپنی غذا پر خصوصی توجہ دینی ہوگی۔ اسے ایسی غذا لینی ہوگی جو رہبر اتار سے صحت کے لیے مفید ہو اور جسم کی تمام ضرورتیں پوری کرتی ہو۔ کیوں کہ خواتین کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اس عمر میں ہڈیوں میں گودا بننا کم ہو جاتا ہے اور ہڈیاں کمزور سے کمزور تر ہونے لگتی ہیں۔ ڈاکٹر وکرم گپتا نے بخش غذا کے ساتھ ایک کپ دودھ روزانہ پینے کا ضرور مشورہ دیتے ہیں۔ کیوں کہ سن یا س میں ہڈیوں کے بہت جلد ٹوٹ جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ یہ اندر سے بہت بھر بھری سی ہو جاتی ہیں۔ اس

جیفس کا اچانک بند ہوجانا  
 یہ بھی ممکن ہے کہ جیفس کو ایک عہدہ  
 ہوجاتا ہے۔ ورنہ عام طور پر جیفس کی بندش مختلف وقتوں سے  
 ہوتی ہے۔ جیفس ایک عہدہ پر بند ہوجاتا ہے۔ چھ ماہ بعد  
 آگیا۔ کبھی معمولی سا اخراج ہوا اور کبھی بے رنگ۔ جیفس کی  
 بندش سے پہلے اس کی کئی شکلوں سے عورت کو سامنا کرنا  
 پڑ سکتا ہے۔ جیفس کی بندش کے بعد بھی سب عورتوں میں  
 تہذیبیں ایک سی نہیں آتیں۔ بعض خواتین بہت دلی  
 ہوجاتی ہیں جب کہ بعض دلی پائی ہوجاتی ہیں۔ ان تہذیبوں  
 کو محسوس کرنے کا مختلف طریقے ہیں۔ جیفس کی بندش سے  
 سمجھتی ہیں کہ انھیں ہوا کا رب۔ ہوا کی کہ سمجھتی ہے۔ جن  
 عورتوں کی سمجھتی ہے کہ انھیں ہوا کی کہ سمجھتی ہے۔ جن  
 اس کے بعد کی مہنت تکالیف سے بھی وہ آزاد ہو سکتی ہیں۔ لیکن  
 خواتین کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو اس تبدیلی کو کافی دیر  
 سے قبول کرتی ہیں اور جذباتی طور پر کافی منتشر رہتی ہیں۔  
 عام طور پر جب جیفس آتے بند ہوجاتا ہے خواتین وادی پائانی بن  
 چکی ہوتی ہیں اور گھر میں دوسروں کی رہنمائی کا فریضہ انجام  
 دے رہی ہوتی ہیں۔ ان کا زیادہ وقت گھر میں گزرتا ہے۔  
 اپنے اس کردار میں وہ معاشرتی اور گھریلو سے بہتر طور پر آگاہ  
 ہوتی ہیں اور اپنی اولادوں کو کبھی اس سے آگاہ کرتی رہتی  
 ہیں۔

عرسے میں زیادہ دودھ بھی ہضم نہیں ہوتا تاہم بہتر ہے کہ اس میں ملائیں ڈاکٹر سے دوائے جانے اور اس کے لیے وہ آپ کو ایک ڈائن ملاں دے گا جہاں آپ کے جسم کو مطلوبہ مقدار میں ضرورت کی غذا فراہم کرے گی۔ ڈاکٹر ملائیں ڈوئی کے استعمال کا بھی مشورہ دیتے ہیں۔ بعض ڈاکٹر ملائیں ڈائن کھتے ہیں جب کہ بعض کا خیال ہے کہ خوراک سے حاصل کیے گئے دوائیں گولیوں یا کپسول کی صورت میں لینے والے دوا منر سے بہتر ہوتے ہیں۔ خواتین کو روزمرہ کی خوراک میں بھی میکنیزیم اور دوائیں ڈوئی کی مقدار کم ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں اضافہ کرنا ضروری ہے۔ جو کچھ ڈاکٹر بھی نہیں ہوتا۔ میکنیزیم کی کم مقدار ہضم نہیں ہونے والی اور اس کی کمی کی مقدار کو دیکھ کر سمجھیں ہونے والی نشانات بہت ضروری ہے کہ اگر وقت ملے تو پیچھے وقت سورج کے سامنے کھڑا رہا جائے اس سے بھی بڑی مقدار میں دوائیں ڈوئی مل سکتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ایسے میں جسم کے لیے میکنیزیم کی ضرورت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے کیوں کہ بدن میں یہ بارشوں کے کم پیدا ہونے کی وجہ سے ہونے والے افعال میں غیر مطابقت توازن کو برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

خواتین کیا کریں؟